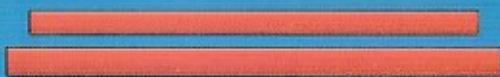


مسبحا



MUHAMMAD
MEDICAL
COLLEGE



محمد میڈیکل کالج کے طلباء کا میگزین

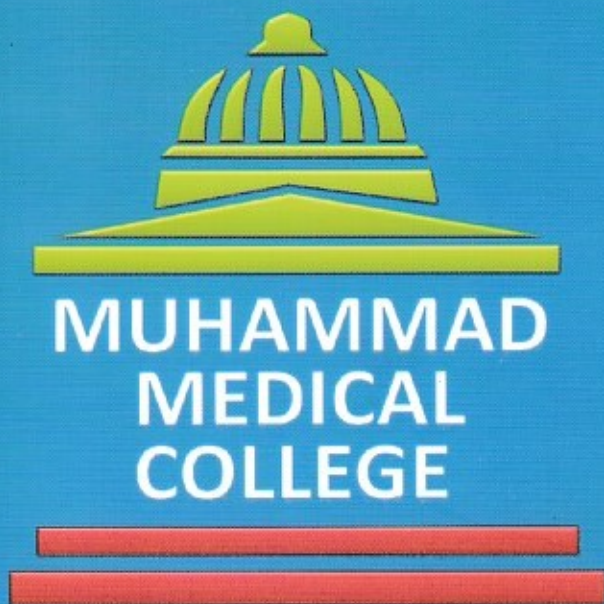
Dedicated to:

Dr. Syed Ali Muhammad
Mrs. Razia Ali Muhammad



A Magazine of M M C I A N S

MESSIAH



Dedicated to:

Dr. Syed Ali Muhammad
Mrs. Razia Ali Muhammad



A College Magazine

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

صفحہ نمبر	مصنف	مضامین	صفحہ نمبر	مصنف	مضامین
25	محمد صادق درینیک	حضرت علی المرتضیٰ علیہ السلام	01	ڈاکٹر حبیب الرحمن	محمد
25	میاں فیض رسول	طالب خدا	01	ڈاکٹر حبیب الرحمن	نعت
25	سید گل بادشاہ	اسپرین (فارما کالونی)	01	ڈاکٹر حبیب الرحمن	منقبت
			01	نقد راجہ وین	شان حضرت سیدہ فاطمہ الزہراء
26	سید رضی محمد	گوشت فزل	02	سید رضی محمد	سلام
27	سید رضی محمد	ایک شکرے کے جواب میں	02	سید رضی محمد	سلام
27	سید رضی محمد	غزل	02	سید رضی محمد	سلام
27	سید رضی محمد	غزل	02	سید رضی محمد	سلام
27	سید رضی محمد	غزل	02	سید رضی محمد	غم حسین
28	سید رضی محمد	غزل	03	ممتاز سید علی محمد	ڈاکٹر سید محمد رضی کی کتاب
28	سید رضی محمد	غزل	04	ڈاکٹر سید ظفر عباس	اسد رات نہ ڈھانکا کراڑ جائے گی
28	سید رضی محمد	غزل	07	سید رضی محمد	انسانی تاریخ کے بدلے ادوار
28	سید رضی محمد	غزل	11		طالب خدا
28	سید رضی محمد	غزل	12	ڈاکٹر جاوید راجپوت	سوہن کی رات
29	سید رضی محمد	فلسطین	12	ڈاکٹر جاوید راجپوت	چرخِ افلاک
29	سید رضی محمد	چشم بے آب کے خواب سے بھر لیا	13	پروفیسر عقیل الرحمن راجپوت	آغوش کا پھول
30	سید رضی محمد	غزل	15	ڈاکٹر جاوید راجپوت	مرغِ مسلم
30	سید رضی محمد	غزل	15	حافظہ نمبر الیا س	اقوالِ زریں
31	سید رضی محمد	غزل	15	عثمان ریاض قدیر مان	ذلت
31	سید رضی محمد	غزل	16	ارتضیٰ احمد	پرچہ سیاست
31	سید رضی محمد	غزل	17	زاہد اقبال	میں پاکستانی ہوں
31	سید رضی محمد	آؤ بیڑیم کی مڑھیاں	17	حافظہ محمد یوسف	فلکِ اری عورت
32	حافظہ محمد یوسف	بوسِ شبنم لایا ہے	18	محمد مہزیل جاوید	ایک دن آپریشنِ قیصر میں
32	محمد زاہد سرفراز	راہِ صاحب کے دم	19	اکبر علی شاہ	پتھر کی دنیا
32	افسر خان	غزل	20		اقوالِ زریں
32	محمد زاہد سرفراز کا ضیاء	اب تم سے روپائیں جاتا	21	حافظہ محمد یوسف	چند اہم سوالات
32	زاہد فخری ایڈیٹر معیہ مقصود	غزل	21	انعم اشرف	سہری گڑیا
32	علی رضا	اسٹوڈنٹ غزل	22	حافظہ محمد یوسف	طوفان میں دستک (افسانہ)
32	حافظہ وقار حسین	غزل	22	ڈاکٹر عقیل الرحمن راجپوت	ڈاکٹر سید رضی محمد صاحب پر بی نظیر میں
32		غزل	23	خالد نبیل	ماں
33	عابد اسلم	غزل	24	محمد شہزاد اکرم	کیا وہ پاگل تھا؟
33	احمد خان عباسی	غزل	24	محمد شہزاد اکرم	ڈاکٹر مجاہد

صفحہ نمبر	مصنف	مضامین	صفحہ نمبر	مصنف	مضامین
			33	فیضان عباسی	غزل
			33	ارتضیٰ احمد خاکی	غزل
			33	رانا جشید اقبال	غزل
			33		تلاش خدا
			34	رانا ابتسام	غزل
			34	صائم نعمان	غزل
			34	خالد نواز راجپوت	بڑی دیر ہو گئی
			34	سمعیہ مقصود	غزل
			34	مدثر نوید	میں اور صحت
			34	محمد مزل جاوید	غزل
			34	محمد ارسلان حیدر	بچپن کی یادیں
			35	ناصر خان بلوچ	میرے دل میں اتر گیا کوئی
			35	راؤ سمیع اللہ	نمکین غزل
			35	صوبیہ سلیم	بے بسی کا تماشہ
			35	شہباز حسین	غزل
			35	محمد تیمور علی	غزل
			36	جام راشد سلمان	سراپکی غزل
			36	شہباز حسین	میرا بیبا کا لُج
			36	محمد سعود عطا	غزل
			36	شاہ زمان	نمکین غزل 2
			36	محمد تیمور علی	غزل
			37	تریلا	غزل
			37	تیزیلا	غزل
			37	سندس	غزل
			37	چوہدری عثمان علی وڑائچ	نظم

﴿ حمد ﴾

درون ذات کہیں ڈھونڈتا ہوں میں تجھ کو
جہاں تلاش کروں دیکھتا ہوں میں تجھ کو
دل و دماغ پہ آنکھوں میں نور تیرا ہے
میں اسے خدا جہاں دیکھوں ظہور تیرا ہے
ترے کلام سے یہ صبح میری روشن ہے
ترے ہی نام سے جاری یہ دل کی دھڑکن ہے
یہ رنگ و روپ یہ پھولوں میں تازگی تیری
چمک رہی ہے جو تاروں میں؛ روشنی تیری
ترے خیال سے کیا ہے کوئی جو عاری ہے
کہ ہر زبان پہ تیرا ہی ذکر جاری ہے
ترے کرم کا میں ادراک کیا کروں کیسے
شمار کیا کروں منہا بھلا کروں کیسے
چمن چمن میں یہاں رنگ بو کے ڈیرے ہیں
ہر ایک ذات میں لہلہ رنگ تیرے ہیں
تو ہی حیات کا مالک وجود تیرے ہیں
مرے قیام بھی تیرے نجد تیرے ہیں
درون دل کہیں بچتے یہ ساز تیرے ہیں
چھپے ہیں جو کہیں اندر وہ راز تیرے ہیں
تری پناہ میں آکر حیات ملتی ہے
نہیں جو ماں میں کسی بھی وہ بات ملتی ہے
کسے ملا ہوں نجانے کہاں چلا ہوں میں
نہ جستجو ہے کسی کی بھٹک رہا ہوں میں
سفر کھین ہے مرا دور ہے مری منزل
مگر ہے آسرا تیرا تو کچھ نہیں مشکل
کبھی جو خود کو اکیلا سمجھ کے گھبرایا
میں خوش نصیب فقط آسرا ترا پایا
مرے خدا تُو مجھے اِذن آگئی دیدے
جئے میں مانگ نہ پاؤں مجھے وہی دیدے
میں دو جہان میں کرتا رہوں ثنا تیری
کہ اس گمان میں مضمر ہے اب بقا میری
ترے حبیب کے قدموں کی دھول ہو جاؤں
کہ بس خدا میں غلام رُسل ہو جاؤں
حبیب میں کہاں یہ رب دو جہاں تُو ہے
جہان عظمت و توقیر میں عیاں تُو ہے
ڈاکٹر حبیب الرحمان چوہان

﴿ نعتِ رسول مقبول ﷺ ﴾

لکھیں گے کیسے شان یہ شایانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
جب ہے مرا خدا بھی ثنا خواںِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
قدموں سے آپ کے جو منور ہے عرش پاک
کتنی ہے سر بلند یہ پہچانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
بھٹکے ہوئے جہان سے باطل فنا ہوا
جلوہ قدم قدم پہ ہے فیضانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
رسوا تھی در بدر تھی یہ انسانیت کہیں
رستے پہ لے کے آگیا قرآنِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
سب پاش پاش ہو گئے دنیا کے بنگلے
بگڑوں نے راہ لی در دامانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
صدقے میں اہل بیت کے جنت کو جائیں گے
اُنھیں گے مر کے جب یہ غلامانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
یہ روپ یہ نکھار یہ خوشبو بھری ہوا
دنیا میں ہے حبیب جو احسانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
ڈاکٹر حبیب الرحمان چوہان

﴿ شانِ حضرت سیدہ فاطمہ الزہراء ﴾

کیا لکھوں ہے کیا مقامِ فاطمہ زہرہ بتول
خالق و مخلوق کے مابین ہے پردہ بتول
ہے نبوت اور امامت کا بھی دروازہ بتول
از ازل تا ابد کونین کی ملکہ بتول
پرورش ہوتی ہے بالآخر جہاں حسین کی
عظمتوں کی انتہا پر ہے وہ ماں حسین کی
عظمتوں کی رفعتوں کی جو علم پر دار ہے
عالمیں کی عورتوں کی بی بی " جو سردار ہے
پر تو ہے علم نبوت جس کا ہر کردار ہے
جس کے در کا دیکھ کہ جبریل پہریدار ہے
حالت امت سے ہے نالاں وہ بیچاری بتول
قبر میں بھی بے سکون ہے درد کی ماری بتول

حاصل مطالعہ نذر ابراہیم

﴿ منقبت ﴾

ظلمت کدوں کو نور سے روشن بنائے گا
شیر کا لبو ہے یہ رستہ دکھائے گا
مظلومیت کا ہے فقط اتنا سا فلسفہ
باطل جہاں اٹھا وہاں شیر پائے گا
خونِ رسول ہے یہ جگر گوشہ بتول
سن لے یہ ہر یزید کہ کر بل بجائے گا
عشقِ حسین ہی تو خدا کا ہے راستہ
جو آشنا ہوا وہی جنت میں جائے گا
جس اہتمام میں مرا شیر مگر نہ ہو
خالق تو وہ جہاں بھلا کیسے بنائے گا
سوز و غم حسین ہی زاو حیات ہے
جس میں ہو یہ حبیب وہ مؤمن کہائے گا
ڈاکٹر حبیب الرحمان چوہان

﴿سلام﴾

رگوں میں حرّ کی مگر اب لبو حسین کا ہے
کہ اس کے زاد سفر میں غلو حسین کا ہے
لباس دین ملا خلق کو محمدؐ سے
اور اس لباس میں کار رفو حسین کا ہے
پلٹ گئیں سبھی رحمت پسندیاں کہہ کر
کشادہ ذہن بہت راہ رو حسین کا ہے
جہاں میں کوئی بھی تحریک ہو حریت کی
یا انقلاب ہو، رگ میں لبو حسین کا ہے
جہاں تازہ کہ ہے خون انقلاب سے سرخ
کھیں سے دیکھ لو، یہ کو پہ کو حسین کا ہے
ہر ایک ظلم کا بانی ہے گویا مثل یزید
مزاہمت میں ہے جو لبو حسین کا ہے
بقائے دین، لے قربانیاں محمدؐ کی
یہ سر علی کا ہے اور یہ گلو حسین کا ہے
"حسین مٹی" کو دشمن بھی خوب جانتا تھا
عدوئے دین محمدؐ عدو حسین کا ہے
میں پی رہا ہوں مسلسل جو معرفت کی سے
عطائے رب ہے کہ یاں بھی سبو حسین کا ہے
حسین کا جو ہے، وہ مسلک حضورؐ سے ہے
حضورؐ کا ہے جو، وہ ہو لبو حسین کا ہے
رحمتی کے بچے جو فرش عزا پر بیٹھے ہیں
انہی کی نسل ہیں، جن کا لبو حسین کا ہے
سید رضی رحمہ

﴿سلام﴾

تشکیک ہوں ہزار، اگر کربلا نہ ہو
ابھن ہو بار بار، اگر کربلا نہ ہو
باطل لباس حق میں کھڑا ہے جو چار سو
کیسے ہو آشکار، اگر کربلا نہ ہو
وہ وہ ہیں دام راہ میں ترفیب و خوف کے
ہو جائیں ہم شکار، اگر کربلا نہ ہو
لے جائے ہم کونفس ہی بھڑکے سوئے نار
کم سے کم ایک بار، اگر کربلا نہ ہو
دستور حق کی لشکر حق کو تلاش ہے
کیسے لے گیار، اگر کربلا نہ ہو
ہر ہر قدم پہ کون سکھائے گا پھر ہمیں
انسانیت سے پیار، اگر کربلا نہ ہو
بعد نبیؐ کے گرمی فہرست عشق میں
افسوس بے شمار، اگر کربلا نہ ہو
حد ہے کہ ایک چھوڑ کے شاید کئی خدا
کرنے لگوں شمار، اگر کربلا نہ ہو
جو آپ کو رستی کی محبت پہ ناز ہے
کیسے ہو پائیدار، اگر کربلا نہ ہو
سید رضی رحمہ

﴿سلام﴾

پڑھ لکھ کے، غور کر کے، سمجھ آئی ایک بات
تنبہم کربلا میں ہے تنہیم کائنات
کیا کچھ نہیں ہے پاس مگر بعد لا الہ
حب رسول و آل ہے سرمایہ حیات
ان میں ذرا کمی کی، نہ نبی حسین نے
جو طے کئے تھے رب نے محمدؐ سے معاملات
دنیا میں زیادہ لوگ برائے فروخت ہیں
کچھ کو حسینیت کے توکل سے بے نجات
کس جنگ میں ہے فوج کی قلت میں فائدہ
جینے میں موت سب ہے تو کب موت میں حیات
دے دیں اگر یہ ذات بھی اور کائنات بھی
پورے نہ ہوں گے کربلا والوں کے واجبات
سید رضی رحمہ

﴿سلام﴾

بار ہا دین کی تفسیر لکھی جائے گی
کربلا والی مگر بات نہ بن پائے گی
قید نفرت سے نکل آئی تو پیری دنیا
ایک پیار کی چوکھٹ سے شفا پائے گی
لائے گی عابد پیار اٹھا کر زینت
ساتھ میں دین محمدؐ بھی بچا لائے گی
جب ہمیں سمجھے گی کہ ہم ہیں غلام عابد
ہم کو بھی آگ کے شعلوں سے بچالائے گی
جیسے بل من کا دیا زینت کبریٰ نے جواب
ساری دنیا بھی جو چاہے تو دے پائے گی
آج کے بعد شبیر بنے گی زینت
اور کبھی حیدر کرار بھی بن جائے گی
آج کے بعد تو مظلوم سے کانپے گا شفی
نرم حلقوں سے شمشیر بھی کٹ جائے گی
اپنے کردار میں اک بار بسالے کر بل
نار نمبر و بھی مَس ہوگی تو بچھ جائے گی
دل کی آنکھوں سے نظر آتا ہے جیسے کہ خدا
تیری الفت مرے شعروں میں نظر آئے گی
دل میں اس درجہ تلاطم ہے کہ اب چشم رستی
اپنے آنسو نہ نکالے گی تو مر جائے گی
سید رضی رحمہ

﴿غم حسین﴾

ساری محبتیں مَس منظر میں ہیں اس گھڑی
چھایا بھرے وجود پہ ہے اب غم حسین
گنجائش کہاں، کہ ہے تم سے بھرا ہوا
یہ پیالہ وجود لباب غم حسین
ایسی مہامت، کہ پتہ ہی نہیں چلا
کب آیتوں کا ورد ہوا، کب غم حسین
سید رضی رحمہ

ڈاکٹر سید رضی محمد کی کتاب ﴿

”سردابو کے دیس میں“ کی افتتاحی تقریب کے موقع پر پڑھا گیا مضمون

مسز رضی علی محمد

سب سے پہلے تو میں ”سردابو کے دیس میں“ کے اجراء پر محمد میڈیکل کالج کے اسٹوڈنٹس اور میر پور خاص کے لوگوں کو مبارکباد پیش کرنا چاہوں گی۔ میرے پیارے بیٹے ڈاکٹر سید رضی محمد کی کتاب ”سردابو کے دیس میں“ اور کالج میگزین ”مسیحا“ پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے جہاں انتہائی فخر محسوس ہو رہا ہے وہیں بے انتہا مسرت بھی ہو رہی ہے۔ فخر اس لیے کہ شاید ہی کسی اور ماں کو اپنے بیٹے کی کتاب کی رونمائی اور اور اس پر لکھنے کا موقع ملے ہو۔ اور مسرت اس بات پر کہ دنیا کی ہر ماں کا اپنی اولاد کی کامیابیوں پر خوش ہونا بالکل فطری بات ہے۔

صاحب کتاب سے واقفیت و ناخبر میں سب سے زیادہ میری ہے۔ اگر اسے یوں کہا جائے کہ میں انہیں اس وقت سے جانتی ہوں جب یہ اپنے آپ کو بھی نہیں جانتے تھے۔ اسی لئے جب ان کی کتاب میرے ہاتھوں میں آئی تو بے ساختہ خیال آیا کہ بات کرتی بھی نہ آئی تھی تمہیں۔ یہ ہمارے سامنے کی بات ہے۔ ایک وہ زمانہ تھا جب مجھے انتہائی حسرت ہوتی تھی کہ کب یہ اس قابل ہوگا کہ کچھ میری سنے ہیں۔

اور کچھ باقی سنائے۔ اور اللہ کے فضل و کرم سے اب وہ وقت آچکا ہے کہ وہی ننھا سا بچہ دنیا کو اپنی سوچ اور اپنے خیالات سے آگاہ کر رہا ہے۔ رضی نے اپنے بچپن کی بالکل صحیح تصویر کھینچی ہے یہ کہہ کر کہ مجھتی شمع، نکھرے کاندھ بے ترتیبی کپڑوں کی ہم نے اپنے کمرے کا بھی اپنا سا انتہام کیا

یہ تو ان کے لڑکپن اور بچپن کی بات تھی۔ مجھے بھی دیکھنا پڑتا تھا کہ یہ کس حال میں ہیں۔ آج اللہ نے انہیں اس قابل کیا ہے کہ وہ شعر اور ادب کو سنہال رہے ہیں۔ ویسے تو یہ آپس کی بات ہے۔ شاہ، پتہ نہیں کہاں تک سچ ہے کہ بڑے بڑے ادیبوں کا کمروں کا بھی یہی حال ہوتا ہے۔ میں رضی کی حرکات، مسکرات، افکار و گفتار اور کردار سے واقف ہوں۔ ان کا کوئی لمحہ ایسا نہیں ہے جو میری نظروں سے اوجھل ہو۔ ان کی جو کتاب سامنے آئی ہے اس میں اپنے رشتوں سے محبت کا اظہار اور اپنے وطن کی تڑپ اور اسے اقوام عالم میں سر بلند دیکھنے کا اظہار بھی ہے!

یہ میری قوم ہے مجمع نہیں ہے
یہ ارض پاک ہے جنگل نہیں ہے

اس شعر پر جتنا بھی غور کریں اتنے ہی معانی کھلتے جاتے ہیں اپنے لوگوں اور اپنے ملک کی محبت کی انتہائی گہرائی سمجھ میں آتی ہے۔ 2005 میں شانی علاقوں میں آنے والے زلزلے کو اس درد مند شاعر نے جس قدر گہرائی سے سمجھا ہے وہ اس نظم کو پڑھ کر ہی سمجھ میں آتا ہے یہ نظم ”کس کا خون کس کاں روم میں ہے“ کے عنوان سے انھوں نے لکھی ہے۔ اس نظم سے لگتا ہے کہ حادثے کے وقت شاعر خود وہیں موجود تھا۔

منہی اشوں کے ہاتھوں میں اب بھی

اپنے ہی خون سے لال ہستے ہیں

اس شعر میں اتنا درد ہے کہ ہر پڑھنے والے کی آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں۔ آج کے زمانے میں ہمارے ملک پر جو دہشت اور خوف کا عالم ہے ہر طرف شورش و بد امنی میں گھرا ہوا ہے اس کو شاعر نے کس طرح محسوس کیا ہے۔ یہ بتانے کے لیے ان کا شعر

خوف کے مارے آنگن پر بھی چھت تعمیر کرائی ہے

سورج، چاند، ہوا اور بارش، سب کچھ مجھ سے چھوٹا سا نہیں

اس شعر میں کتنی حسرتیں اور غرومیاں چھپی ہوئی ہیں وہ وہی محسوس کر سکتے ہیں جو اسے حالات سے گزر چکے ہیں۔ شاعر کی یہ سوچ کتنے ہی ہم وطنوں کے دل کی پکار ہے۔ ان ساری بے چینیوں اور عالم ابتری میں بھی شاعر کو اپنے محبوبہ پر کتنا مان اور بھروسہ ہے وہ جاننا نظر آتا ہے۔

مجھے عدم سے تعلق نہیں کہ میرا وجود

نمود ذات سے پہلے بھی رب کے دھیان میں تھا

نکل چکا تھا میں جب حلقہ اطاعت سے

میں اس گھڑی بھی ترے حلقہ امان میں تھا

رضی شاعر ہیں مگر بے عملی کے بالکل قائل نہیں ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ ہر شخص اپنی بساط کے مطابق اپنے وطن کی ترقی، خوشحالی اور نیک نامی میں اپنا حصہ ڈالے۔ جو کچھ اس کے ذہن میں ہے وہ حاصل کرنے کی جدوجہد کرے۔

میں شاعر ہوں مگر بس، خواب ہی دیکھا نہیں کرتا

جنا کش بھی ہوں، اپنے خواب کو تعبیر کرتا ہوں

اپنے رب پر بھروسہ ڈاکٹر رضی کو ماہوس ہونے نہیں دیتا۔ ان سارے اندجروں کے باوجود وہ پراسید

جھوٹ تو جھوٹ ہے

سچ کے آگے کہاں تک ٹھہر پائے گا

چند لمحوں میں یہ رات کٹ جائے گی

چند لمحوں میں سورج نکل آئے گا

دنیا دیکھے گی جھوٹوں کے انجام کو

سچ کے پیغام کو

چند لمحوں میں نقش بدل جائے گا

ان سچی باتوں کو سامنے رکھ کر رضی نے کالج کی بنیاد ڈالی۔ ہزار مشکلات کے باوجود ہزار کامیابیوں کے باوجود، اپنے پرائیویٹ حوصلہ شکنی کے باوجود رضی نے اس کالج کو کھڑا کر کے ہی دم لیا۔ آپ سب کی مہربانیوں سے ملک کے اچھے نامور اساتذہ محمد میڈیکل کالج میں اپنے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ یہاں کے طلباء و طالبات محمد میڈیکل کالج سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد پورے پاکستان میں انسانیت کی خدمت کر رہے ہیں۔ وہ اسلام آباد، لاہور، راولپنڈی، سیالکوٹ، حیدرآباد یا کراچی ہو، ان شہروں میں ہمارے لیے کامیابیوں حاصل کر رہے ہیں۔ یہاں تک کہ U.K اور امریکہ میں بھی ہمارے طلباء و طالبات کامیابیاں حاصل کر رہے ہیں۔

مسز رضی علی محمد

چیز پر سن محمد فاؤنڈیشن ٹرسٹ

اے رات نہ ڈھلنا کہ اجڑ جائے گی۔۔۔۔۔

مسز رضیہ علی محمد کے ایام آخری پر ان کے بیٹے ڈاکٹر سید ظفر عباس کی ایک پرسوز تقریر ”مگر مری جی ہے یہ میں گرتا ہوں سنبھالو اماں!“

بتول کی مرتضیٰ اور گھوگر آواز میں امی کا یہ پسندیدہ نو حدرات کے خاموش لحاظ میں مغرب دلوں کو چرے ڈال رہا تھا۔

15 فروری 2014ء کی صبح ہم ہیکسم کی حدود سے نکل کر چٹالسفورڈ کی جانب A1(M) پر اس رفتار سے سفر کر رہے تھے جو بیک وقت تیز بھی تھی اور آہستہ بھی۔ امی گزشتہ تقریباً 5 برسوں سے کینسر جیسے موذی مرض سے انتہائی بہادری کے ساتھ مقابلہ کر رہی تھیں۔ ان پانچ برسوں میں کئی تشییب و فراز آئے۔ کئی پریشان کن مراحل آئے۔ میری قابل فخر فیملی ہر طرح سے ان میں امی کو سپورٹ میا کرتی رہی۔ لیکن ہم سب سے زیادہ خود ہماری خاطر یہ امی کی ذات تھی جو ہر طرح کی تکلیفوں کو برداشت کرتے ہوئے بار بار پاکستان اور انگلینڈ کے درمیان سفر کرتے ہوئے مختلف طرح کے معالجوں سے مختلف انداز کے مشکل علاج کرانے پر ہماری، خصوصاً بھائی جان کی استدعا قبول کر لیتی تھیں۔ لیکن گزشتہ تقریباً دس دنوں سے ان کے جسم نے، جو زندگی کی صعوبتوں سے گزرتے ہوئے اب بے تحاشہ ٹوٹ چھوٹ سے گزر چکا تھا، مزید بوجھ اٹھانے سے انکار کرنا شروع کر دیا تھا۔

A1(M) پر دوڑتی بھاگتی گاڑیوں کے درمیان نظریں کچھ اور ہی مناظر دیکھنے لگیں۔ صبح سویرے بغیر الارم کے اٹھ کر نماز اور دعاؤں سے فارغ ہو کر نہ جانے کون سی دعائیں پڑھ کر دم کرتے ہوئے مجھے چکانا۔ زندگی کے ہر مرحلے پر خصوصاً انسانی اختلافوں میں طرح طرح سے ہمت دلاتا۔ عید الفطر کی سونچوں کا خاص ڈانٹ، بقر عید کے دن کا ناشتہ، عید زہراء کے شای نگڑے، بحرم کی مجالس کا اہتمام، شب برات میں چرائوں اور موم بیٹوں سے گھر میں چرائوں امی کی مستقل یادوں میں سے ہیں۔ ان کا زندگی کو انجوائے کرنا، خالہ جان اور ماموں جان کی فیملی کے ساتھ ہمارا لاہور سے پاک چین کا روڈ کا سفر، ان کا ڈیڑی کے ساتھ، اور پھر بعد میں بھی ہمارے اور دیگر بھائیوں اور بہن کے ساتھ حج، عمرہ اور زیارات کے سفر اور پھر انگلینڈ میں ان کی ڈیڑی کے ساتھ سالانہ آمد۔ لندن اور دیگر علاقوں کی ہمارے ساتھ سیر۔ ہمارا بھی یہ طریقہ تھا کہ جب بھی کسی نئی جگہ جا بلتی وہاں کی سیر اسی وقت کرتے جب اس کی اگلی گرمیوں میں امی اور ڈیڑی آتے۔ امی کا مجالس اور محفل میلاد کا سننے اور خود خطاب کرنے کا شوق۔ ان میں حاضری۔ میر پور خاص سے کراچی ہونے والے اور پھر یہاں انگلینڈ میں ہونے والے روڈ کے سفر میں کار میں کیسٹس اور سی ڈی پر مختلف علماء، ڈاکٹرین اور نو حدرات خواتین کو سننے کا شوق۔ ہمارے گھر میں گزشتہ چند سالوں میں جب آئیں اور میں ہسپتال اور بچے اسکول جاتے تو اسامہ سے فرمائش کر کے اسمارٹ ٹی وی پر یوٹیوب کے ذریعے اپنے پسندیدہ علماء کی مجالس سننا۔ ان کا غرباء کی امداد کا رشتہ۔ ان کی ڈیڑی کے انتقال کے بعد کئی دھوکے بازی کے ذریعے بھی طالب امداد ہوئے۔ امی کیونکہ لوگوں میں خاصہ آنا جانا کھیتی تھی ان کے پاس صحیح مستحق افراد کو پہچاننے کا اپنا ایک طریقہ تھا جس کو وہ خوب استعمال کرتی تھیں۔ گزشتہ کچھ برسوں میں جب ان کو علاج کے سلسلے میں پہلے کراچی اور بعد میں انگلینڈ اکثر رہنا پڑا تو بھیا (حق صاحب) اور اسامہ ان کو فون کر کے ہدایت لیا کرتے تھے۔ ان کی ایک اور ہمیشہ یاد رہنے والی عادت ان کا ذوق مطالعہ تھا۔ میر پور خاص کے گھر میں خصوصی طور پر بنوائی ہوئی الماریاں اور فیلفس ان کی خریدی اور پڑھی ہوئی کتابوں سے بھری ہوئی ہیں۔ قرآن مجید کے تراجم و تفسیر، احادیث مبارک کی کتب، تاریخ، ناول، ڈائجسٹ، سوانح عمری، رسائل، میگزین، اخبار غرض ہر طرح کی قابل مطالعہ اشیاء ان کے پاس وافر مقدار و تعداد میں موجود رہتے تھے۔

امی کی شکل ان کی بہنوں سے خاصی مشابہت رکھتی تھی۔ عجیب بات تھی کہ مختلف اوقات میں وہ کبھی ایک اور کبھی دوسری بہن سے زیادہ ملتی جلتی لگتی تھیں۔ اپنے آخری چند برسوں میں البتہ ان میں ثانی اماں کی بہت زیادہ مشابہت آگئی تھی۔ امی کے انتقال کے اگلے دن اپنے کزن فرخ (کرل علمدار رضا) سے فون پر بات ہوئی تو وہ بھی امی میں اپنی والدہ کی مشابہت کا ذکر کر رہے تھے۔

امی سے ان کے آخری چار ماہ میں مکمل کردہ مرتبہ ملاقاتیں ہوئیں۔ ایک مرتبہ جب وہ نومبر 2013ء میں ایک ماہ سے کچھ اور پر ہمارے ساتھ رہنے ہیکسم آئیں۔ میرے اور میری فیملی کے لیے وہ ناقابل فراموش سرمایہ ہے۔ ذاتی طور پر مجھے ایک قابل قدر موقع اور اس وقت ملا جب 25-26 جنوری 2014ء کے ایک ایڈ میں امی سے ملنے کے گھر چٹالسفورڈ گیا۔ اس سے چند ہی روز قبل امی کو بڑا موذی قسم کا انفیکشن ہوا تھا جس سے وہ صحت یاب تو ہوئی تھیں لیکن ان دنوں ان کا دل ہونے کے سبب میں چونکا۔ ان سے ملنے نہ جا سکا تھا اس لیے ان کو دیکھنے کے لیے چلی تھی۔ وہ بڑے دلدارانہ انداز میں مستقل امی کے ساتھ گزارے۔ بہت پرانی اور کچھ نئی باتیں ہوتی رہیں۔ ڈیڑی، چچا، چچا جان، آنٹی (ہماری چھوٹی چھوٹی بھینجی جن کا امی سے کچھ روز قبل انتقال ہو گیا) کی صحت کی فکر مندی، ماموں جان اور خالہ اپنی اور پھر بیٹا باقی اور ان کی بڑی بیٹی زین کی ہونے والی شادی وغیرہ۔ اس بات پر انہوں نے بار بار خوشی اور اطمینان کا اظہار کیا کہ محبت محمد وآل محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) خود انہوں نے اپنی زندگی میں اپنی 5 نسلوں میں چھٹی پھلنی دیکھی۔

پانچویں پشت ہے جھیر کی مداحی میں

بالا آخر ساڑھے پانچ گھنٹے کی ڈرائیو کے بعد ہم قمر کے گھر پہنچ گئے۔ سیدھے اوپر کی منزل میں امی کے کمرے میں پہنچے۔ بھائی جان اور قمر کے اترے ہوئے چہرے دیکھے اور پھر جب امی کو دیکھا تو دل ڈوبتا محسوس ہوا۔ ایک دوسرے آکھیں ضرور کھولیں لیکن کسی بات کا جواب ملا نہ ایسا لگا کہ کسی کو بھی پہچان رہی ہوں۔ کچھ بعد بڑی بھینجی آنٹی تو ان کے سلام کرنے پر ایسا لگا جیسے پہچان اور سمجھ کر جواب دیا۔ بعد میں بھائی جان نے بتایا کہ ان کی بیٹی ایلیا جس کی بھینجی ہی بنتے شادی امی کے سامنے ہوئی تھی، ملنے آئی تو اس کے سلام کے جواب میں مسکرا کے آنکھیں کھول کے وعادی ”خوش رہو“۔ ایک دادی کا دنیا چھوڑتے ہوئے پونی کو شادی کا نہایت قیمتی تحفہ۔ پھر معلوم ہوا کہ صبح ہی سے طبیعت ایسی ہے۔ بتول اور ہادی بھی باب سمیت راستے میں ہیں کہ بھائی جان نے انہیں فون کر کے آنے کے لیے کہہ دیا تھا۔ پھر بتول بھی آگئیں۔ بچے مستقل کمرے میں آتے جاتے رہے۔ یہاں تک کہ سونے کا وقت ہو گیا۔ بچے سلام کر کے جاتے رہے اور امی مستقل غنودگی میں رہیں۔ آخر میں امی کا سب سے چھوٹا پوتا اور میرا چچا ہادی آیا اور خدا حافظ کہہ کر چہرے پر چہرہ رکھ دیا۔ امی نے آنکھیں کھولیں۔ مسکرا کر اس کے گلے میں بازو ڈال کر اس کے رخسار پر پیار کیا۔ بس پورے دن میں یہ دوسرا وقت تھا جب امی نے ہوش و حواس کے ساتھ کوئی کام کیا۔ میری بہت پہلے سے ہی یہ پتہ چلے رہا ہے کہ یوں تو ہم سب ہی کا امی سے الگ الگ مخصوص تعلق تھا، لیکن چار لوگ امی کی زندگی میں جس سے زیادہ اہمیت رکھتے تھے۔ ڈیڑی، بھائی جان، بتول اور ہادی۔ شاید یہ آخری واقعہ اس بات کا سرٹیفیکٹ تھا۔

شام کے بعد رات آگئی۔ رضوان نے سب کو کچھ نہ کچھ کھانا کھلائی دیا۔ امی کی کیفیت سب کے سامنے تھی۔ امی کے کمرے میں اس وقت ہم 7-6 ڈاکٹر موجود تھے۔ لیکن سچ پوچھیں تو صرف ایک امی تھی اور اس کے بچے۔ ہاں کچھ باتیں اضطراب میں ”ڈاکٹر انا“ بھی لگ جاتی تھیں۔ میں نے گویا اپنے اسپتال کے ایک مریض کے رشتہ دار کو خود سے پوچھتے پایا ”Doctor! how long do we

have?” اور خود کو جواب دیتے سناتے

Asites کی حالت میں جوں ہے، جو پیچہ خزان سے نزلے کے بعد شکم بڑا ہو۔ Ovarian پچہ کے خیزاں اور اولوں کی ذمہ داری میں ملک اور غوم کی سلامتی ہے، وہ دایک دوسرے پر اثرات

ذال کر بری اللہ ہو جاتے ہیں۔ مریم اور آمنہ بھی ہمارے تمام حالات اور خیالات کے ساتھ ساتھ اس سانس ہے کہ اکثر قریب معلوم ہو رہی ہے۔ ”ای! ای!“ بول اور دیگر کی بے تابانہ آوازیں۔ اسماء نے پروگرام سے بھی اپنے کمری کے باوجود مکمل طور پر باخبر بھی تھیں اور صاحب رائے بھی تھیں۔ جب سورہ یٰسین آواز کے ساتھ تلاوت کرنا شروع کر دی۔ 10 منٹ۔ 15 منٹ۔ نہیں۔ ابھی نہیں۔ ابھی انہوں نے اس بات پر بے اطمینانی غماہری کہ بڑے ڈیڈی (رضی بھائی) اور دادی کو یہاں چھوڑ کر ہم امی نہیں جا سکتیں۔ ابھی بھائی جان ہی کچھ نہ کچھ قرآنی تلاوت کر رہے ہیں۔ پھر بھائی جان بھی آگئے۔ کیسے واپس چلے جائیں تو میں نے ان سے یہی بات ان دونوں سے کرنے کا کہہ دیا۔ وہ ایک فیصلہ کن امی کے دائیں سر ہانے بیٹھ گئے۔ ”ای! آپ پریشان ہو گئے ہوں۔ انشاء اللہ سب کچھ آسان اور بہت انداز میں امی کے کمرے میں آئیں اور ان سے بھی امی نے یہی یقین دہانی کرائی۔ وہ اس پر خوش تو اچھا ہوگا۔“ بول چہرے کے مقابل۔ قریبے تابانہ بھی اوجھل بھی اوجھل۔ اسماء امی کے بالکل سامنے ہوئیں مگر اب ایک اور پریشانی نے انہیں گھیر لیا۔ ”دادی ہم سب یہاں ایک دوسرے کے ساتھ رہنے تلاوت میں مشغول۔“ ”ای! آپ خوش خوش جائیں۔ کسی سے ناراض ہو کر نہ جائیں۔ ہم سب کی چھوٹی کے عادی ہو گئے ہیں۔ آپ کو انگلیٹھ میں بھی ہمارے ساتھ ہی رہنا ہوگا۔“ امی نے اس بات پر اتفاق بڑی خلانمیں معاف کر کے جائیں۔ رضوانہ قریب کھڑی ہیں۔ میں نے ان خدمتوں کو یاد کیا جو رضوانہ کیا کہ واقعی ہم سب ایک دوسرے کے ساتھ میری طرح خاص میں رہنے کے عادی ہو چکے ہیں، اور اس گول نے امی کے آخر چند برسوں میں اولاد سے بڑھ کر کیں اور جن کا مجھ سے ہر ملاقات میں امی نے تفصیلی مول جواب پر پچاساں مطمئن ہو کر انگلیٹھ واپس آئے پر راضی ہو گئیں۔ بھائی جان انہیں پہلے ہی سمجھا دیا کہ امی کا بایاں سر ہانے میں نے رضوانہ کے لیے خالی کر دیا اور مریم اور آمنہ کے پاس آگیا ہوا کی کا چکے تھے کہ وہ کسی بھی طرح پاکستان نہیں چھوڑ سکتے، لیکن انگلیٹھ آتے جاتے رہیں گے۔

صبح کے 4 بجے تھے۔ امی مکمل طور پر سکون نیند میں نظر آ رہی تھیں۔ دل بے طرح چاہا کہ ان کی گود میں امی طرح پاؤں پر سر رکھ کر لیٹ جاؤں جیسی عادت مجھے تھی۔ ہر اولاد سے ماں کا تعلق انوکھا اور منفرد ہی ہوتا ہے۔ اور اس کے مظاہر بھی مختلف ہی ہوتے ہیں۔ بھائی جان کا امی کے پیچہ برات اصرار سے پڑھاویں۔ بھائی جان نے امی کو تنہم کر لیا اور وقت آمیز آواز میں امی کو ان کی آخری نماز پڑھاوائی۔ دبانے کا انداز چاہے میں ان دروہو یا نہیں۔ ”میں آپ کے لیے نہیں، میں تو اپنے لیے آپ کے پیچہ دبانے ہوں۔“ امی کا بھائی جان پر بھرپور اعتماد و بھروسہ۔ بھیا پر یہ اعتماد کہ بھائی جان کی خصوصاً اور پورے خاندان کی عموماً یکہ بحال اور معاملات پر نظر رکھنا، ان جیسا کوئی نہیں کر سکتا تھا۔ قمر کا گھر بھری دل جی کا تروتازہ اور با آواز بلند سرو پا احساس۔ یا سہری گھریں اور اس کے ”لا ابالی پن“ کے باوجود اس کی اپنے دوستوں میں صاحب رائے و مشورہ ہونے پر فخر یہ تعجب! بھول کی ہر طرح کی خدا اور صلاحیتوں پر فخر اور خوشی اور اس کے مستقبل کی مستقل فکر۔ خصوصاً بایک کو اپنی جسمانی کمزوری کے باوجود محبت سے گود میں لیتا۔ اس وقت ان کے چہرے کی خوشی دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ پھر اپنی ہر بہو کے بارے میں ان کا یہ اظہار اطمینان کہ اپنی اپنی جگہ ہر ایک خوب رول اور کر رہی ہے۔ اور اپنے اکلوتے داماد کے بارے میں خدا کا مستقل شکر ادا کرنا کہ کس قدر نیک فطرت ہے۔ غرض اپنے خاندان میں ان کو جب کوئی چیز نظر آئی اس کا ذکر اچھا ہی کیا۔ ”ای! آپ کس قدر درگزر کرنے والی اور صرف اچھی باتوں ہی کو یاد کرنے والی خاتون ہیں۔ میری تمام غلطیاں درگزر کر دیں۔ اور اپنی ہر رعایت کا شکریہ وصول کریں۔ میں آپ کا معمولی سا بھی حق ادا نہ کر سکا۔ پھر بھی آپ کی محبتیں بھر پور رہیں۔“

اک شمع کے گرد حلقہ کئے بیٹھے رہو یا رو
کچھ روشنی باقی تو ہے، ہر چند کہ کم ہے

سازھے سات بج رہے ہیں۔ صاف نظر آ رہا ہے کہ اب جتنی بھی سانس باقی ہیں نبیست ہے۔ نورانی مانتا بھرا چہرہ اب بھی مکمل طور پر سکون ہے۔ زندگی بھر پور گزرنے کا اطمینان۔ اپنی ذمہ داریاں اچھی طرح مکمل کرنے کا اطمینان۔ وقت آخر اچھا ہونے کا اطمینان۔ ساتھ لے جانے کے لیے آنے والوں کے ساتھ آخری سفر پر خوش خوش جانے کا اطمینان۔

ع اے موت آ ضرور مگر احترام سے

(ڈاکٹر رضی)

اب 5 بج رہے ہیں۔ امی بعد پر سکون نظر آ رہی ہیں۔ میں ان کے سر ہانے سے اٹھ کر بیٹھ گئے کہ لیت گیا۔ ساڑھے پانچ بجے اسماء نے کمرے میں جھانکنا تو اٹھ بیٹھا۔ خیالات کا سلسلہ ہے کہ روکنے کا نام نہیں لیتا۔ نماز پڑھی۔ رب کریم سے ماں کے حق میں دو عزمیں پھر مانگیں۔ پھر سر ہانے بیٹھ کر مسلسل چہرے کی زیارت۔ ”قی بھری دیکھو کوئی زیارت کی رات ہے۔“ یا اللہ۔ 6 بج رہے ہیں۔ یہ کیا ہونے لگا ہے؟ یہ امی کی سانس اچانک یوں بے طرح کیوں ہو گئیں؟ یا الہی رحم۔ کیا وقت آخر ان پر پہنچا؟ میں نے دوڑ کر تھوڑے وقت کے دروازے پر کھٹکھٹائے۔ ”جلدی آؤ۔“ میری آواز سن کر اسماء جو پہلے ہی جاگ رہی تھیں وہ بھی کمرے سے نکل آئیں۔ ”یا اللہ خیر! کیا ہوا؟“ واپس امی کے پاس۔ کچھ بتانے کی ضرورت ہے مجھ کو، نہ کسی کو سنبھلی۔ سب جانتے ہیں کیا ہو رہا ہے۔ ”بھائی جان جلدی آ جائیں۔“

انسانی تاریخ کے بدلتے ادوار

سید رضی محمد

اس بکھری ہوئی کائنات میں پھیلے ہوئے مواد توانائی اور زندگی میں عمل پذیر واقعات اور ان کے تعلق کو شنیدگی سے سمجھ کر لکھنے میں انسان نے بہت لا پرواہی برتی۔ یونان کے فلسفیوں کے rationalism کو چھوڑ کر زیادہ تر ذور عقیدوں پر رہا اور دنیا میں انسان کی حیثیت زیادہ تر ایک مقلد ہی کی رہی۔ لاکھوں سالوں پر پھیلی ہوئی انسانی تاریخ میں مادہ اور توانائی کے درمیان فطرت کے طے کردہ اصول حیرت انگیز طور پر انسان کی نظر سے اوجھل ہے۔ یہاں تک کہ قرآن مجید میں غور و فکر کرنے کی تلقین بھی سوائے چند استثنا، کے زیادہ تر نظر انداز ہی کی جاتی رہی۔ اگرچہ ہر دور میں سوچنے سمجھنے والوں کی ایک قلیل اقلیت موجود رہی مگر پچھلے چند سو سالوں میں مفکروں نے بہت اہم نتائج اخذ کیے۔ خصوصاً پچھلی تین چار صدیوں میں نئے مفکرین نے غور و فکر کر کے کائنات کے بظاہر امتداد اور بے ترتیبی میں ایک نظام تلاش کیا اور فطرت کے قوانین کو دریافت کرنے اور ان کی مدد سے مزید پیش رفت کرنے کا آغاز کیا۔ فزکس میں اسحاق نیوٹن، حیاتیات میں چارلس ڈارون اور تاریخ میں لیوس مارگن نے اصولوں کو دریافت کیا اور فہم انسانی میں انقلاب برپا کر دیا۔ ان تینوں نے پہلے اپنے اپنے میدانوں میں جتنی معلومات فراہم ہوئیں کر لیں، پھر ان کا معروضی مطالعہ کیا پھر ان کے نتائج مرتب ہوئے۔ اور آخر میں مشترکہ اور ہر بار الجھ کر آنے والے نتائج کو اصولوں کی شکل دے دی۔

پہلے اسحاق نیوٹن نے 1687ء میں اپنی کتاب "طبیعی فلسفے کی ریاضی اصول" یا "Mathematical Principles of Natural Philosophy" شائع کی (1)۔ اس کتاب میں نیوٹن نے طبیعیات کا پہلا اصول کشش ثقل کی صورت میں اور پھر تین قوانین حرکت دریافت کر کے یہ ثابت کیا کہ اگر کائنات پر غور کیا جائے تو اس میں پھیلی ہوئی بے ترتیبی اور بے نظمیی میں ایک ترتیب اور نظم و ضبط نظر آنے لگتا ہے۔ دو سو سال سے کم عمر میں 1687ء میں انگریز سائنس دان چارلس ڈارون نے "On the Origin of Species" لکھی (2)۔ اور جانوروں اور پودوں کی حیثیت اور بنیاد میں ایک ارتقائی کیفیت دریافت کر لی اور یہ ثابت کیا کہ عمل پیداؤں اور تبدیلی حیات میں بھی ترتیب اور ارتقائی نظم و ضبط کا عنصر شامل ہے۔

لگ بھگ اسی زمانے میں امریکی تاریخ دان لیوس مارگن (Lewis Morgan) نے تاریخ کی اظہار بے ترتیبی اور تبدیلی پر غور کرنا شروع کیا۔ اس کی سوچ کو بعد میں مارکس اور انگلز نے آگے بڑھایا لیوس مارگن نے تاریخ کے لغوی مطالعہ اور تجزیے سے نتیجہ نکالا کہ تاریخ مستقل متحرک اور آگے کی طرف بڑھنے والی چیز ہے جو ایک دور سے دوسرے دور تک جانے میں ایک مخصوص وقت لگاتی ہے۔ معاشرے کے اندر موجود تضادات (جدیدیت) معاشرے کو آگے کی طرف لے جاتے ہیں اور ان تضادات کا تعلق اس دور کے ذرائع پیداوار سے ہوتا ہے۔ ہر دور اپنے اقتصادی نظام کے مطابق ہی اپنے سیاسی اور معاشرتی نظام کی تشکیل کرتا ہے۔ جیسا کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے، میر و یا بہادر افراد نے معاشرے اور نظام کو جنم نہیں دیتے بلکہ معاشرے کے بڑھتے ہوئے تضادات اور ضروریات کے نتیجے میں ایسے افراد پیدا ہوتے ہیں جو تبدیلی میں اپنے حصے کا کام کرتے ہیں اور معاشرے کو تیزی سے آگے کی طرف لے جاتے ہیں۔ انسان اور نظریات باہر سے آکر معاشرے کو نہیں بدلتے بلکہ معاشرے میں موجود تضادات ہی کی وجہ سے معاشرے کو بدلنے کے لیے ضروری افراد اور نظریے جنم لیتے ہیں۔ کوئی انسان اپنے دور کی معاشرتی اور معاشی حقائق سے الگ ہو کر نہیں جی سکتا ہے۔ ایک انسان یا بہت سے لوگ مل کر معاشرے کی ترقی کو تیز یا آہستہ تو کر سکتے ہیں مگر تاریخ کے پیچے کو روکنا یا اسے الٹا چلانا کسی کے بس میں نہیں۔

زمین نکل گئی۔ بے تابی سے گردن ٹولی۔ بھائی جان کی طرف نظر اٹھ گئی۔ وہ بھی میری ہی جانب دیکھ رہے تھے۔ ہم دونوں نے سر ہلایا کہ الفاظ یہاں ممکن نہ تھے۔ مضبوط اور مطمئن لوگوں کی بے تائیاں تا قابل نہیں پہنچتے۔ سب

دیکھیں۔ "Death. The only certainty in life"۔ اور قرآن فرماتا ہے۔ خُلّی نفس ذائقۃ الموت (Every Soul Will Taste Death, Quran 3:185) بھیا۔ آپ کہاں ہیں۔ یا سر۔ آجائو۔ ہم تمہارا بھائی جان نے کچھ لوگوں کو SMS کر کے اطلاع دی۔ پھر بھائی جان نے ہمت کر کے قریبی رشتہ داروں کو فون کرنے شروع کیے۔ کس طرح یہ الفاظ اپنی زبان اور کرپائے کہ "امی کا انتقال ہو گیا ہے"۔ یہ مضر دیکھنے کی ہمت میرے اندر نہیں کہ یا سر کو کس طرح بتاتے ہیں۔ میں نے یا سر کا فون نمبر اپنے موبائل فون سے ملایا اور موبائل اس طرح بھائی جان کے ہاتھ میں جلدی سے منتقل کر دیا جیسے جتنا ہوا انگارہ ہو۔ اور گو یا بھائی جان کے ہاتھ تو fire proof ہیں! میں متناظر و در بالین نہیں کہہ سکتا کہ بھائی جان نے کیا الفاظ استعمال کیے اور یا سر نے کیسے سنا اور کیا کہا ہے۔ چینی لیکن واضح تھی کہ گھگھائی دن قرآن sponsorship letter تیار کر دیا کہ یا سر کو کورنیر سے بھیج دینے۔ یا سر اور عروج سنگاپور سے ویزا کے کرایے کے چیکلم میں شرکت کرنے انگلینڈ پہنچ گئے۔ اب تو امی کو اٹھا کر تابوت میں لانا کر اٹھنمور کی مسجد امام بارگاہ میں جا رہے ہیں۔ اب امی کو غسل کے کمرے میں لے گئے ہیں۔ وہاں کے مہربان لوگ غمزہ فینی کی تسلی کے لیے مسلسل آگے پیچھے موجود ہیں۔ خود اولاد اور ان کی اولاد ایک دوسرے سے تعزیت اور دلاسہ کر رہی ہیں۔ بچوں میں فاطمہ امی کی پوسٹ گریجویٹ ڈاکٹر لپٹی، ہر بڑے اور چھوٹے کے آس پاس گھوم پھر کر دلاسہ دیتی رہی۔ غسل اور کفن کے بعد ایک ہال میں امی کو لے آئے۔ لوگوں کے جاننے کے بعد بھائی جان اور بتول ہیں۔ قمر، رضوان ہیں۔ میں اسامہ اور ہمارے بچے ہیں۔ عون بھی ہے۔ بتول نے امی کے پسندیدہ فوٹوں سے چند کا انتخاب کر کے دلفگار آواز میں پڑھنا شروع کیا۔ دل ہے کہ پڑھنا جاتا ہے۔ 17 فروری صبح کے آغاز میں بھائی جان، بتول اور عون کو امی کے پاس چھوڑ کر ہم واپس گھر آئے۔ بھیا کے دل چر دینے والے SMS پڑھے۔ "کیسے ہو؟ کیا کہیں، کیا باتیں اور کیا سوچیں کہ کیسے ہو! لیکن اب ہم سب ہی ایک دوسرے کی طاقت و ہمت ہیں۔ بھیا کا فون آ گیا۔ نہ جانے کتنی بار کس کس کو پہلے بھی آچکا تھا۔ رات جب امی فونو گئی میں تھیں، جب امی آیا تھا۔" امی! بات کریں۔ امی کل بھی فون کیا تھا آپ نے بات نہ کی۔" بھیا، امی نے ہم سے بھی بات نہیں کی۔ بھیا، امی اب کسی سے بھی بات نہیں کر رہی ہیں۔ بھیا، امی کے کمرے میں قمر نے مستقل روشنی کی ہوئی ہے۔ مگر بھیا! لائٹ جل تو رہی ہے، لیکن کمرے میں اس قدر اندھیرا کیوں ہے؟ اس قدر اندھیرا! 9 بجتے ہی چھلسوڑ کے مسلمان قبرستان لان "G" کے پلاٹ 18 کا انتظام ہو گیا۔ امی کو قمر کے گھر لایا گیا۔ وہاں نماز جنازہ۔ قمر کے گھر کا لان لوگوں سے بھر گیا۔ پھر تابوت گاڑی میں امی کو قبرستان لے گئے۔ چھلسوڑ کی 17 فروری کی سرد سہ پہر جب ہم نے امی کو ان کی آخری آرام گاہ میں اتارا۔ کس طرح یہ ہمت کی معلوم نہیں۔ یا سر سے مستقل موبائل کے ذریعے خاموش رابطہ تمام وقت جاری رہا۔ اور جب لوگوں نے میری آنکھوں کے سامنے می ڈالنی شروع کر دی۔ کس طرح انہیں یہ کرنے دوں اور کس طرح انہیں روکوں؟ زمین گھومتی محسوس ہوئی۔ نیکاسل سے آئے ہوئے دوست علی اصغر نے بردقت بازو ڈال کر سہارا دیا۔ اس ناقابل فراموش سرد و پھر میں بتول کی آواز ذہن میں ایک بار پھر گونجتی معلوم ہوئی۔

"گرم ریتی میں گرنا ہوں سنبھالو امی!"

سید ظفر عباس

شب آخر کی خودکھائی

مارگن کی مارکٹ الا آرا کتاب Ancient Society کے ۱۷ میں شائع ہوئی (3)۔ مارگن نے تاریخ کے راقی دور جبری (stone age)، دور کا پر (Copper age) اور دور آہن (Iron age) کو درجہ کے تاریخ کو تین ادوار میں تقسیم کیا اور ہر دور کے تین حصے کیے۔ ان ادوار کو مارگن نے دور وحشت، دور بربریت اور دور تہذیب (دور تمدن) کا نام دیا۔ ان ادوار کو اس نے نچلے درمیانے اور اچرے حصوں میں تقسیم کیا۔ اس طرح نوادوار بنے کہا جاتا ہے کہ جب (Hominid) تقریباً چالیس سے ساٹھ لاکھ سال پہلے پچھلے پاؤں پر کھڑا ہوا تو اس کی ترقی کا ہم ترین قدم ملے ہوا کیونکہ ہاتھ محنت رسم کو ختم کرتے ہوئے سب کو معاف کر دیا۔ دور بربریت کے درمیان کی ابتداء تک ذاتی ملکیت اور اور فساد کی کے لیے آزاد ہو گئے۔ اس محنت اور فساد کی نے ایک طرف دماغ کی نشوونما تیزی کی دوسری جانب ہاتھوں کو اور جالا بکشی۔ انجنیئر نے کیا خوب لکھا ہے کہ "ہاتھ محنت کا اوزار ہی نہیں محنت کی پیداوار بھی ہیں" (4)۔ ہاتھوں کے استعمال کے ساتھ دماغ کے حجم، نیورونز کی تعداد اور ان کے درمیان کنکشنز میں بہت تیزی سے اضافہ ہوا۔

دور وحشت ۲۰ سے ۳۰ لاکھ سال پہلے شروع ہوا اور تقریباً پینتالیس ہزار سال پہلے ختم ہوا۔ دور وحشت کے نچلے دور میں انسان درختوں پر بٹا اور پھل کھاتا تھا۔ اس نچلے دور کی سب سے اہم بات یہ تھی کہ انسان نے ہولنا سیکھا۔ اس دور کے انسان کا کوئی ریکارڈ دنیا کے کسی حصہ میں نہیں پایا گیا۔ دور وحشت کے درمیانے دور میں انسان نے آگ دریافت کی اور پچھلی پکا کر کھانا سیکھا اور توغلاموں اور کارکنوں کی ضرورت بھی بڑھ گئی۔ مفتوح قبیلوں کے افراد کو آپ قتل بھی کیا جاتا تھا بلکہ غلام بنیتجاور یاؤں اور سمندر کے کنارے بس کر دنیا کے بڑے حصے میں پھیل گیا۔ یہ دور قدیم جبری یا Paleolithic دور تھا جس کا ثبوت دریاؤں اور سمندر کے کنارے ملنے والے کند پتھر کے اوزار ہیں۔ آسٹریلیائی ایپو راجنزا اور یوپی ٹیسنز جب دریافت ہوئے تو ان کی افزائش اور ترقی اسی دور میں رہی ہوئی تھی۔ دور وحشت کے بالائی حصے کا آغاز نیو اور اور کمان کی ایجاد سے ہوا۔ انسان نے گاؤں میں رہنا شروع کیا، لکڑی کی کشتیاں بنائیں، پتھر کے ہتھیاروں کو دھار دینا شروع کیا (اسی لیے اسے نیا جبری Neolithic دور بھی کہتے ہیں)۔ مکان بنانا بھی اسی دور کی یادگار رہے۔ شمالی اور جنوبی امریکہ کے باسی کولمبیا کی وادی کے قبائل اور ہڈ سنز بے کے قبائل جب دریافت ہوئے تو اسی دور میں تھے۔

بربری عہد ۵ ہزار سال پہلے شروع ہوا اور ۴ ہزار سال تک جاری رہا۔ اس کا نچلا دور ۴ ہزار درمیانی دور ۵ ہزار اور بالائی دور ۵ ہزار سال رہا۔ بربری عہد کا آغاز برتن بنانے سے ہوا۔ اس کے نچلے عہد میں ابتدائی زراعت اور درمیانی دور میں انسان نے جانور سدا حانا ان کے دودھ اور گوشت کا استعمال سیکھا۔ بربری عہد کے درمیانے دور میں پتھر اور اینٹ کے مکان بننے شروع ہوئے۔ اسی درمیانی دور میں ایشیائی علاقوں میں آریہ، سامی اور تورانی قبیلوں نے فروغ پایا۔ بربری دور کے بالائی حصے میں انسان نے لکھنا سیکھا اور حروف ابجد دریافت کیے۔ اور زراعت کو مزید فروغ دیا۔ بربری عہد کے بالائی دور میں لوہے کی دریافت نے زراعت کے اوزاروں اور شکار کے ہتھیاروں کو بہتر بنایا۔ دنیائے پہلی بار سمندری جہاز اور فصیلوں میں گھرے شہر دیکھے۔

دور بربریت میں لوگ قبیلوں میں رہتے تھے۔ ایک قبیلہ دوسرے قبیلے سے محتاط رہتا تھا اور جنگ کی صورت میں فاتح قبیلہ مفتوح قبیلے کا قلع قمع کر دیتا تھا۔ ایک شخص کو بھی زندہ نہیں چھوڑا جاتا تھا کیوں کہ زندہ غلام کی کام کا تھا۔ ہر انسان اتنا ہی پیدا کر سکتا تھا جس پر وہ اور اس کے لواحقین زندہ رہ سکیں۔ دور تمدن کے آغاز میں محنت کی تقسیم کے باعث کارآمد کارکنوں کی ضرورت پیدا ہوئی تو جنگوں میں شکست کھانے والوں کو قتل کرنے کے بجائے غلام بنایا جانے لگا۔ لیکن ایسا لگتا ہے کہ سرزمین حجاز میں مفتوح قبیلے کو مکمل ختم کرنے کی رسم ساتویں صدی عیسوی میں بھی موجود تھی کیونکہ جبکہ بدر میں

پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "لحمہ ان تحلک بذہ العصابۃ الیوم لا تعبدنی الارض" یعنی اگر یہ میدان جنگ کے مسلمان ہلاک ہو گئے تو روئے زمین پر تیری عبادت نہ ہوگی (طبری جلد ۲ صفحہ ۱۳۹)۔ گویا کفار کا ارادہ میدان جنگ کے مسلمانوں کو قتل کر کے مدینے میں موجود یوزھوں، بچوں، عورتوں اور بیمار مسلمانوں کو بھی قتل کرنے کا تھا۔ اسی طرح جب فتح مکہ ہوئی تو سارے ساکنان مکہ خوش ہوئے تھے کہ مسلمان ان کو تہ تیغ کر دیں گے۔ مگر پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس رسم کو ختم کرتے ہوئے سب کو معاف کر دیا۔ دور بربریت کے درمیان کی ابتداء تک ذاتی ملکیت اور ریاست نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ قبیلے جو کئی برادریوں یعنی Gens یا جنز (گنز) پر مشتمل تھے، موجود تھے۔ ان برادریوں میں رشتے ماؤں سے چلتے تھے۔ لیکن دور بربریت کے درمیانی دور میں زیادہ مویشیوں کی شکل میں انسان نے ذاتی ملکیت حاصل کی تو اس کو زیادہ منع کرنے کی ہوس ہوئی اور آخر اس نے ذرائع پیداوار پر قبضہ کرنا شروع کیا مویشیوں کا چاول بھی شروع ہوا۔ گویا مویشیوں سے زریا رو پیہ کا کام لیا جانے لگا۔ بربریت کے آخری دور میں لوہے کی ایجاد نے جنگل صاف کر کے زراعت اور دستکاری اور ذاتی ملکیت اور تقسیم محنت کو مزید فروغ دیا۔ الگ الگ مال پیدا کرنے والے والوں میں تبادلہ اجناس بڑھتا گیا۔ شہروں اور دیہاتوں میں فرق پیدا ہوا۔ اس طرح تقسیم محنت کا بھی آغاز ہوا۔ امیر اور غریب طبقے کی بھی تقسیم ہوئی۔ اب ذاتی ملکیت کو بڑھانے کے لیے محنت کشوں کی ضرورت ہو گئی اور غلاموں اور کارکنوں کی ضرورت بھی بڑھ گئی۔ مفتوح قبیلوں کے افراد کو آپ قتل بھی کیا جاتا تھا بلکہ غلام بنایا جاتا تھا۔ اور جب یہ غلام زیادہ ہو جاتے تو ان کو بیچ بھی دیا جاتا تھا۔ گویا غلام بنالینا بھی پچھلے دور کے سارے قبیلے کو قتل کرنے کے مقابلے میں ترقی کی جانب ایک قدم تھا۔ غلامی کا ادارہ اپنے تمام تر گھناہنے پن کے باوجود مفتوح قبیلے کے کارآمد افراد کے لیے زندگی کی ضمانت تھی۔ گویا غلام پیداواری عمل میں اضافے کی وجہ سے وجود میں آئے بھی اور ان کی وجہ سے پیداواری عمل کو فروغ بھی ملا۔ غلامی کا یہ ادارہ اس وقت تک جاری رہا جب تک سرمایہ دارانہ نظام اس قابل نہیں ہو گیا کہ جائیداداری کے لیے کام کرنے والے غلاموں کو پر ویشاری کارکن بنانے کے لیے آزاد نہ کر دیا جائے۔ چنانچہ ڈیڑھ سو سال قبل کیم جنوری ۱۸۴۳ میں ابراہام لنکن نے غلامی کو غیر قانونی قرار دے کر اس کا خاتمہ کر دیا اور اپنے اس قدم کو انیسویں صدی کا سب سے اہم قدم قرار دیا۔ انسان کی نئی دریافت شدہ ذاتی دولت اور غلاموں کی ضرورت نے آبادیوں کو اور بھی غیر محفوظ بنا دیا اور تہذیبی فصیلوں سے گھرے شہر وجود میں آ گئے۔ حفاظت کے لیے فوج کا ادارہ وجود میں آیا۔ مگر نظام جو دور وحشت کے درمیانے عہد سے شروع ہوا تھا، اب کمزور پڑنا شروع ہوا۔ اس کی جگہ موجودہ شکل کے خاندان، ریاست اور ریاستی اداروں نے یعنی شروع کر دی۔ یہاں تک کہ دور بربریت کے خاتمے کے ساتھ گن کا نظام بھی ختم ہو گیا۔ اب تک عورتیں گھروں کے کام اور محدود باہر کے کام کرتی تھیں۔ مگر چونکہ الماک مشرق کی تھیں لہذا مرد کو ان پر بالادستی تھی بلکہ گن میں رشتے ناٹے ماں سے چلتے تھے۔ ماموں زاد اور خال زاد رشتوں کی چچا زاد اور چچو بھی زاد سے زیادہ اہمیت اور قربت تھی۔ محنت کی تقسیم اور ذاتی ملکیت سے براہ راست صرف مرد کو فائدہ ملا کیونکہ وہ محنت جو ذاتی ملکیت میں اضافہ کرتا تھا، مرد کے حصہ میں تھی۔ چنانچہ ملکیت بھی مرد کی قرار پائی اور عورت اس کے زیر دست آ گئی۔ گن کا نظام ختم ہونے سے خاندان کا نظام آ گیا اور بچے باپ کے نام سے پچھانے جانے لگے۔ نیز موروثیت بھی وجود میں آ گئی اور خصوصاً لڑکوں کا ورثہ لڑکیوں سے زیادہ قرار پایا۔ ذاتی ملکیت کے آغاز سے عورتوں کو جو معاشرے کے نچلے حصے میں دھکیلا گیا تو آج تک وہ اپنا مقام حاصل نہیں کر سکی ہیں

اس کے پاس تھوڑی ذاتی ملکیت اور محدود آزادی تھی۔ کارکنوں کی کمی پورا کرنے کے لیے خواتین کو گھروں کے کاموں سے نکال کر انڈسٹری میں کام کرنے کی ترغیب دی گئی۔ ۱۸۵۰ء میں امریکہ میں تین میں سے دو محنت کش کھیتوں میں کام کرتے تھے۔ آج چالیس میں سے صرف ایک محنت کش کھیتوں میں کام کرتا ہے۔ تعلیم، سائنس، ہیکنا لوجی اور قوانین کو فروغ دیا گیا۔ پورٹو واطیق نے مکمل طور پر دنیا کی باگ دوڑ سنبھال لی۔ ہوائی اور بحری جہازوں، ٹرین، بسوں اور ٹرکوں نے دور دراز کے علاقوں کو قریب کر کے کامرس اور ٹریڈنگ کے لیے دنیا کو ایک یونٹ بنادیا۔ پیداوار اور پیداواری طاقتوں میں اتنی تیزی پیدا کی کہ سابق تعلقات میں مسلسل تبدیلیاں رونما ہونے لگیں۔ پورٹو واطیق نے دیہاتوں کو شہروں کا دست نگر بنایا۔ جہالت، روایت پسندی، توہمات، مذہب میں جزویات اور فرقہ پرستی کے قدیم جوتوں کو ترک کر کے عالمی معاشرت اور سائنسی ترقی کی دو بنیاد رکھی جس کا عشرِ شیر بھی ماضی کے نظام نہیں دے سکے تھے۔ آج سائنسی معلومات ہر پانچ سال میں دگنی ہو جاتی ہیں۔ یعنی ابتدائے آفریقہ سے آج تک انسان نے جتنا علم حاصل کیا ہے، ۲۰۱۹ء تک اتنی ہی علم اور حاصل کر لے گا۔ ٹیکنالوجی میں یہ رفتار اور بھی تیز ہے۔ ہر شمارہ مہینے میں کمپیوٹر کی پراسسنگ کی رفتار دو گنی ہو جاتی ہے۔ (5)

لیکن سرمایہ دارانہ نظام، جاگیردارانہ نظام کے مقابلے میں زیادہ ترقی یافتہ نظام ہونے کے باوجود جاگیردارانہ نظام کی طرح طبقاتی نظام ہوتا ہے۔ اس میں پورٹو وازی (ذرائع پیداوار کے مالک جو کارکن کی قوت محنت کو خریدتے ہیں اور قدر زائد پر مکمل حق جھالیے ہیں) پر وٹاری (محنت کی طاقت بیچنے والے کارکن) پر آمریت اور حاکمیت مسلط کرتے ہیں۔ ہر اقتصادی نظام کی طرح سرمایہ دارانہ نظام کا بھی ایک اپنا پوشیدہ آئین ہوتا ہے۔ جس طرح دھل جاگیردار اپنے مزارعوں سے زری رستے کے باوجود اپنی زمینیں ان میں نہیں بانٹ سکتا اور ایک سودخور قرض خواہ اپنا قرض معاف نہیں کر سکتا، اسی طرح ایک پورٹو وازی ملکیت میں لی ہوئی ذرائع پیداوار (کارخانے) اور اس سے حاصل ہونے والے قدر زائد پر کارکنان (پر وٹاریہ) کے حق کو تسلیم نہیں کر سکتا۔ دراصل کثیر سرمایہ کسی شخص کی ذاتی محنت سے جمع نہیں ہو سکتا بلکہ دوسروں کی محنت کے اقتضال سے ہی جمع ہو سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت علی کا قول ہے کہ ”جہاں کہیں سرمایہ کا ارتکاز دیکھو، مجھ کو کسی کے ساتھ نا انصافی کی گئی ہے“ (6)۔ اور لولقا باب ۱۸ میں درج ہے کہ ”اونٹ کا سوئی کے تاکے میں سے گزر جانا اس سے آسان ہے کہ کثیر دولت رکھنے والا خدا کی بادشاہت میں داخل ہو“ (7)۔ اور یہ کہ ”تم خدا اور دولت دونوں کی اکٹھے خدمت نہیں کر سکتے“۔ چنانچہ ایسٹ انڈیا کمپنی نے ہندوستان اور چین میں تجارتی اقتضال کی ساری حدیں پار کر لیں۔ یہاں تک کہ لارڈ رابرٹ کلائیو (جو ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہندوستان پر قبضے کا ذمہ دار تھا اور جسے متعصب مغربی تاریخ دانوں نے فاتح ہند لکھا ہے) اور وارن ہسٹنگز (ہندوستان کا پہلا گورنر جنرل ۱۷۷۳ء-۱۷۸۵ء) دونوں پر برطانوی پارلیمنٹ کو مقدمے چلانے پڑے۔ انگریز سوداگروں نے لاکھوں افریقی غلام امریکہ کے بازاروں میں فروخت کیے۔ ایتھنز، پرتگال اور ہالینڈ کی تجارتی کمپنیوں نے اپنے مقبوضات کو لوٹ کر سرمایہ اکٹھا کیا۔ امریکہ سفید فام آبادکاروں نے اصلی امریکی باشندوں کا جانوروں کی طرح شکار کیا اور ان کی زمینوں، چاندی، لوہے، کانوں پر زبردستی قبضہ کیا۔ اور انگریز تاجروں نے خریدے ہوئے سیاہ فام غلاموں سے بلا معاوضہ کام لیا۔

دوسروں کی محنت پر زندہ رہنا اور مزے کرنا صرف سرمایہ دارانہ نظام کا خاصہ نہیں بلکہ طبقاتی نظام کا خاصہ ہے جو ذاتی ملکیت سے جنم لیتا ہے

۵ ہزار سال پہلے دو تمدن کے آغاز میں ہی ریاست، بادشاہت، آرمی، خاندان، مرد کی بالادستی اور وراثت نے اپنے قدم جمالیے۔ اس کے ساتھ ہی ایک ایسا طبقہ وجود میں آیا جو جاگیردار، کسان، گلہ بان اور دست کار کے برخلاف عمل پیداوار میں کوئی حصہ نہیں لیتا اور محض پیداوار کا تبادلہ کرتا ہے۔ یہ تاجروں کا طبقہ ہے۔ یہ طبقہ پیداوار اور اس کے منافع کے بڑے حصے کو اپنے قبضے میں کر لیتا ہے۔ اس تاجر طبقے نے ذرائع پیداوار کو آپس میں تبدیل کرنے کی جگہ ایک نئی چیز شروع کی اور وہ تھی دھات کی شکل میں زر۔ دوسری جانب اس نے مفت کام لینے کی خاطر انسانوں کو غلام بنانے اور غلاموں کی خرید و فروخت کرنا شروع کیا۔ تیسری جانب اس نے زمین کی بھی خرید و فروخت شروع کی۔ چوتھی جانب اس نے قریب اور دور کے علاقوں میں نئی مارکیٹیں تلاش اور دریافت کرنا شروع کیں۔ دولت کا اجتماع اور ارتکاز زر کے ساتھ عام آدمی کی غریبی بڑھتی گئی۔ جنر (Gens) اور برادریوں کی اہمیت کم ہوتی گئی اور خرافاتی ریاستوں اور ریاستی اداروں کی اہمیت بڑھتی گئی۔ ذرائع پیداوار کی تبدیلی نے انسانی سوچ، رہن سہن یہاں تک اخلاقی معیار پر بھی اثرات مرتب کیے۔ ریاست، غلامی، پولیس، فوج، ریاستی ادارے، قوانین، طبقاتی نظام یہاں تک کہ اخلاقی معیار بھی ذاتی ملکیت اور بالخصوص ذرائع پیداوار کی ذاتی ملکیت سے وجود میں آئے ہیں۔ حکمرانی اسی طبقے کی ہوتی ہے جس کے قبضے میں ذرائع پیداوار ہوتے ہیں اور قوانین اسی طبقے کے مفادات کے دفاع کے لیے بنتے ہیں۔

دو تمدن کے درمیانی حصے میں بڑی بڑی جاگیریں راجاؤں اور نوابوں نے تھیلیں ان جاگیرداروں سے feudalism وجود میں آیا۔ جاگیرداری نظام کے تین بنیادی ستون تھے یعنی ملکیت، نوابیت اور کلیسائیت۔ ان جاگیروں کی حفاظت کے لیے پولیس اور فوج کو کافی سمجھتے ہوئے مذہبی پادریوں کی بھی ملایا گیا۔ باکو پادریوں نے خالق کی طرف ایسی باتیں منسوب کیں جن سے لگتا تھا کہ جاگیریں براہ راست خدا کی جانب سے ہیں۔ امیری اور غریبی قسمت کا کھیل ہے۔ ایک غریب کے لیے امیر بننے کی خواہش رکھنا اس کے گناہگار ہونے کی دلیل بنتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ مذہب میں جزویات، توہمات اور فرقہ پرستی کو جتنا فروغ جاگیرداروں نے دیا تھا کسی نے نہیں دیا۔

امیر شہر غریبوں کو لوٹ لیتا ہے
کبھی بہ حیلہ مذہب، کبھی بنام وطن

دو تمدن کے بالائی حصے میں مشینوں نے صنعتی انقلاب برپا کر دیا۔ جن کے نتیجے میں جاگیردارانہ نظام کو شکست دے کر سرمایہ دارانہ نظام آیا اور مغربی یورپ، امریکہ، جاپان اور مشرق بعید کے دیگر ممالک میں چھا گیا۔ مشینوں کی دریافت کے ساتھ ہی صنعتی شہروں میں کارکنان کی ضرورت ہوئی۔ چنانچہ ضرورت ہوئی کہ جن توہمات نے کسان کو زمین دار کے پاؤں سے باندھ رکھا تھا انہیں توڑ دیا جائے۔ جاگیرداروں کے نیچرل حلیف یعنی پادری کی طاقت کم کی جائے۔ ان ضروریات نے enlightenment کے فقید المثال نظریے کو جنم دیا اور یورپ کے دانشوروں نے یہ مانا اور منوایا کہ اب سنی سنائی باتوں پر یقین کرنے کے بجائے انہیں پرکھیں گے اور جو صحیح ثابت ہوں گی انہیں تسلیم کریں گے اور جو غلط ثابت ہوں گی انہیں رد کر دیں گے۔ دوسری جانب کارکنوں کو آزادی دی گئی اور غلامی کے ادارے کو ختم کیا گیا۔ یہ ایک ایسا تاریخی قدم تھا جو پہلے ممکن نہ تھا کیونکہ پہلے رائج اقتصادی نظام (جاگیرداری) کی ضرورت غلام تھے۔ لیکن سرمایہ داری کی ضرورت غلاموں کو آزاد کر کے انہیں پر وٹاری بنانا تھا۔ سرمایہ دارانہ نظام کا محنت کش (پر وٹاری) جاگیردارانہ نظام کے محنت کش (کسان) کے مقابلے میں کیچڑا اور خوشحال تھا۔

world کے لیے باقی ماندہ دنیا میں نرم شرطوں پر منڈیاں تلاش کرتا ہے (8)۔ اوپر کی ہوئی بحث میں یہ عیاں ہوتا ہے کہ ایسے خود غرضانہ نظریے کی ضمیر انسانی میں زیادہ عرصے تک بقا ممکن نہیں اگرچہ کافی عرصہ سے یہی نظریہ سرمایہ دارانہ دنیا میں چھایا ہوا ہے۔ چنانچہ جان میک کے (John Mackay) نے اس کے مقابلے میں باضمیر سرمایہ داری (Conscious Capitalism) کا نظریہ پیش کیا جس میں کاروبار میں سارے حصہ داروں (stake holders) بالخصوص شیئر ہولڈرز، صارفین اور ملازمین کے مفاد کا خیال رکھنا ہے (9)۔ لیکن اس نظریے میں بھی ساری طاقت مالکان (بورژوازی) کے پاس ہے جن سے امید کی جاتی ہے کہ وہ دیگر حصہ داروں کا خیال رکھیں گے۔

تیسرا ممکنہ نظام سوشل ڈیموکریسی کا ہے جس میں ذرائع پیداوار کی ملکیت کی مشروط اجازت دی جاتی ہے اور بورژوا طبقے پر سخت شرائط اور کیسز عائد کیے جاتے ہیں۔ کچھ لوگ اسے حتمی نظام مانتے ہیں اور کچھ سوشلزم کی جانب ایک عارضی قدم (10)۔

چوتھا ممکنہ نظام سوشلزم کا ہے جس میں ذرائع پیداوار ذاتی نہیں بلکہ حکومت کی ملکیت ہوتے ہیں اور پروڈکٹ کی امریت ہوتی ہے۔ یہ نظام جب پیداوار کے کثیر ذخائر پیدا کرنے کا تو کیونرم آجائے گا۔ جس میں ہر شخص اپنی بساط پر محنت کر کے ضرورت کے مطابق اجرت حاصل کر سکتا ہے (11)۔

واضح رہے کہ تمام ادوار کے مختلف نظاموں مثلاً قبائلی، جاگیرداری، سرمایہ داری اور سامراجی نظام تاریخ میں خود بخود کسی شعوری کوشش کے وجود میں آئے جب سوشلزم شعوری کوششوں سے بالخصوص سوویت یونین اور چین میں لایا گیا۔ جب تاریخی اصولوں کو دریافت کر کے یہ جان لیا کہ فطرت میں، زندگی میں اور انسانی سماج میں تبدیلیاں کن اصولوں اور طریقوں سے آتی ہیں۔ تو یہاں پر انسان نے پہلی بار اقتصادی نظام میں مثل اندازی کی ایک کوشش کی کہ ان تمام معلومات کو استعمال کر کے اندازہ لگایا جائے کہ اگلے دور میں انسانی معاشریات اور سیاست کیا رخ اختیار کریں گی اور ان میں کوشش کر کے انہیں محروم طبقوں کے لیے کیسے مفید بنایا جاسکتا ہے۔ چنانچہ کارل مارکس اور فریڈرک اینجلز نے سوشلزم (جس میں ذرائع پیداوار کو ذاتی ملکیت میں نہیں لیا جاسکتا) اور کیونرم (جو سوشلسٹ نظام کی انتہا ہے اور جس میں ہر شخص اپنی استطاعت کے مطابق کام کرتا ہے اور اسے اپنی ضرورت کے مطابق ملتا ہے ذاتی ملکیت وجود میں آنے کے بعد کیونرم سے ملتا جلتا بھی کوئی نظام رائج نہیں ہو سکا ہے)۔ پر کام شروع کر دیا (۱۹۱۷ء میں سوویت یونین میں پہلی بار سوشلسٹ انقلاب آیا اور 1948 میں چین میں سوشلسٹ انقلاب آیا۔ مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان دونوں کی نوعیت بدل گئی اور چین میں ماؤزے تک اور چوان لائی کے بعد ہنگ زیاؤ پنگ نے تہدیلیاں لاکر اسے چینی سوشلزم کا نام دیا۔ اور سوویت یونین کا نظام حکومت عالمی سامراجی سازشوں اور اندرونی تضادات کی بنیاد پر ۱۹۸۸ء میں ختم ہو گیا۔

برطانیہ کے صنعتی انقلاب (۱۸۰۰ء-۱۸۴۰ء) فرانس کے سیاسی انقلاب (۱۷۹۹ء-۱۸۰۷ء) اور جرمنی کے فلسفیانہ انقلاب (۱۹۱۸ء-۱۸۳۱ء) نے وہاں کے کوام کے حالات اور طرز زندگی میں انقلاب برپا کیا۔ افسوس کہ وطن عزیز میں ہم ابھی تک فرسودہ جاگیردارانہ، اقتصادی نظام میں جکڑ

یہ اختصار جھپٹے ساجوں میں بھی موجود تھا۔ البتہ اس کی شکل مختلف اور کم ترقی یافتہ تھی۔ مثلاً غلاموں کا اختصار کسانوں کے اختصار سے مختلف تھا۔ اسی طرح کسانوں کا اختصار مزدوروں کے اختصار سے مختلف ہے۔ مگر یہیں یہ سب اختصار ہی کی قسمیں۔ اختصار کرنے والے اور اختصار سنبھالنے والے کے درمیان یہی وہ اصل اور بنیادی تفرقہ ہے جسے چھپانے کے لیے دیگر اختصارات کو بڑھا چڑھا کر بیان کیا جاتا ہے۔ وطن عزیز میں بھی بولتھی اور سانی مصیبتوں کو مصنوعی طور پر زرخیز افراد کے ذریعے فروغ دیا جاتا ہے اس کی بنیادی وجہ بھی اختصالی کردہ ہندو پر پردہ ڈالنا ہے۔

سرمایہ دارانہ نظام کی بقا و آفات پیداوار میں مسلسل بہتری لانے اور نئی منڈیوں کو تلاش کرنے میں ہے۔ ان کوششوں سے سامراجی نظام وجود میں آیا جس کا مقصد آزاد مملکتوں کی مملکتوں پر قبضہ کرنے اور ان پر زبردستی غیر ہموار اور نامنصفانہ شرائط کا رواج مسلط کرنا ہے۔ سامراجیت چونکہ سرمایہ دارانہ نظام کی آگے کی شکل ہے لہذا اس سرمایہ داری کے کپے ہوئے پھل کے بجائے گا سڑا پھل قرار دیا گیا ہے۔ بد قسمتی سے تیسری دنیا، بالخصوص مسلمان ملکوں میں حال مردوج جاگیردارانہ نظام سامراجی ملکوں کا آسان شکار ثابت ہوتا ہے جہاں کبھی تیل کی پیداوار پر قبضہ کیے جاتے ہیں اور کبھی ان کو قیمتی اور غیر قیمتی خفروں سے ڈرا کر ان کو منہ مانگی قیمت پر اسلحہ اور دیگر اشیاء فروخت کی جاتی ہیں۔ غیر قبیل اور کمزور بادشاہتیں ان سامراجی طاقتوں کے آگے آسانی سے گھٹنے ٹیک دیتی ہیں اور اپنے ملک کا کثیر سرمایہ جو درحقیقت عوام کی ملکیت ہوتا ہے، سامراجی ممالک کے سامنے پیش کر دیتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حقوق انسانی اور جمہوریت کے دعوے دار یہ سامراجی ممالک مسلمان ملکوں میں بادشاہتوں اور آمریتوں کو مضبوط بناتے ہیں اور انہیں فروغ دیتے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ یہ کٹھ پتلی بادشاہوں کو خود مختیار مسلمان حکومتوں سے لڑاتے اور ڈراتے ہیں اور اپنا اسلحہ فروخت کرتے رہتے ہیں۔

ذاتی ملکیت میں مستقل اور لامحدود دلچسپی کے بارے میں مارکس لکھتا ہے۔

”تہذیب (Civilisation) کے آنے کے بعد سے ملکیت کو اتنا زبردست فروغ حاصل ہوا ہے، اس نے اتنی بھانٹ بھانٹ کی شکل اختیار کی ہیں۔ اس کے استعمال میں اتنا اضافہ ہوا ہے اور اس کے مالکوں کے حق میں اس کا انتظام اتنی تنگدستی سے کیا گیا ہے کہ لوگوں کے لیے یہ ایک ایسی طاقت بن گئی ہے۔ جس کو قابو میں رکھنا ناممکن ہے۔ انسانی ذہن خود ہی اپنی تخلیق کے سامنے حیرت زدہ کھڑا ہے۔ لیکن اس کے باوجود ایسا وقت ضرور آئے گا جب انسان کی عقل ملکیت پر قابو پائے گی اور اسے اپنے بس میں لانے میں کامیاب ہوگی اور جس ملکیت کی ریاست حفاظت کرتی ہے، اس کے ساتھ اس کے تعلق کو متعین اور مالکوں کے فرائض اور ان کے حقوق کی جدوجہد کو واضح کر دے گی۔ سماج کے مفاد فرد کے مفاد سے بالاتر ہیں اور دونوں میں صحیح تعلق اور ہم آہنگی قائم کرنی چاہیے۔“

جو رعنائی لگا ہوں گے لئے سامان۔ جلوہ ہے لباس مفلسی میں کتنی بے قیمت نظر آتی یہاں تو جاذبیت بھی ہے دولت ہی کی پروردہ یہ لڑکی فاقہ کش ہوتی تو بد صورت نظر آتی

موجودہ دور میں دنیا پر امریکی سرمایہ دارانہ اور سامراجی نظام کا تسلط ہے جس کا مرکزی نقطہ نیٹو انعام یافتہ ماہر معاشریات ملٹن فرانیڈمین کا نظریہ ہے کہ کاروبار کا اصل مقصد مالکان کے لیے زیادہ سے زیادہ منافع حاصل کرنا ہے اور حکومت کا کام عوام کی فلاح و بہبود کے بجائے corporate

یونین کونسلوں کے انتخابات نظر انداز کیے جاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ انتخابات جمہوریت کا صرف ایک جزو ہیں۔ ان انتخابات میں بھی ملک کے مسائل کا سائنسی تاریخی تجزیہ کر کے اپنے منشور میں ان کا حل پیش کرنے کے بجائے شخصیت پرستی، لسانیت، برادری، فرقہ پرستی، توہمات اور بے ایمانیوں سے ووٹ لیے جاتے ہیں۔ ملکی و غیر ملکی قوتیں اپنے مفاد کے تحت مخصوص شخصیات اور جماعتوں کو آگے بڑھاتی ہیں۔ ملکی ادارے بھی بے حد کمزور ہو چکے ہیں اور مفاد پرستوں کے زیر اثر ہیں۔ عدالتوں میں انصاف نہیں مل پاتا۔ محصوم بچیوں اور عورتوں پر مظالم نے ساری حدود پار کر لی ہیں۔ نصاب میں شوس سائنسی حقائق کے بجائے توہمات، عدم تحمل اور تنگ نظری کو فروغ دیا جاتا ہے۔

ماضی کے اچھے لوگوں نے ماضی کے چیلنجز کا مقابلہ کیا تھا۔ آج کے اچھے لوگوں کو اکیسویں صدی کے علاقائی اور بین الاقوامی چیلنجز کا سامنا ہے جس کا مقابلہ تاریخی، اقتصادی، معاشرتی اور مادی حقائق کو سامنے رکھ کر ہی کیا جاسکتا ہے۔

References:

1. Issac Newton. Mathematical Principles of Natural Philosophy 1687
2. Charles Darwin. On the Origin of Species 1859
3. Lewis Morgan. Ancient Society 1877
4. Frederick Engels. Origin of Family, Private Property and the State- 1884
5. Michio Kuku : Physics of the Future -2011
6. Sharif Razi : Nehjul Blagha -Sermons and Sayings of Hazrat Ali. (A.S)
7. St. Luke: Gospel of Luke
8. Milton friedman: Capitalism and Freedom -1962
9. John Mackay: Conscious Capitalism-2013
10. Sheri Berman: The Privacy of Politics : Social Democracy and the Making of the Europe
11. Karl Marx: Marifesto of the Communist Party -1847

ہوئے ہیں۔ ریاست کے تمام ادارے اس نظام کو قائم رکھنے کی ٹیگ دو میں مصروف ہیں۔ آئین پاکستان، جوٹیکس چوروں کی دھوکا دہنی بڑے ناہندگان اور بینک قرضوں کو نہ لوٹانے والوں کو انکیشن لڑنے سے روکتا ہے، اسے خیم نظر انداز کیا جاتا ہے۔ میڈیا اور بعض بے ضمیر مذہبی رہنما روشن خیالی اور حقیقت پسندی کی جگہ توہمات اور بے بنیاد خیالات کے فروغ میں مصروف ہیں۔ بنیادوں کو نظر انداز کر کے جزویات پر وقت ضائع کیا جا رہا ہے۔ فرقہ پرستی، لسانیت اور قوم پرستی کے معاندانہ پہلوؤں کو ابھارا جا رہا ہے۔ اور یہ سب جاگیردارانہ نظام کا شاخسانہ ہے جسے یورپ نے پچھلی صدیوں میں جھیلا ہے اور ہم اب تھیل رہے ہیں اور نہ جانے کب تک جھیلیں گے۔

گذشتہ عہد گزرنے ہی میں نہیں آتا
یہ حادثہ بھی لکھو معجزوں کے خانے میں
جو رد ہوئے تھے جہاں میں کئی صدی پہلے
وہ لوگ ہم پہ مسلط ہیں اس زمانے میں

قابل مذمت ہیں وہ لوگ جو شعوری اور غیر شعوری طور پر رجعت پسند طاقتوں کے آلہ کار بن کر انسان کو عقل اور مادی حقیقتوں سے دور لے جا کر توہمات کے سمندر میں غرق کر دیتے ہیں۔ عقل، آزادی، جمہوری شعور، ترقی پسندی اور مادی حقیقتوں کا شعور اور اعتراف ہی وہ راستہ ہیں جن پر چل کر انسان حقیقتوں کو پہچان سکتا ہے۔ مٹن عزیز میں جاگیردارانہ نظام کے معاشرتی اور سیاسی اقتدار کو ختم کیے بغیر تبدیلی نہیں آسکتی کیونکہ سارے ریاستی ادارے اقتصادی نظام کے تابع بھی ہوتے ہیں اور ان کے حامی بھی۔ پاکستان کے محبت وطن تعلیم یافتہ اور باشعور افراد (جو قبل اعداد میں ہیں) کو چاہیے کہ وہ ذاتی عقائد اور لسانیت کے فرق کو بھہکارت نہ بنائیں اور دوسروں کے عقائد، نظریات اور ثقافتوں کا احترام کریں۔ ان کے عقیدوں میں آزادی کے حق کو تسلیم کریں۔ اختلاف رائے کو خوش دلی سے تسلیم کریں۔ حقیقی جمہوریت کے لیے جدوجہد کریں جس میں طاقت کا سرچشمہ واقعی عوام ہوں اور گاہک قصبوں اور ضلعوں کی حد تک لوگ اپنے نمائندے جنس جو عوام کے مفاد کو مد نظر رکھ کر قوانین بنائیں۔ جہاں ذرائع پیداوار اور بڑی ذاتی ملکیتوں پر عوامی مفاد کو سامنے رکھ کر قوانین بنائے جائیں تاکہ مسابقت اور محنت کی روح بھی برقرار رہے اور حد سے زیادہ سرمائے کا ارتکاز بھی ممکن نہ ہو۔ افسوس کہ ہم محض انتخابات کے انعقاد ہی کو گل جمہوریت سمجھتے ہیں۔ اور وہ بھی محض قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے ارکان کے لیے۔ بلدیاتی اور

طالب خدا

انسان کو جس چیز میں کمال ہوتا ہے اس پر مرتا ہے۔ چنانچہ دھرم وید کو سانپ پکڑنے میں کمال تھا، اس کو سانپ نے کاٹا وہ مر گیا۔ ارسطو کی بیماری میں مرا، افلاطون فانیج میں، لقمان سرسہم میں اور جالینوس دستوں کے مرض میں حالانکہ یہ بیماریوں کے علاج میں کمال رکھتے تھے۔ اس طرح جس کو جس سے محبت ہوتی ہے اسی کے خیال میں جان دیتا ہے۔ قارون مال کی محبت میں مرا، یحییٰ کی محبت میں، اسی طرح طالب خدا کو خدا کی طبعی کی بیماری ہے وہ اسی میں دفن ہو جاتا ہے۔

سوئم کی رات

پاپا کی مجھ سے پہلی ملاقات تو یقیناً میری پیدائش کے بعد ہوئی جب انہوں نے مجھے دیکھا ہوگا اور پاپا سے میری شعوری ملاقات کب ہوئی یا نہیں۔ لیکن جب سے ہوش سنبھالا انکی شفقت میرے ساتھ ساتھ تھی۔ مگر میرا اور انکا پہلا مہر کہ اس وقت ہوا جب میں نے گھٹنے چننا شروع کیا۔ اس وقت FCPS-II کی تیاری کر رہے تھے۔ اور میں (یہ بات مجھے یاد نہیں مگر مجھے بتائی گئی) گھٹیتا ان تک پہنچ جاتا تھا۔ اور ان کی (Harrison) کتاب پر منہ سے ٹیلے بناتے ہوئے بھر کر دیتا تھا۔ وہ مجھے اٹھا کر پھر دور بھنا دیتے اور میں یہ کاروائی دہراتا (اور آخری ملاقات لحد میں اُتارتے وقت ہوئی)۔ پھر وہ وقت آیا جب وہ مجھے پہلی دفعہ اسکول داخل کرانے گئے۔ (آخر میں نے بھی پڑھ لکھ کر کچھ بناتا تھا) یہ School Piggott تھا۔ اس زمانے میں پرائمری میں لڑکوں کی بھی کلاس ہوتی تھیں (بعد میں میری بیٹیوں شائستہ اور شگفتہ نے اس اسکول میں پڑھا)۔ مگر میں داخل نہ ہوا۔ مشہوری یہ ہے کہ میں نے پہلی ہی دن ماسٹر صاحب کے وہ پکڑے کھائے تھے جو انہوں نے بڑی چاہ سے منگوائے تھے (اپنے لئے) اور جب ان کی نظر مجھ پر پڑی تو میں پلیٹ میں رہ جانے والا آخری پکڑا کھار ہوا تھا۔

تو صاحبان پاپا پھر مجھے شاہ عبداللطیف اسکول میں لے گئے۔ انھیں میرے آنے کی بہت خوشی ہوئی اسکا پتا مجھے اس بات سے ہوا کہ انہوں نے مجھے فوراً داخلہ دے دیا۔

پاپا ہمیں اسکول کے لئے تیار کرتے ہمارے پوٹیفارم استری کرتے اسکول چھوڑتے اور اسکول سے لیتے۔ شام کو خود ہمیں پڑھاتے۔ میری زندگی پر انکی شخصیت نے گہرے اثرات چھوڑے۔ میں نے ان سے سب سے زیادہ سیکھا اور بفضل تعالیٰ تو قعات پر پورا بھی اُتر ا۔ وہ بہت سختی اور جفا کش تھے۔ ہر وقت کام کرتے رہتے تھے۔ انکا بچپن بہت مشقت میں گزرا۔ وہ ہمیں اپنے بچپن اور جوانی کی جدوجہد کی تمام باتیں بتاتے تھے۔

میرے خیال میں انھیں سب سے زیادہ میں جانتا ہوں۔ وہ انتہائی محبت کرنے والے شخص تھے (مگر انہوں کو کچھ لوگوں نے انکی محبت کی قدر نہ کی)۔

انھیں بہت سارے بھرتے تھے۔ بجلی کا کام، درزی کا کام، برہنہ کا کام، مستری کا کام، اور تو اور بار یک بان سے چار پائی بھی بیٹے تھے۔ میں نے انھیں دیکھا۔ انھوں نے گھر بنانے میں شدید جدوجہد کی۔ میں ان کی جدوجہد کو سلام کرتا ہوں۔ وہ ایک بہتری باپ اور ایک نہایت وفادار شوہر تھے۔ تمام مواقع ہونے کے باوجود صراطِ مستقیم پر قائم رہے۔ اور ایک انتہائی قابلِ فزیشن تھے۔

زندگی کا ایک ایک قدم مجھے انکی یاد دلاتا رہے گا۔ میں نے کیا کچھ ان سے نہیں سیکھا۔ ہمارے آپس میں ٹیلی فنی کے رابطے تھے۔ (یہ بات کوئی نہیں جانتا)۔ ہم بیک وقت ایک ہی بات ایک ہی طرح سے سوچتے تھے۔ اور مزاج کی انتہائی ہم آہنگی تھی۔ زندگی میں انہوں نے بہت سارے حادثات دیکھے۔ پہلا حادثہ پاکستان بننے سے پہلے ہندوستان میں پیش آیا۔ جب بچپن میں ایک درخت سے گر گئے تھے۔

اسکے بعد لیاقت میڈیکل کالج کے سوئٹنگ پول میں حادثہ ہوا، ایک دفعہ ایک بس میں چڑھتے ہوئے۔ اس کے بعد ایک رات اپنی امریکن کواٹرز کی کلینک سے واپس ہوتے وقت شدید زخمی ہوئے۔ اس وقت میں تیسری یا چوتھی کلاس میں تھا۔

پھر جب میں میٹرک میں تھا تو موٹر سائیکل سے انکا ایکسڈنٹ ہوا۔ اور ان کا Fibula کا

فریکچر ہوا۔ جب میں MBBS 2nd Year میں تھا اس وقت ایک سنگین حادثے میں ان کی Ulna اور Humerus کا فریکچر ہوا۔ جس میں پلیٹ لگی۔ اور پھر 2007 میں Femur فریکچر ہوا جس میں DHS ہوا۔ 2005 میں M.I کے بعد ان کا CABG ہوا زندگی میں انھوں نے بہت دکھ اٹھائے۔ مگر کبھی بہت نہیں باری۔ وہ بلند حوصلہ انسان تھے۔

لوگوں نے انھیں بہت دکھ دیے۔ دکھ دینے والوں میں اپنے اور غیر دونوں شامل تھے۔ مگر انھوں نے کسی سے شکوہ نہ کیا۔ وہ سراسر پامحبت تھے۔ انتہائی دین دار آدمی تھے۔ پوری زندگی نماز اور روزے کی پابندی کی۔ بیماری میں بھی کبھی روزے نہیں چھوڑے۔ اپنی ڈیوٹی جیران کن حد تک پابندی اور دیانت داری سے کرتے تھے۔ کاغذات کی فائلیں انتہائی ذمہ داری سے تیار کرتے اور ایک ایک کاغذ سنبھال کر رکھتے تھے۔ اور ہمیں بھی سکھاتے تھے۔ کب ہمارے شناختی کارڈ، ڈومیسائل اور PRC بن گئے ہمیں نہیں معلوم۔ میں اپنا کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے ان سے مشورہ ضرور کرتا تھا۔

مغرب و ذات جن کے سامنے مجھے اپنی کامیابی بتانا سب سے اچھا لگتا تھا۔ اتنی خاموشی سے ہمیں چھوڑ کر چلے گئے۔ ہلالِ امر کا رُک ہسپتال کے ایمر جنسی روم کے ایک بیڈ پر وہ سناکت لیٹے تھے میں انکے پاس کھڑا بیٹھتا تھا ان کے چہرے پر وہ اطمینان تھا جو منزل پر پہنچ جانے والوں کے چہروں پر ہوتا ہے۔ مجھے ان پر ایک دم بہت پیارا آیا اور میں نے انکے چہرے پر بوسا دیا۔ اب ایک نئی زندگی سامنے کھڑی تھی۔ مجھے معلوم تھا کہ مجھے مضبوط بنانا ہے۔ ابھی مزید دکھ سنبھالنے ہیں۔ آگے آنے والے کٹھن مراحل جو میرے اشہور میں جانے کب سے کلبلا رہے تھے۔ میرے سامنے آکر کھڑے ہو گئے تھے۔

پروفیسر ڈاکٹر جاوید راجپوت

پیش لفظ

پروفیسر عقیل الرحمن راجپوت میڈیسن کے پروفیسر اور میرے والد۔ 1963 لیاقت میڈیکل کالج سے MBBS کیا۔ 1795 میں MCPS اور پھر 1976 میں میڈیسن میں FCPS کیا۔ لیاقت میڈیکل کالج۔ چاند کا میڈیکل کالج اور نواب شاہ میڈیکل کالج میں میڈیسن پڑھانے کے فرائض انجام دیتے رہے۔ عمر کے آخری دس سال محمد میڈیکل کالج میں میڈیسن کے پروفیسر اور ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ کے فرائض انجام دیے۔

10 نومبر 2010 اذانِ فجر سے کچھ قبل وفات پا گئے۔ اس صبح بھی وہ فاسلِ امیر کا لیکچر لینے کو تیار تھے۔ انکا آخری لیکچر ان کی ٹیبل سے ملا۔ کلاس ان کے لیکچر کے انتظار میں بیٹھی تھی۔ ان کی وفات کی خبر پہنچی درج ذیل تحریر ان کے سوئم کی رات بے اختیاری طور پر مجھ سے لکھی گئی۔ اس کے بعد اس میں ایک لفظ کا بھی اضافہ نہ کر سکا۔

ڈاکٹر جاوید راجپوت

﴿آغوش کا پھول﴾

شادی کے معنی ہیں خوشی۔ جب لڑکا اور لڑکی جوان ہو جاتے ہیں تو ماں باپ ان کی شادی کر کے انہیں یہ خوشی دے دیتے ہیں اکثر میرے شاگرد مجھ سے سوال کرتے ہیں کہ شادی والدین کی منتخب کردہ ہو یا پسند یا محبت کی ہو میران کو یہ ہی جواب ہوتا ہے کہ بہتر تو یہ ہے کہ شادی ماں باپ کی منتخب کردہ ہو کیوں کہ دوسری پارٹی کو اپنی عمار اور تجربے کی روشنی میں بہتر طریقے سے پرکھ کر ہر زاویہ سے جانچ کر پھر فیصلہ کریں گے۔ شادی کا فیصلہ یکطرفہ نہ ہو، شادی کے معاملے میں والدین اور اولاد باہمی رضا مندی سے فیصلہ کریں تو بہتر ہوگا۔ والدین کو چاہیے کہ وہ یکطرفہ فیصلہ کر کے اولاد پر نہ تھوپیں۔ ورنہ لڑکا یہ سننے کے لیے تیار نہیں ہوگا کہ میں نے جاندار ستاروں کی تمنا کی تھی مجھ کو راتوں کی سیاہی کے سوا کچھ نہ ملا۔ اور یہ بات اولاد کی ازدواجی زندگی پر خراب اثر ڈال سکتی ہے۔ مذہب اسلام نے بھی اجازت دی ہے کہ لڑکا اور لڑکی شادی سے پہلے ایک دوسرے کو دیکھ سکتے ہیں۔ اور بات چیت بھی کر سکتے ہیں۔ انتخاب کرتے وقت عورت کو اس کے جمال حسب نسب اور دین کو مد نظر رکھ کر انتخاب کیا جائے اور مرد کو اس کے کسب کمال، جمال کو دیکھ کر انتخاب ہو۔ اس کے باوجود بھی ایسی کیا وجوہات ہیں کہ نو جوان اپنی پسند اور محبت کی شادی کو ترقی دینا ضروری سمجھتے ہیں۔ اور اس کے لیے کسی بھی سمجھوتے کے لیے تیار نہیں۔ اُن کا تو یہ حال کہ تاگن و فلیں چال گانی آنکھیں شرابی کیسے کوئی دل کو سنبھالے دل ہاتھوں سے نکل نکلیں۔ جوانی دیوانی ہوتی ہے، عشق اندھا اور محبت بہری یونانیوں کے عقیدے کے مطابق عشق کا دیوتا کیو پڑ ہے اس کی آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی ہے اور اس کو تیر چلاتے ہوئے دیکھا گیا ہے۔ جب کسی بھی پارٹی کو، لڑکا ہو یا لڑکی عشق ہو جاتا ہے تو وہ نہ خاندان دیکھتا ہے نہ ذات نہ حیثیت اور جس سے عشق کر رہا ہے وہ خود کیا ہے۔ اُس وقت وہ دل کے ہاتھوں مجبور ہوتا ہے دل کی باتیں زیادہ اور دماغ کی بات کم مانتا ہے یا سنتا ہی نہیں۔ جب یہ عشق محبت میں تبدیل ہو جاتا تو وہ کسی کی بات نہیں سنتا۔ اُسے لاکھ سمجھاؤ کہ یہ راست ٹھیک نہیں ہے آگے چل کر کے بہت سی دشواریاں اور مشکلات کا سامنا آ سکتا ہے۔ مگر اس عشق کے بھوت کے سامنے وہ کسی کی بات سننے کو تیار نہیں۔ عشق کا بھوت ان دونوں پر اتنا حاوی ہو چکا ہوتا ہے کہ وہ ایک دوسرے کی خامیوں کو بھی نظر انداز کر دیتے ہیں۔ اور ایک دوسرے کے سامنے بہتر سے بہتر بن کر دیکھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ شادی سے پہلے ان دونوں کے لئے قلم کا یہ سیٹ ایک کٹے اور آزاد ماحول میں ہوتا ہے۔ اور بغیر کسی روک ٹوک کے وہ جب اور جہاں چاہیں ایک دوسرے سے مل سکتے ہیں۔ محبوب اپنی محبوبہ کی ہر بات آسانی سے مان لیتا ہے اور محبوبہ اپنے محبوب کے لیے سب کچھ کرنے کو تیار ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ اگر اسے والدین کا گھر بغیر ان کی مرضی کے چھوڑنا پڑا تو وہ بھی کر دکھائے گی۔ اور یہی فیصلہ محبوب کا ہوتا ہے کہ وہ اس کو علیحدہ گھر یا فلیٹ میں لے جائے گا جہاں اُن پر کوئی پابندی نہیں ہوگی۔ شادی والدین کی منتخب کردہ ہو یا محبت کی، لڑکی کے والدین کا سراسی دن جھک جاتا ہے جس دن وہ اپنی آغوش کے پھول کے بول ہارتے ہیں۔

کنبھائیاں کی دستوں میں بکھرے ستاروں کی طرح
بیٹیاں بھی گھر کے آئینوں میں چمکتی ہیں موتیوں کی طرح
بیٹیاں ماں کے لیے بھی ایک سہارہ ہیں اور باپ کے دل کا سکون
ماں کی آغوش میں بھتی ہیں چناروں کی طرح
بیٹیاں جگ جگ ستاروں کی طرح
نئے آئینوں کو شاداب کرتی ہیں بہاروں کی طرح
آخر زندگی میں ایک دن ایسا بھی آئی جاتا ہے کہ بچی کو باپ کا گھر چھوڑ کر اپنے شوہر کے گھر جانا

پڑتا ہے۔ شادی کے بعد ماں باپ اپنی بیٹی کو رخصت کرتے وقت اپنی آغوش میں چلے ہوئے اس پھول کو جسے وہ ایک پرندے کی طرح اپنی پروں کے نیچے رکھ کر ٹھنڈی ہوا کے تیز جھونکوں سے بچا کر گرم ہوا کی تپش سے بچا کر ہر بار اپنے آپ پر لی گرا اپنے اس پھول کو آغوش میں آئے دی۔ اس نصیحت اور دعاؤں کے ساتھ دواغ کرتے ہیں کہ تیرا اصل گھر ہے تو شوہر کا گھر وہاں جا کر ساس اور سرسری عزت اور احترام کرنا ان کی خدمت کرنے میں کوئی کمی نہ چھوڑنا چھوڑوں کے سر پر پیار محبت اور شفقت کا ہاتھ رکھنا شوہر کا ہر طرح سے خیال رکھنا اس کو کبھی ناراض نہ کرنا اور اگر کبھی ایسا ہو بھی جائے تو خود پہل کر کے اُس کو مٹا لینا۔ اس میں تمہاری عظمت ہے۔ شوہر کے ماں باپ کو اپنے ماں باپ سمجھنا ماں باپ کو تیرے بارے میں سسرال کی طرف سے کوئی شکایت نہ آنے پائے۔ اپنے پروں کے نیچے سے نکال کر دوسروں کے حوالے کر دیتے ہیں۔ سسرال جانے کے بعد قلم کا یہ سیٹ اور کردار بھی بدل جاتا ہے۔ آزاد اور کٹے ماحول سے نکل کر اب لڑکی ایک گھر میں جاتی ہے وہاں لڑکی کے لیے سب لوگوں سے ہوتے ہیں۔ اور اگر ماں باپ کی منتخب کردہ شادی ہے تو لڑکا بھی نیا اگر عشق کی شادی ہے تو صرف شوہر اس کی جان پہچان کا ہوتا ہے۔ یہاں آکر نئی دہلیں کے لیے تین سے چھ ماہ کا ایک آزمائشی وقت ہوتا ہے جس کے درمیان وہ ہر چیز کا غور سے جائزہ لیتی ہے سخی زیادہ ہے اور بولتی کم ہے۔ آنکھیں کھلی رکھتی ہے اور شروع میں وہ تینا نظروں سے کام چلائی ہے، جی، جی نہیں، جی، جی بہتر ہے۔ اس عرصے میں گھر کے ہر فرد کی عادت سے لے کر پسند یا پسند کا بھی پتہ چل جاتا ہے رشتے داروں اور دوست احباب کا بھی آتا جاتا ہوتا ہے۔ اس کے بارے میں بھی علم ہو جاتا ہے اور شوہر کا اصل روپ بھی اس کے سامنے آ جاتا ہے۔ اس کے بعد وہ اپنے مستقبل کے بارے میں یا ان تیار کرتی ہیں کہ اس گھر میں اس کو کس طرح سے رہنا چاہیے تاکہ اُس کی زندگی خوشوار ہے۔ زندگی اس کی مسائل سے پھر بھی خالی نہیں ہوتی اگر اس گھر میں پہلے کسی بھائی کی شادی ہو چکی ہوتی ہے اور یہ لڑکی جینورہ وغیرہ زیادہ لائی ہے تو حسد کا شکار بنتی ہے اور اگر جینورہ لائی ہے تو عقیدہ کا نشانہ بنتی ہے۔ اگر شادی عشق یا محبت کی ہے تو شادی سے پہلے یہ دونوں ایک آزاد اور کٹے ماحول میں جب چاہتے تھے جہاں چاہتے تھے ملتے جلتے تھے۔ کوئی انہیں روک ٹوک نہیں کرتا تھا شادی کے بعد گھر میں آکر انہیں بہت سے چیزوں کا پابند ہونا پڑتا ہے۔ یہاں ماں باپ اور بہن بھائی اور گھر کے دوسرے افراد کے ہوتے ہوئے بھی شوہر اپنی بیوی سے اسی گھر کا آرزو مند ہے اور یہ چاہے گا کہ جب وہ کام سے واپس آئے تو اس کی بیوی ایک فلمی بریکن کی طرح ہنسی مسکرائی دوڑ کر آئے اور ایک دم سے شوہر کے گلے لگ جائے۔ جواب اس کے لیے ممکن نہیں۔ اسی طرح سے بیوی چاہتی ہے کہ جس طرح شادی سے پہلے اس کا محبوب اس کی ہر بات ماننا تھا اسی طرح سے اب بھی جب وہ کہے تو اس کے ساتھ جانے کو تیار ہو جائے چاہیے شوہر کتنا ہی تھکا ہوا ہو جس چیز کی دفر مانگیں کرتی ہے فوراً اس کے لیے حاضر کر دے۔ اس بات سے اُن کی شادی شدہ زندگی میں پھیل چک سکتی ہے۔ اس کے علاوہ شوہر کو بھی ایک آزمائش سے گزرنا پڑے گا اور وہ ہے ساس، بہو اور نندوں کے درمیان کچھ کسی بات پر بدگھائی ہو سکتی ہے یا ساس کو بہو کا کوئی عمل پسند نہ آیا ہو اور وہ بہو کو تھوڑی بہت ڈانٹ ڈپٹ کر دے تو یہ بات بہو کے لیے ناقابل برداشت ہو جائے گی۔ اگر ساس یا نند نے بہو سے کوئی فرمائش کی ہو اور وہ پوری نہ کر سکی تو یہ بھی ایک مسئلہ بن سکتا ہے۔ شوہر کے گھر آئے پر بیوی اپنے آنسوؤں کا سہارا لے کر شوہر کو شکایت لگاتی ہے کہ آج تو اس کی بہت بے عزتی ہوئی ہے۔ اسی طرح سے ساس اور نندوں کی طرف سے بھی بیوی کے خلاف شکایت ہو سکتی ہے۔ یہ وقت شوہر کے لیے ایک کڑی آزمائش کا وقت ہوگا۔ اب اُس کو ایک بیج کے فرائض انجام دینے ہیں اور دونوں پارٹیوں کے حالات اور واقعات سن کر کسی فیصلہ کرنا ہو گا قصور کسی کا بھی ہو اور اگر شوہر جہد بات میں آمید دماغ کا سہی استعمال نہ کیا اور ماں اور بہنوں کی محبت اور ان کی عزت کا خیال کرتے ہوئے سب کے سامنے

بیوی کو ذلیل کرنا شروع کر دیا، چاہیے بیوی کا قصور نہا تو اس سے بیوی کی عزت نفس مجروح ہوگی اور وہ ایک مایوسی کے سمندر میں اپنے آپ کو ڈوبتے ہوئے محسوس کرے گی۔ اسی طرح سے اگر بیوی کے عشق اور محبت میں آکر ماں اور بہنوں کو نہ بھلا کہا تو ان کی عزت معنی میں مل جائے گی۔ پھر ماں یہ کہنے پر مجبور ہو جائے گی کہ تو نے آج بیوی کے جھوٹے آنسوؤں کو دیکھ کر ماں اور بہن کو بے عزت کیا ہے میں تجھے کبھی اپنا دھڑیل نہیں بخشوں گی مجھے تو پہلے ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ بیوی نے اس کو الو کا گوشت کھلا کر اپنا غلام بنالیا ہے۔ ایسا شوہر اپنے فرائض کی انجام دہی بھی پوری نہیں کر سکے گا اس لیے آگے چل کر اس گھر کے لئے معاشی مسائل بھی پیدا ہو سکتے ہیں۔ اس لیے شاہدہ کو چاہیے کہ ایک معمولی سی بات کے پیچھے اپنے شوہر اور کو کسی پریشانی میں نہ ڈالے اور اپنی ذہانت کو استعمال کرتے ہوئے یا تو ایسے کسی مسئلے کو جنم ہی نہ لینے دے اور اگر ہو بھی جائے تو اس کو اپنے انکا مسئلہ نہ بنائے۔ اور کبھی چاہیے کہ وہ گھر میں ہر چیز پر نظر رکھے اور جس کا قصور ہو اس کو حقیقت کی نظر سے دیکھتے ہوئے بغیر کسی کی عزت نفس کو مجروح کرتے ہوئے مسئلے کو حل کرے۔ ماں اور بہنوں کو بھی چاہیے کہ وہ اپنے بیٹے اور بھائی کو کسی پریشانی میں نہ ڈالیں اگر بیٹے نے رات دن ان بلا وجہ کے مسلوں سے تنگ آکر کوئی غلط فیصلہ کر لیا تو کسی کے لیے بھی اچھا نہیں ہوگا۔ شادی زندگی میں ایک بار ہوتی ہے بار بار شادیاں اچھی نہیں ہوتی اور یہ آنے والی نسل پر بُرا اثر ڈالتی ہے۔ اور ان میں سے کئی افراد ذہنیاتی بھی ہو جاتے ہیں۔ اگر اس نے ایسا کیا تو یہ اس کی زندگی کی پہلی شکست ہوگی اور پھر ہر راستے پر جھوڑ پر شکست اس کا چھپا کرتی رہے گی۔ کیوں کہ وہ حالات سے مقابلہ کرنے کا حوصلہ کھو بیٹھا ہے۔ اور آخر کار تنگ آکر وہ زندگی کے خاتمے کا فیصلہ بھی کر سکتا ہے خدا ایسی نوبت نہ لائے کیوں کہ صرف اسی کے زندگی کا معاملہ نہیں ہے اس کے پیچھے اور بہت سے زندگیاں لگی ہوئی ہیں۔ اس لیے شوہر کو چاہیے کہ وہ حوصلہ، ہمت اور اپنی ذہانت کو استعمال کرتے ہوئے حالات کا رخ اپنے حق میں موڑنے کی کوشش کرے تاکہ زندگی خوشگوار ہو جائے۔ شاہدہ اب امید سے ہے اور بچے کی آمد ہے۔ ساس، ہند اور شوہر ویسے ہی اس کے لیے ایک کچا کھوپیدا لگے ہوئے ہیں۔ شاہدہ کو ڈیوری کے لیے اسپتال جانا پڑے گا کیوں کہ ڈاکٹر نے کہا ہے کہ بچہ آپریشن سے پیدا ہوگا۔ شاہدہ اسپتال چلی جاتی ہے اور ان میں سے اس کے ساتھ کوئی نہیں جاتا۔ فلم کا تیسرا سیٹ۔ کسی زمانے میں انورا اپنی تایا زاد بہن روہینہ کو چاہتا تھا لیکن ان کی مالی حالت بہتر نہ تھی گھر بھی معمولی سا تھا اور انور کے پاس کوئی موٹر سائیکل بھی نہیں تھی۔ اس لیے روہینہ کے والدین نے یہ کہہ کر انکار کر دیا میری بیٹی ایسے گھر میں کیسے گزارہ کرے گی جہاں کچھ بھی نہ ہو۔ اب انور کی مالی حالت بہت بہتر ہو گئی تھی بلکہ بھی آگیا تھا اور کار بھی کیوں کہ انور کے والد کے بزنس نے بہت جلد ترقی کر لی تھی۔ بیوی اور شوہر کے درمیان اور ساس اور ہند کے درمیان ایسے کچھ پاؤں کے حالات کا فائدہ اٹھاتے ہوئے روہینہ کی ماں نے ایک پلان تیار کیا اور اپنی بیٹی کو ساتھ لے کر انور کے گھر پہنچ گئی اور کہا کیوں کہ تمہاری بیوی اسپتال میں ہے اور تمہاری دیکھ

بھال کرنے والا کوئی نہیں ہے میں روہینہ کو یہاں چھوڑ کر جا رہی ہوں یہ تمہارے کپڑوں کی استری سے لے کر جو تے پالش کرنے تک اور ناشتے سے لے کر کھانے تک ہر طرح تمہارا خیال کرے گی۔ روہینہ نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر نیا میک اپ نئے جوڑے تبدیل کرنا اور مختلف قسم کے پرفیوم استعمال کرتے ہوئے انور کے بہت قریب پہنچ گئی اور اپنے حسن کے جلوے اور مختلف پرفیوم کی خوشبو اور نت نئے لباس کا جال بنا کر انور پر کچھ اس طرح سے پھینکا کہ انور اس کے چال میں پھنس گیا۔ یہاں تک کہ انور اور روہینہ نے آپس میں شادی کرنے کا بھی فیصلہ کر لیا۔ شاہدہ کو جب ان سب باتوں کا علم ہوا تو اس نے اپنی والدہ کو

اور اس حقیقت سے آگاہ کیا کیوں کہ مرد اس طرف سے بہت کمزور ثابت ہوا ہے۔ اسی دوران شاہدہ نے ایک خوبصورت بیٹے کو جنم دے دیا۔ شاہدہ کی والدہ نے سب حالت سن کر تھوڑی بہت پریشان تو ہوئی لیکن اپنی ذہانت کو استعمال کرتے ہوئے اپنے داماد کے گھر جانے کا فیصلہ کیا جاتے ہوئے اپنے ساتھ سحر اس کی بیٹی اور داماد کے لیے بہت سے قیمتی طائف لے کر گئی اور شاہدہ کی ساس سے التجا کی کہ میری بیٹی کا گھر برباد ہونے سے بچالیں اور شاہدہ کی ساس کو یہ بھی کہا کہ تمہارے بھی گھر میں ایک بیٹی ہے جو سید و سرے گھر جائے گی کیا تم اس کی تکلیف برداشت کر لو گی۔ داماد سے کہا کہ تمہاری بھی ایک بہن ہے جسے تم بہت چاہتے ہو اگر اس کے ساتھ ایسا ہوا تو کیا تم اپنی آنکھوں پر پیٹا باندھ کر کانوں میں کپاس ڈال کر مکرہ ہند کر کے اندر سو جاؤ گے۔ ان سب درد بھری باتوں کو سن کر ہر آنکھ اٹکھار ہو گئی اور ان کی آنکھوں سے ندمت کے آنسو جاری ہو گئے اور سب نے ایک آواز ہو کر کہا کہ ہم اپنی غلطی تسلیم کرتے ہیں اور اب آپ کے ساتھ ہم پورا اتفاق و ان کرینگے اور انشاء اللہ تعالیٰ آپ کی بیٹی کا گھر آباد رہے گا۔ اس کے بعد شاہدہ کی والدہ روہینہ کے گھر گئیں اور اس کی والدہ کو اور روہینہ کو بہت لہجہ لہجہ میں میری بیٹی کا گھر برباد کرنے کو ملتا تھا کیا اس کے لیے اور دوسرے رشتے ختم ہو چکے روہینہ کے والد اس وقت گھر میں تھے جسے جان کوان باتوں کا علم نہیں تھا وہ ایک دم کمر ہار آئے اور ان باتوں کو سننے کے بعد بیوی اور بیٹی کو بہت برا بھلا کہا اور اس دن سے روہینہ پر بچا کے گھر پر جانے پر پابندی عائد کر دی۔ اب شاہدہ اپنے پیارے بیٹے کے ساتھ گھر آ گئی تھی۔ شاہدہ نے اپنی ذہانت سے اپنے پیارے منے کا سہارا لے کر حالات کو قابو میں کر لیا اور شوہر کے سامنے منے سے کہنے لگی۔

منے تم میرا ایک کام کرو

اپنے پیارے ابو جی رام کرو

وہ گھر جو دو روز بن گیا تھا جس کے در و در سے آگ نکل رہی تھی جسم جل رہے تھے اور دماغ ایک بڑی عجیب سی کیفیت میں مبتلا تھے اب جنت کا نمونہ بن گئے دونوں میاں بیوی اپنی سمجھ سے کام لیتے ہوئے ایک دوسرے کا خیال کرنے لگے جن لوگوں کو آپ کی خوشیاں پسند نہیں تھی اور وہ بلا وجہ آپ کی زندگی کو ہر وقت ڈسٹرب کرتے رہتے تھے ان کا گھر میں آنا جانا بند کیا اب یہ دونوں ایک دوسرے سے پیار محبت ماں باپ اور بہن بھائیوں کا خیال کرنے لگے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ دیا تھا اس پر گزارا کرنے لگے اس امید پر اپنے گھر کو بہتر طریقے سے چلانے لگے اور یہی گھرانہ سب کے لیے جنت کا ایک نمونہ بن گیا اور ہر شخص خوش رہنے لگا اور پھر دونوں دلوں سے ایک ہی آواز آنے لگی۔

میرا گھر میری جنت یہ میرا آشیانہ

پروفیسر ڈاکٹر عقیل الرحمان راجپوت

﴿مرغ مسلم﴾

مرغے کو کبھی آپ نے اگر غور سے دیکھا تو اس میں آچو نہایت عمدہ کلاسیکل آرٹ نظر آئے گا۔ ایسا ہی آرٹ اسکی سائیکالوجی میں بھی ہے۔

مرغے کا اپنا ایک مزاج ہوتا ہے۔ اسکو جاننے کے لئے آچو ایک واقعہ سننا پڑے گا۔ یہ شاید 1987 کی بات ہے شہر حیدرآباد ہنگاموں کے باعث کرفیو کی زد میں تھا۔ ہم ان دنوں ہیر آباد میں رہا کرتے تھے اور مین اسٹریٹ میں ہمارا گھر تھا جسکی کھڑکی سے چوک اور اسے اٹھارو ڈیجی نظر آتا تھا۔

روڈ پر گشت کرتے فوجی جوان اور کرفیو کی خلاف ورزی کرتے نو جوان اور یہ آنکھ چوٹی ہم بڑے مزے سے دیکھا کرتے تھے۔ (ہم تھوڑے سے بزدل واقع ہوئے ہیں اس لئے اس کھیل میں حصہ نہیں لیا کرتے تھے) ایسے میں اگر کوئی فوجی کے ہاتھ آ جاتا تھا۔ تو وہ اُسے موقع پر مرغانا تے تھے۔ اور لوگ کھڑکیوں میں یہ تماشا مزے سے دیکھا کرتے تھے۔ ایک دفعہ کچھ لڑکے گلی کے کٹڑ پر کھڑے تھے۔ ان میں ایک مرغنا بھی تھا۔ (یعنی یہ

د مرغائیں تھا جو فوجی بناتے تھے۔ بلکہ یہ پہلے سے ہی مرغنا تھا) اصل والا۔ وہ دان بھی چک رہا تھا۔ اور ادھر ادھر بھی دیکھ رہا تھا۔ اچانک ایک فوجی جیپ آتی دکھائی دی۔ لڑکے سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے۔ تماشا یہ تھا کہ ان کے ساتھ مرغنا بھی بھاگا۔ اب آپ ہی بتائیے مرغے کو کیا خطرہ تھا۔ کیا اُسے بھی مرغنا بنائے جانے کا خوف تھا۔ مگر وہ تو پہلے سے ہی مرغنا تھا۔ اُسے شاید انسان بنائے جانے کا خطرہ تھا۔ جو وہ نہا نہیں چاہتا تھا۔

کچھلی عید قربان پر ایک ایسا ہی واقعہ دیکھنے میں آیا۔ جب ہم عید کی نماز عید گاہ میں پڑھ کر گھر کے قریب پہنچے۔ تو کیا دیکھتے ہیں۔ کچھ صاحبان شاید جلدی والی نماز پڑھ کر آگئے تھے اور ایک عدد بکرے کو گر کر قربانی میں مصروف تھے۔ نزدیک ہی ایک مرغنا بڑا اکڑ کر چل رہا تھا۔ یقیناً اپنے مرغے ہونے پر فخر کر رہا ہو گا کہ شکر کہ آج مرغنا عید نہیں۔ اور میں مرغنا ہوں۔

ہمارے ایک دوست کہنے لگے کہ یار کہیں میں سواری ہوں کہ میں والا آواز لگا تا ہے، استاد روک کے۔ سواری کھڑی ہے۔ کہیں میں گا کہ ہوں۔ کہ ڈکان پر کام کرنے والا آواز لگا تا ہے۔ کہ گا کہ آگیا۔ کہیں میں کلائٹ ہوں کہ وکیل صاحب کہتے ہیں۔ آپ میرے کلائٹ ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کے پاس جاتا ہوں تو کلینک اینڈرنٹ ڈاکٹر صاحب سے کہتا ہے۔ کہ پھنٹ آیا ہے۔ یار میں اصل میں کیا ہوں۔ ہم نے کہا کہ بھائی آپ اصل میں مرغے ہیں۔ پروفیسر ڈاکٹر جاوید راجپوت

﴿ذلت﴾

ایک دانا کا قول ہے کہ آٹھ چیزیں ذلت لاتی ہیں

- ۱۔ انسان کا ایسے دسترخوان پر بیٹھنا جس کی طرف اسے بلایا نہ گیا ہو۔
- ۲۔ گھر والوں پر بے جا حکم چلانا۔
- ۳۔ دشمنوں سے احسان کی توقع کرنا۔
- ۴۔ ایسے لوگوں کی بات میں دخل دینا جو اسے مخاطب کرنا نہیں چاہتے۔
- ۵۔ بڑوں کی تحقیر کرنا۔
- ۶۔ اپنے مرتبے سے بلند جگہ بیٹھنا۔
- ۷۔ ایسے شخص سے باتیں کرنا جو وہ بیان نہ دے
- ۸۔ ایسے شخص سے دوستی کی خواہش کرنا جو اس کا اہل نہیں۔

عثمان ریاض قدیر مان

﴿اقوال زریں﴾

- ☆ جو اللہ سے نہیں ڈرتا وہ سب سے ڈرتا ہے جو اللہ سے ڈرتا ہے وہ کسی سے نہیں ڈرتا۔
- ☆ حیا کے ساتھ نیکیاں اور بے حیائی کے ساتھ بدیاں وابستہ ہیں۔
- ☆ حرص سے روزی نہیں بڑھتی مگر آدمی کی قدر گھٹ جاتی ہے۔
- ☆ شرافت عقل سے ہے نہ کہ مال و نہبت سے۔
- ☆ غنی وہ ہے جس کا دل اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز سے خالی ہے۔
- ☆ چاہلوں کی محبت سے دور ہو ورنہ وہ تمہیں بھی اپنا جیسا بنالیں گے۔
- ☆ شیخ سعدی فرماتے ہیں: کسی کو اتنا پیار نہ کوئی تمھارے نہ چھوڑو۔ اگر وہ پھر بھی تمہارا نہ بن سکے تو اُسے چھوڑ دو، کیوں کہ وہ محبت کا طلب گار ہی نہیں وہ صرف ضرورتوں کا پہناری ہے۔
- ☆ محبت کرنے والے کو کسی چیز کی ضرورت نہیں ہوتی اور ضرورت مند کو کسی سے محبت نہیں ہوتی۔ (حافظ میر الیاس)

کامیابی کے نمبر: جتنی قسمیں ہیں۔

سوال نمبر ۱: انسان نے سیاست شیطان سے سیکھی یا شیطان نے انسان سے؟ تاریخی حوالوں سے واضح کریں کیا آدم کو جنت سے نکلوانے کی

اختیار کردہ حکمت عملی کو سیاست کہا جاسکتا ہے؟

سوال نمبر 2: اُن پڑھ سے اُن پڑھ آدمی سیاست پر گھنٹوں بول سکتا ہے اس سے کیا ثابت ہوتا ہے؟

سوال نمبر 3: ایک مقبول سیاست دان بننے کے لیے کتنے جرائم کرنا، شرانگیز جیلے کرنا، کتنی بار جیل جانا اور کتنے لوگوں کی حق تلفی کرنا ضروری ہے؟

سوال نمبر 4: خالی جگہ پر کریں۔

(i) ہر شخص ----- کا دیوانہ ہے۔ (حسن، کرسی، دولت)

(۲) سیاست دانوں کا انجام عموماً ----- ہوتا ہے۔ (عبرت ناک، خوشگوار)

(۳) موٹروے کی تعمیر ملک میں۔۔۔۔۔ کا خاتمہ ہو جائے گا۔ (غریب، غربت)

(۴) الیکشن ہر دو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ بعد ہونے چاہیے۔ (ماہ، سال)

سوال نمبر 5: درست اور غلط کی نشاندہی کریں۔

(۱) ایکشن وہ بزنس ہے جس میں ایک لگا کر سر کمائے جاتے ہیں۔

(۲) عوام کی تھالی میں کھانے اور چھیر کرنے والی کوسیاست دان کہتے ہیں۔

(۳) وزارت و دو واحد ملازمت ہے جس میں تعلیم کی کوئی قید نہیں۔

(۴) سیاست ہمیشہ وعدہ پورا کرتا ہے۔

(۵) ہر حکمران کرسی آسانی سے چھوڑ دیتا ہے۔

(۶) سیاسی جلسے اور سٹیج ڈرامے میں کوئی ضرق نہیں۔

سوال نمبر 6: ہر سیاست دان اداکار ہوتا ہے۔ لیکن ہر اداکار سیاست دان نہیں ہوتا کیوں؟ اداکار کا شومہنگا پڑتا ہے یا سیاست دان کا؟

سوال نمبر 7: ایک سیاسی جلسے میں اوسطاً کتنی جیبیں کٹتی ہیں اور کتنے پیٹ، اعداد و شمار سے واضح کریں؟

سوال نمبر 8: محاورات کو جملوں میں استعمال کریں۔

کٹ ڈاؤن۔ رول بیک، مینڈیٹ، ہنگ پارلیمنٹ، پریس لاء، امریکی امداد۔

سوال نمبر 9: ایکشن سے قبل اگر امیدوار نے دس لاکھ کا قرض واپس کیا ہو تو ایکشن جیتنے کے بعد کتنا قرض لے کر معاف کروائے گا؟

سوال نمبر 10: اگر تمام سیاست دان اور اداکار مکمل ٹیکس دیں تو پاکستان یورپ کے کتنے اور کون کون سے ممالک خرید کر سکتا ہے؟

سوال نمبر 11: آئینہ الیکشن کے لیے کوئی نیا نعرہ گھڑیں جس میں عوام ایک بار پھر بے وقوف بن جائے؟

سوال نمبر 12: ایسے 101 تیز بہدف نسخے لکھیں جن کی مدد سے ممبران اسمبلی حلقے کے لوگوں کو ملاتے ہیں؟

ارتضى احمد،

شکاری عورت

میں آج آپ کو چند شکاری عورت کا قصہ سناؤں گا میرا خیال ہے کہ آپ کو کبھی کبھی ان سے واسطہ پڑا ہوگا۔

میں کراچی میں تھا اپنی ڈیوٹی سے عام طور پر چھ بجے گھر پہنچ جاتا تھا لیکن اس روز مجھے دیر ہوئی اس لیے کہ ”شکاری“ کی کہانی پر بحث مباحثہ ہوتا رہا۔

میں جب اسٹیشن پر اترا تو میں نے ایک لڑکی کو دیکھا جو تھکا سہا کلاس کپارٹمنٹ سے نکلی اس کا رنگ گہرا سا لونا تھا ناک نقش ٹھیک تھا جوان تھی، اس کی چال بڑی انوکھی سی تھی ایسا لگتا تھا کہ وہ قلم کا منظر نامہ لکھ رہی ہے۔ میں اسٹیشن سے باہر آیا اور پل پر وکٹوریہ لگاڑی کا انتظار کرنے لگا میں تیز چلنے کا عادی ہوں اس لیے میں دوسرے مسافروں سے بہت پہلے بائرنکل آیا تھا۔

وکٹوریہ آئی اور میں اس میں بیٹھ گیا میں نے کوچوان سے کہا کہ آہستہ آہستہ چلے اس لیے کہ فلستان میں کہانی پر بحث کرتے کرتے میری طبیعت مکدر ہو گئی تھی موسم خوشگوار تھا وکٹوریہ آہستہ آہستہ چلے اترنے لگا۔

جب ہم سیدھی سڑک پر پہنچے تو ایک آدمی سر پر ٹاٹ سے ڈھکا ہوا مٹکا اٹھائے صدارت گار ہاتھ ”قلنی“۔۔۔ قلنی“

جانے کیوں میں نے کوچوان سے وکٹوریہ روک لینے کے لیے کہا، اور اس قلنی بیٹے والے سے کہا کہ ایک قلنی دو۔۔۔ میں اصل میں اپنی طبیعت کا ٹکدر کسی نہ کسی طرح دور کرنا چاہتا تھا۔

اس نے مجھے ایک دو آنے میں قلنی دی میں کھانے ہی والا تھا کہ اچانک کوئی دھم سے وکٹوریہ میں آن گھسا کافی اندر صبر تھا میں نے دیکھا تو وہی گہرے رنگ کی سائولی لڑکی تھی۔

میں بہت گھبرا ہوا۔۔۔ وہ سکرانی تھی۔

اس نے قلنی والے سے بڑے بے تکلف انداز میں کہا ”ایک مجھے بھی دو“ اس نے دے دی۔

لڑکی نے اسے ایک منٹ میں چٹ کر دیا اور وکٹوریہ والے سے کہا ”چلو“

میں نے اس سے پوچھا ”کہاں“

”جہاں بھی تم چاہتے ہو“

”مجھے تو اپنے گھر جانا ہے“

”تو گھر ہی چلو“

”تم ہو کون“

”کتنے بھولے بیٹے ہو“

میں سمجھ گیا کس قماش کی لڑکی ہے چنانچہ میں اس کا ”گھر جانا ٹھیک نہیں۔۔۔ اور یہ وکٹوریہ بھی غلط ہے۔۔۔ کوئی ٹیکسی لے لیتے ہیں“

وہ میرے اس مشورے سے بہت خوش ہوئی۔ میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اس سے نجات کیسے حاصل کروں۔ اسے دھکا دے کر باہر نکالتا تو وہ دم بچ جاتا پھر میں نے یہ سوچا کہ عورت ذات ہے

اس سے فائدہ اٹھا کر کہیں وہ یہ دوا پلانہ بچاؤ سے کہ میں نے اس سے ناشائستہ مذاق کیا ہے۔

وکٹوریہ چلتی رہی اور میں سوچتا رہا کہ یہ مصیبت کیسے ٹھیک کی ہے آخر ہم اپنے ہسپتال کے پاس پہنچ گئے وہاں ٹیکسیوں کا ڈو تھا میں نے وکٹوریہ والے کو اس کا کر ایہ ادا کیا اور ایک ٹیکسی لے لی ہم دونوں اس میں بیٹھ گئے۔

ڈرائیور نے پوچھا ”کہہ رہا جانا ہے صاحب!“

میں پاکستانی ہوں

میں پاکستان ہوں میری حالت کچھ بہتر نہیں ہے۔ میرے لپٹے میں میرے مقروض ہیں۔ میرا اک بازو ہی کاٹ دیا گیا۔ کچھ زخم مجھے میرے اپنے بچوں نے دیئے۔ چوری، ڈاکے، فرقہ وارانہ فسادات، سیاسی بدعنوانیاں، نسلی تعصبات، دھماکے اور خودکش حملے یہ وہ زخم ہیں جو میرے اپنے بچوں نے مجھ کو دیئے۔ کون جانتا ہے ایک میری داستان کس قدر دلگرا ہے کون سادل ہے جو میری زبان بے زبانی کو کچھ سکتا ہے۔

میرے لب بند ہے مگر میرے دل میں ایک آواز ہے کہ اس کی پیش کوئی اہل دردی محسوس کر سکتا ہے۔ اس وقت میری حالت، درگوں ہے۔ میرا ناگفتہ بہ حال ایک شاندار ماضی کا حامل ہے۔ غرض سچید کی بات ہے کہ اس دنیا میں پیدا ہونے سے قبل کے حالات و واقعات جب بھی میرے ذہن میں آتے ہیں تو مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میرا اس کائنات میں پیدا ہونے کا خواب خالق پاکستان کے یقین حکم، عمل، حکم، عظمت کردار، بلندی نظر، پختگی ارادہ، جذبہ حریت و قومیت اور خلوص و ایثار کی وجہ سے شرمندہ تعبیر ہوا ورنہ ہند اور انگریز جیسی دو دھاری کٹواری سے بچ لکھنا میرے لیے مشکل تھا لیکن میں خالق پاکستان اور اللہ تعالیٰ کی مشاء سے ان کے درمیان میں سے نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔

اپنے نے بقول اطہر صدیقی کے کہ:

انسان کی بیچان فقط اس کا وطن ہے

انسان وہی ہے جس کا کوئی اپنا وطن ہے

جب میں وجود میں آیا منقش کو یہ ناگوار گزارا اور انہوں نے اپنی میاری سے فسادات کو جنم دینا شروع کر دیا جس میں کئی مسلمان اپنی جانوں کا نظر انداز دیتے ہوئے اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

اس کے بعد اک شہر اور شروع ہوا جب مجھے شرمندہ تعبیر کرنے والے خود میرے بھکراؤں ہوئے اس وقت ہر کوئی ایک دوسرے کے احساسات کی قدر کو جانتا تھا روپے کی قدر و قیمت نہ تھی بلکہ احساسات کو سمجھا جاتا تھا۔ مگر قائد اعظم کی وفات کے بعد اقتدار بدلنے لگے اور اب ایسا لگتا ہے کہ میرا اک تکلیف دہ دور شروع ہو گیا ہے۔ جو بھی آیا اس نے میرے سینے کو زخموں سے بھر دیا اور اپنے مفاد کے لیے استعمال کیا ان حالات کے باوجود میں ابھی بھی زندہ ہوں اور اپنے ماضی کی حسین یادوں سے اپنے سینے کے زخموں کو سہلانے کی کوشش کر رہا ہوں کہ:

زندگی نام ہے مر مر کے جتنے جانے کا۔

میں پاکستان ان فرض کے بوجھ میں ڈوبتا جا رہا ہوں، میرے بھکراؤں پر خلوص نہیں رہے۔ میں کسی اور کا کیا گلہ کروں جب میرے اپنے ہی میرے درپے ہیں۔ یہ میری آپ جیتی ہے ازل سے لے کر بد تک۔۔۔۔

میں اب تھرا ہو گیا ہوں اور اکثر شب تنہائی میں ماضی کے میں خواب دیکھتا ہوں اور سوچتا ہوں کہ شاید زندگی ان تمام آرزوؤں کے بھوم کہتے ہیں یا شاید خلوص و وفا کے صلے میں زمانے کی سردمہری ہی اس کا سببی مفہوم ہے۔ اس امید پر میں اب تک زندہ ہوں کہ شاید کوئی قائد اعظم کی طرح اوڑھ کر آئے اور مجھے غلامی کی زنجیروں اور سگتے ہوئے زخموں کو آزاد کرانے۔

میرا ماضی ایک مالہ گدا ہے اور حال اک آدھ نا دسا۔۔۔۔

حیات اک مستقل فم کے سوا کچھ بھی نہیں شاید خوشی بھی یاد آتی ہے تو آنسو بن کر آتی ہے۔

زادہ اقبال

﴿ایک دن آپریشن تھیٹر میں﴾

سرریشی نے ہمیں آپریشن کے بارے میں اہم ہدایات دیں اور پھر ہم نے آپریشن کرنے کے قواعد و ضوابط کے مطابق تیاری کی۔ سرریشی نے انڈیکانم لے کر آپریشن شروع کیا۔ اور ساتھ ساتھ ہمیں سکھاتے اور بتاتے بھی گئے۔ اور سرریشی نے نہایت مہارت سے اور عمدگی سے Appendix نکال دی۔ جو کافی بڑی تھی۔ (stitches) لٹانے لگائے کے بعد ہم باہر آ گئے اور مرلیش کو وارڈ میں منتقل کر دیا گیا۔

اس آپریشن سے ہم کو کافی کچھ سیکھنے کو ملا۔ ہم نے شکر یہ ادا کیا سرمنشی کا کہ انہوں نے ہمیں یہ موقع دیا۔ اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ ہمارے اس ادارے کو کون دہائیوں اور رات چوگنی ترقی دے اور ہمیشہ قائم و دائم رکھے۔ آمین)

محمد منزل جاوید

﴿رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا﴾

جس نے کسی مسلمان کی پردہ پوشی کی، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی کرے گا۔ (صحیح بخاری 2442)

﴿حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا﴾

جس کے پاس میرا ذکر ہوا اور اس نے مجھ پر رُود و پاک نہ پڑھا و دیگر بخت ہے۔ (القول البدیع صفحہ 145، آک کوثر صفحہ 94)

دوسرے موڑ پر اس نے گاڑی ٹھہرائی اور مجھ سے کہا ”صاحب آپ سگریٹ لینے تھے۔۔۔ اس ایرانی ہوٹل سے سٹیل مل جائیں گے“

[illegible]

پروفیسر صاحب انتہائی اہم موضوع پر لکچر دے رہے تھے، جیسے ہی آپ نے وہاں بیٹ بڈوڑ پر کچھ لکھنے کیلئے رخ پلٹا کسی طالب علم نے سٹی بجائی۔

پروفیسر صاحب نے مزکر پوچھا کس نے سیٹی بجائی ہے تو کوئی بھی جواب دینے پر آمادہ نہ ہوا۔ آپ نے قلم بند کر کے جیب میں رکھا اور رجسٹر اٹھا کر چلنے ہوئے کہا: میرا لکچر اپنے اختتام کو پہنچا اور بس آج کیلئے انتہائی کافی ہے۔

پھر انہوں نے تھوڑا سا وقت کیا، رجسٹر واپس رکھتے ہوئے کہا، چلو میں آپ کو ایک قصہ سناتا ہوں تاکہ بچہ بڑکا دیتی ہو پورا ہو جائے۔ کہنے لگے: رات میں نے سونے کی بڑی کوشش کی مگر کوسوں دور تھی۔ سوچا جا کر میں پڑوں ڈاؤں ڈاؤں تاکہ اس وقت پیدا ہوئی کچھ کیسیات ختم ہو، سونے کا موڈ آنے اور میں صبح سویرے پڑوں ڈاؤں ڈاؤں کی زمت سے بھی بچ جاؤں۔

پھر میں نے پیٹرول ڈلو آکر اسی علاقے میں ہی وقت گزاری کیلئے اور دھڑ رات شروع کردی۔ کافی مہنگشت کے بعد گھر واپسی کیلئے کاموڑی تو میری نظر سڑک کے کنارے کھڑی ایک لڑکی پر پڑی، لگ رہا تھامسی بیٹری سے واپس آ رہی ہے۔

میں نے کارساختہ جاکر دیکھی اور پوچھا کیا میں آپ کا آپ کے گھر چھوڑ دوں؟
 کہنے لگی: اگر آپ کو یہ قہر مہربانی ہوگی۔ مجھے رات کے اس پہر سواری نہیں مل پاری۔
 لڑکی اگلی سیٹ پر میرے ساتھ بیٹھ گئی، گفتگو انتہائی مہذب اور سلجھی ہوئی کرتی تھی، مہربان و
 یکمل عبور اور مکمل حاصل تھا، گو با علم اور شناخت کا شائد اور امتزاج نہ تھی۔

میں جب اس کے بتائے ہوئے چپتر پر اس کے گھر پہنچا تو اس نے اعتراف کرتے ہوئے کہا کہ وہ بہت ساروں بعد پاکستان آئی ہے اور اس نے یہاں مجھ جیسا باشعور اور نفیس انسان نہیں دیکھا۔ پھر اس نے میرے بارے میں تفصیل پوچھی۔

میں نے اُسے بتایا کہ میں میڈیکل کالج میں پروفیسر ہوں، ایف سی ایس ڈاکٹر اور معاشرے کا مفید فرد ہوں۔

میرے میڈیکل کالج کا سٹوڈنٹ نے خوش ہوتے ہوئے کہا، میری آپ سے ایک گزارش ہے۔
میں نے کہا: ضرور۔ بتائیے کیا کام ہے۔

کہنے لگی: میرا ایک بھائی آپ کے کالج میں پڑھتا ہے، آپ سے گزارش ہے کہ اس کا خیال رکھا
کے۔

میں نے کہا: یہ تو کوئی بڑی بات نہیں ہے، آپ اس کا نام بتادیں۔
 کہنے لگی: میں اس کا نام نہیں بتاتی لیکن آپ کو نشانی بتاتی ہوں، آپ اُسے فوراً ہی پہچان جائیں گے۔

میں نے کہا: کیا ہے وہ خاص نشانی، جس سے میں اُسے پہچان لوں گا۔
کہنے لگی: وہ سیٹھاں بھاتا بہت پسند کرتا ہے۔

پتھر کی دنیا

دانت بچ رہے تھے۔ کپتان اگر حاکم کو بت نہ دلاتا تو کب کا ڈوب گیا ہوتا۔ ”لا کے تم سونا مت، نیند کو نگھست دو! اگر تم سو گئے تو لڑھک کر سمندر میں جا گرو گے۔ مجھے ہو سکتا ہے کہ تم سے زیادہ نیند آ رہی ہو۔“ کپتان نے اسے گویا حکم دیتے ہوئے کہا۔

آسمان پر اب اکا دکا بادل چاند سے آنکھ میچوٹی کھیل رہے تھے۔ سمندر اب بالکل پرسکون تھا۔ ساری رات ان کا سفر جاری رہا۔ صبح سویرے سورج جب بلند ہوا تو انھیں ایک جزیرہ اپنی سمت میں ابھرتا نظر آیا۔ خوشی سے ان کے چہرے دک اُٹھے۔ ”میرا خیال ہے کہ ہم دو گھنٹے تک اس جزیرے تک پہنچ جائیں گے۔“ کپتان نے کہا۔

یہ جزیرہ ایک ہرا ہرا پُرسکون علاقہ دکھائی دے رہا تھا۔ ان کی رفتار خاصی ست تھی اس لیے انہیں وہاں تک پہنچنے میں کافی دیر ہو گئی۔ ان کا حشر آخر اس جزیرے کی ابھری چٹانوں سے آگیا۔ یہ دونوں اتر کر کھٹی پر آئے اور تھکن نڈھال ہو کر گر پڑے۔

کچھ دیر بعد حاکم نیند میں چلا گیا کپتان نے اسے جھنجھوڑ کر بیدار کیا۔ ”اُٹھو لا کے، مجھے یہ جزیرہ آدم خوروں کی آماجگاہ لگتا ہے۔ ہم کو فوراً کوئی اور محفوظ جگہ تلاش کرنی چاہیے۔“ دونوں لڑکھڑاتے ہوئے آگے بڑھے ان کے سامنے دو فرلانگ کے فاصلے پر جنگل تھا اور بہت دور سرسبز پہاڑ دکھائی دے رہے تھے۔ ”میرا خیال ہے کہ ہم اس وقت بحر اکاٹل کے جنوب میں ہیں۔“ کپتان نے خود کلامی کرتے ہوئے کہا۔ جزیرے میں خاموشی کا عالم تھا اور وہاں صرف جھاڑیاں تھیں۔

دونوں حیرت کے عالم میں آگے بڑھتے رہے آخر کار ریت کا سلسلہ ختم ہوا اور وہ جنگل میں داخل ہو گئے۔ ”ذرا دھیان سے یہ علاقہ آدم خوروں کا مسکن ہوگا۔ یہ تلوار اور خنجر ہے اسے تم رکھ لو۔“ کپتان نے حاکم کو غلط کرتے ہوئے کہا۔

بھوک سے دونوں کا بہت برا حال تھا۔ حاکم کی نظر ایک تیل پر پڑی جس سے انگور جیسے پھل لٹک رہے تھے۔ بھوک سے چٹاب ہو کر اس نے جوبئی آگے بڑھ کر انگور اُتارنے چاہے، تیل نے اسے بڑے مضبوطی سے بکڑ لیا۔ شاہیں لوہے کی مضبوط جال کی طرح اس کے جسم میں گھسکتی چلی جا رہی تھیں۔ اس کے منہ سے چیخیں، ٹنگے لگیں۔ کپتان نے آگے بڑھ کر پوری طاقت سے تلوار چلائی اور اس کے سنے پر وار کیا۔ دوسرے وار پر شاخوں نے اسے چھوڑ دیا۔ حاکم اوندھے منہ گر پڑا۔ کپتان نے اسے اٹھا کر ایک طرف کیا۔ اب دونوں اس تیل کی طرف چبھی چبھی لگا ہوں سے دیکھ رہے تھے۔ تیل کے سنے سے خون نکل رہا تھا۔ گاڑھا خون، یوں لگ رہا تھا جیسے کسی جانور کو زخم کیا گیا ہو۔ ”بھاگو بھاگو یہاں سے، ہم کسی شیطانی جزیرے میں آ گئے ہیں۔“ اس وقت یہ پودوں اور بیلوں سے بچ کر چل رہے تھے۔ کپتان صاحب! میرا تو پہلا سفر ہے۔ آپ ہی بتائیں ہم کہاں ہیں اور یہ کسی قسم کا جنگل ہے؟ حاکم نے پہلی بار زبان کھولی۔

”لا کے! میں نے ایسے پودے نہ کبھی دیکھے ہیں اور نہ ہی انکے بارے میں سنا ہے۔“ کپتان نے جواب دیا۔ انہیں اب اپنے سائے سے بھی خوف محسوس ہو رہا تھا۔ گرمی اور بھوک انہیں بہت بری طرح ستا رہی تھی۔ پیاس سے اب انکے حلق میں کانٹے سے پڑنے لگے۔ حاکم نے اپنی دائیں جانب ایک تیل میں بڑا سا پھل دیکھا۔ اس سے پہلے کہ کپتان اسے روکتا، وہ پیاس اور بھوک سے چٹاب ہو کر آگے بڑھا اور اس نے اپنے خنجر سے اس پھل کو الگ کر دیا۔ اس مرتبہ کچھ

اس خوفناک اور حیران کن داستان کا آغاز 1750ء کو ہوا جب سی کلک نامی ایک بڑا مال بردار جہاز آسٹریلیا سے امریکہ کے لیے روانہ ہوا سی کلک نے چونکہ ایک طویل سفر طے کرنا تھا لہذا اس پر تقریباً تین سے چار ماہ کا راشن موجود تھا۔ غلطی کی تعداد اس گھٹے کے قریب تھی۔ اور بحری ڈاکوؤں سے بچاؤ کے لیے اس پر دو رو مارو پیس بھی نصب تھیں۔ ٹریور، جہاز کا کپتان انتہائی تجربہ کار بہادر اور با اصول انسان تھا اور اپنے عملے میں ہر لحاظ پر تھکا۔

ایک ہفتہ بڑے سکون سے گزر گیا۔ ویسے بھی بحرا اکاٹل میں جس میں سے کلک روانہ تھا، بہت کم طوفان آتے ہیں۔ مگر دوسرے ہفتے کے چوتھے روز خلاف توقع موسم کے تیز گڑنا شروع ہو گئے اور شام ہوتے ہی زبردست موسلا دھار بارش ہو گئی۔ کپتان کے حکم سے باد بان گرا دیے گئے اور جہاز آہستہ سفر کی طرف روانہ رہا۔ آدھی رات کو زبردست طوفان آیا اور جہاز اپنے راستے سے ہٹ کر کہیں پہنچ گیا۔ صبح ہوئی تو طوفان کا زور ٹوٹ چکا تھا مگر یہ لوگ راستہ بھول چکے تھے۔ کپتان اور اس کے ساتھ اہلکار تھکے دیکھ کر پریشان ہو رہے تھے اس لیے کہ جس مقام پر سفر کر رہے تھے وہ نقشے میں کہیں نہیں تھا۔ یہ صورت حال کپتان ٹریور کے لیے بے حد حیران کن تھی۔ اس کے خیال میں وہ بحرا اکاٹل کے جنوب میں تھے مگر نقشہ اور قطب نما اس کی تردید کر رہے تھے۔ غلطی کی تمام تر کوشش کے باوجود جہاز بڑی تیزی سے چٹانوں کی طرف جا رہا تھا۔ کپتان نے حکم دیا کہ جلد سے جلد جہاز کو چھوڑ دیا جائے۔ دو کشتیاں جہاز سے گرائی گئیں اور بڑی پھرتی سے علمہ ان میں منتقل ہو گیا۔ ان کے دیکھتے ہی جہاز ان چٹانوں سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گیا۔ دونوں کشتیاں بھی اس طرف بڑھ رہی تھیں۔ تاہم چھوڑوں کی مدد سے بڑی مشکل سے ان رخ بدلا گیا۔ مگر فرار ہی ایک بہت بڑی لہر نے دونوں کو اٹھا لیا۔ یہ ساٹھ بے بس انسان سمندر کی ہولناک لہروں کے رحم و کرم پر تھے۔ کشتیاں آٹا فانا کی پہنچ سے دور رکھ گئیں۔

حاکم نامی ایک نوجوان ملاح بھی ان بد نصیب ساتھ افراد میں شامل تھا۔ بادلوں سے ڈکھے آسمان سے منوں منوں کے حساب سے پانی برس رہا تھا۔ حاکم کے سامنے اس کے کئی ساتھی لہروں کی نذر ہو گئے۔ لہروں سے لڑتے لڑتے اب اس کی طاقت بھی جواب دہی جا رہی تھی۔ اسے بے اختیار اپنا گھر یاد آیا۔ اس لمحے اس سے ایک بڑا لکڑی کا شہیر نکلا گیا۔ یہ فوراً اس سے چٹ گیا۔ اس کے سر پر کوئی اور بھی تھا۔ اس نے اپنے آپ کو پوری طاقت سے اس کے ساتھ چٹا لیا اور گہری سانسیں لینے لگا۔ شہیر بڑی تیزی سے بہہ رہا تھا۔ حاکم پر تھکاوٹ اتنی غالب ہو گئی کہ اس سے شہیر کو پکڑنے رکھنا مشکل ہوئے لگا۔ اس سے پہلے کہ وہ اس سے گر کر پانی میں غرق ہو جاتا اس نے اسے مضبوط ہاتھوں سے تھام لیا۔

”جوان اپنے آپ کو سنبھالو۔“ یہ کپتان کی آواز تھی جو اس کے ساتھ اسی شہیر سے چٹا ہوا تھا۔

”قدرت ہمیں زندہ رکھنا چاہتی ہے اس لیے اس نے ہمارے لیے یہ سہارا بھیج دیا ہے۔“

کپتان نے اس کی ہمت بندھاتے ہوئے کہا۔ پھر آہستہ آہستہ بارش کا طوفان ختم کیا اور سمندر کی لہریں پرسکون ہونے لگیں۔ شام اب رات میں تبدیل ہو رہی تھی۔ ان کے چاروں طرف پانی ہی پانی تھا۔ یہ بڑی تیزی سے کسی نامعلوم منزل کی جانب بڑھ رہے تھے۔ ”مجھے امید ہے کہ ہمیں جلد ہی کوئی چھوٹا موٹا جزیرہ نظر آ جائے گا۔“ کپتان ٹریور نے آہستہ سے کہا۔ شدید سردی سے انکے

”یہ بھوت ہیں بھاگو یہاں سے بھاگو گز کے، ورنہ ہم بھی پتھر کے بن جائیں گے۔“ کپتان نے اسے بھاگتے ہوئے خبردار کیا اور ایک گھنٹے جنگ کی طرف چلے گئے کیونکہ اس جنگل سے گزر کر رہی وہ پہاڑوں تک پہنچ سکتے تھے۔ کپتان کا خیال تھا کہ پہاڑوں کی دوسری جانب مہذب آبادی ہوگی۔ جنگل بھی اس ہستی کی طرح آباد تھا۔ شیر نے ہرن کو پکڑ رکھا تھا، ایک جگہ بہت بڑا ڈھامندہ کھولے بیٹھا تھا۔ درختوں پر بندر موجود تھے۔ پرندے درختوں پر حسب معمول بیٹھے تھے مگر سب کی سب پتھر کے تھے۔ یہاں بھی بالکل یہی لگ رہا تھا کہ ابھی ابھی تراش کر رکھا گیا ہے۔

”ہمیں رات پڑنے سے پہلے پہلے یہاں سے اٹھنا ہوگا۔“ خبردار کسی کی طرف مت دیکھو۔ بس آگے بڑھتے جاؤ۔“

رات انھوں نے پہاڑوں کے پاس ہلکی خوف سے وہ ساری رات جاگتے رہے۔ صبح ہوتے تھکن سے بھر شام تک چوٹی پر پہنچ گئے۔ ”حاتم میرا خیال ہے کہ اب ہم شیطان کی جنگل سے نکل آئے ہیں۔ صبح خدا نے چاہا تو اطمینان سے اتریں گے اور آبادی میں پہنچ جائیں گے۔“ کپتان نے نیچے ڈوراندھیر سے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

رات ہوتے ہی یہ دونوں اطمینان سے سو گئے۔ صبح ہوتے ہی انھوں نے نیچے اترنے کا آغاز کر دیا۔ ”خبرو مجھے اس شیطان سرزمین کا آخری نظارہ کر لینے دو!“ اتنا کہہ کر کپتان ایک پلندہ پتھر پر کھڑا ہو کر نیچے دیکھنے لگا۔ پتھر نما میں اچھا اور کپتان سمجھتا تھا کہ نیچے چلا گیا۔ یہ سب کچھ اتنا اچانک ہوا کہ کپتان چیخ مارا کہ شیطان سرزمین نے اسے اپنی سمیٹ میں لے لیا تھا۔ حاتم شام تک روتا، بیٹتا نیچے وادی میں پہنچ گیا اور لوگوں کو اپنی داستان سنائی۔ ایک بوڑھے نے اس کی داستان سن کر کہا کہ اس ہستی پر خدا کا عذاب نازل ہوا تھا اور تم بہت خوش قسمت ہو کہ وہاں سے بچ نکلے ہو۔“ ہاں! میں واقعی بہت خوش قسمت ہوں۔“ حاتم نے یہ کہا اور رونے لگ گیا۔

ختم شد

﴿اقوال زریں﴾

- ☆ اگر لوگ تم سے متاثر ہو رہے ہیں تو تکبر نہ کرو شکر ادا کرو اپنے رب کا جس نے تمہارے عیب چھپا کر تمہیں لوگوں میں معزز بنا رکھا ہے۔
- ☆ برائی کی مثال ایسے ہے، جیسے پہاڑ سے نیچے اترنا، ایک قدم اٹھاؤ تو باقی اٹھتے چل جاتے ہیں۔
- ☆ اور اچھائی کی مثال ایسے ہے جیسے پہاڑ پر چڑھنا، ہر قدم بچھلے قدم سے زیادہ مشکل مگر ہر قدم پر بلندی ملتی ہے۔
- ☆ کسی کا عیب تلاش کرنے والے کی مثال اس مکھی جیسی ہے جو سارا خوبصورت جسم چھوڑ کر صرف زخم پر ہی ٹپکتی ہے (— — — — —)
- ☆ جاہل کے سامنے عقل کی بات نہ کرو کیونکہ پہلے وہ بحث کرے گا پھر اپنی بارودیکھ کر دشمن بن جائے گا۔
- ☆ سب سے بُرا وقت وہ ہے جب تمہارے غصے کے خوف سے تمہارے والدین اپنی ضرورت اور نصیحت بیان کرنا چھوڑ دیں۔

نہ ہوا۔ تاہم یہ فوراً پیچھے ہٹ گیا اور پھل ککات دیا ڈرتے ڈرتے اسے پکھا تو اسے بے حد مزیدار پایا۔ دونوں نے اسے بڑے شوق سے کھایا۔ کچھ فاصلے پر ایسا ہی پھل اور موجود تھا۔ اسے بھی کاٹ کر فوراً کھالیا۔ پھل کھا کر حیران کن طور پر ان میں طاقت سی آگئی اور وہ تیزی سے جنگل میں آگے بڑھنے لگے۔ ”ہمیں ان پہاڑوں تک جانا ہوگا، ان کے اوپر یقیناً آبادی ہوگی۔ کپتان نے امید ظاہر کی۔ سرخ جنگل شام ہوتے ہوئے ختم ہو گیا اور اب وہ ایک کھلی جگہ پر چل رہے تھے۔“ میں تو اب ایک قدم بھی نہیں چل سکتا“ یہ کہہ کر حاتم دھم سے ایک نر دھلی ٹیلے کے نیچے بیٹھ گیا۔ کپتان کو بھی ساتھ ساتھ میں بیٹھنا پڑا۔ اندھیرا چھاتے ہی دونوں سو گئے وہ چار، پانچ گھنٹے ہی سوئے ہوئے کھڑے تھے بیٹھوں کی آواز سن کر وہ اٹھ بیٹھے۔ درخت اور پودوں سے عجیب روشنی نکلتی تھی اور چاروں جانب سے سیٹیاں ہی بج رہی تھیں۔ یہ سلسلہ ساری رات جاری رہا اور دونوں خدا کو یاد کرتے رہے۔ دن لگتے ہی بیٹھوں کی آواز ختم ہو گئی اور پُر اسرار روشنیاں بھی غائب ہو گئیں۔ اب پھر ہر طرف بھیا کھا کھا خاموشی چھا گئی۔ وہ دونوں ڈرتے، ہوئے آگے بڑھنے لگے۔ ایک جگہ ان کو قمار جیسے پھل نظر آئے اور انھیں کھا کر خوب سیر ہو کر ان کا ہاشما کیا اور اپنی نامعلوم منزل کی طرف بڑھنے لگے۔ گرمی آج بھی بہت شدید تھی۔ دوپہر کے قریب انھیں ایک شہر کی باقیات نظر آئیں۔ وہ ان ہوانا کھنڈروں میں داخل ہو گئے۔ راستے دیکھ کر ان کے دل پر ہیبت سی طاری ہو گئی ایک جگہ تالاب نظر آیا۔ پانی غیر متوقع طور پر شفاف اور تازہ دکھائی دے رہا تھا۔ ”میرا خیال ہے کہ ہم باری باری نہا لیں“ کپتان نے تجویز پیش کی۔ ”تم یہاں روکو، میں پہلے اس تالاب میں اترتا ہوں۔“ کپتان نے اپنی تلواریں نکال کر رکھی۔ جوتے جو جگہ جگہ سے پھٹ چکے تھے، اتارے اور گندے ٹیلے کیپڑوں سمیت اسی تالاب میں چھلانگ لگا دی۔ حاتم ارد گرد کا جائزہ لینے کے لیے آگے بڑھ گیا۔ تقریباً پانچ منٹ بعد ہی کپتان پانی سے شرابور تالاب سے باہر آ گیا خوف سے اس کی رنگت پہلی ہو رہی تھی۔ حاتم کے پاس جا کر اس نے اسے کچھ بتانا چاہا مگر خوف سے اس کی قوت گویائی جواب دینے لگی۔ ”کپتان، کیا بات ہے؟ کیا دیکھا ہے آپ نے؟“ حاتم نے اسے جھنجھوڑتے ہوئے پوچھا۔ کپتان کے حواس بحال ہوئے تو اُس نے کہا۔ ”جہیں یقیناً نہیں آئے کلاز کے تم سوچوں گے کہ شاید میں پاگل ہو گیا ہوں، لیکن خدا کی قسم میں نے ایسا دیکھا ہے۔“ یہ کہہ کر کپتان خوف زدہ لگا ہوں سے تالاب کی جانب دیکھنے لگا۔ ”جو جہی میں نے غوطہ کھایا تو میں نے تہہ میں میں کچھ حرکت سی محسوس کی۔ پانی شفاف ہونے کی وجہ سے میں با آسانی دیکھ سکتا تھا۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے تالاب کی تہہ میں دو ہونٹ، ہاں! بہت بڑے ہونٹ نمودار ہوئے اور ایک مہیب غار نما منہ مجھے لگنے کی کوشش کی۔ میرا تیراکی کا تجربہ ورنہ میں ضرور اس عفریت کا شکار ہو جاتا۔ ہماری سلامتی اسی میں ہے کہ ہم یہاں سے نکلیں۔“ چنانچہ انکا پراسرار سفر پھر شروع ہو گیا۔ اب پہاڑ انھیں نظر آرہے تھے۔ اچانک انھیں انسانی آوازیں آنے لگیں جیسے قریب ہی کوئی آبادی ہو۔ انسانی آوازیں سن کر ان کی جان میں جان آئی اور وہ بھاگتے ہوئے اسی سمت چل دیے۔ انھوں نے اپنے آپ کو ایک ہستی میں پایا یہاں بازار اجناس سے بھرے ہوئے تھے، لوگ خرید و فروخت میں مصروف تھے۔ بچے کھیل رہے تھے اور لوہار کھیتی پر کام کر رہا تھا اور چند عورتیں باتوں میں مصروف تھیں مگر یہ سب پتھر کے تھے۔ یوں لگ رہا تھا کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے تک یہ جیتے جاگتے لوگ تھے کسی جاودہ گرنے انھیں پتھر کا بنا دیا۔ پتھر کے انسان بے جان ہونے کے باوجود زندگی سے بھرپور دکھائی دیتے تھے۔ خوف سے ان کے درد لگنے کھڑے ہو گئے اور وہ دونوں جیتیں مارتے ہوئے وہاں سے بھاگ اٹھے۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ ان بتوں کے قریب سے گزرتے ہوئے انہیں کوئی آواز نہ سنائی نہ دیکھی نہ جیویں وہ اس ہستی سے نکلے وہی آوازیں پھر شروع ہو گئیں۔

چند اہم سوالات

- ☆ خشک سالی زیادہ تر خطرناک، یا صرف سالی؟
- ☆ بیوی کی ڈانٹ زیادہ زوردار ہوتی ہے یا ساس کی؟
- ☆ شوہر کی زندگی پہلے ختم ہوتی ہے یا بیوی کی فرمائشیں؟
- ☆ آج کل برقع پردے کے لیے پہنا جاتا ہے یا چہرے کے عیب چھپانے کے لیے؟
- ☆ خاتون کو چھیڑنے والے کو زیادہ مار پڑتی ہے یا وکیل کو؟
- ☆ ماں کی دعا جنت کی ہوا ہوتی، تو ساس کی دعا کیا کہلائے گی؟
- ☆ میاں بیوی گاڑی کے دوپیسے ہوتے ہیں جن میں سے ایک بھی خراب ہو جائے تو گاڑی نہیں چلتی، اگر کسی شخص کی دو بیویاں ہوں تو کیا اسے "رکشہ" کہا جاسکتا ہے؟
- ☆ پولیس والے کے دوستی زیادہ خطرناک ہوتی ہے یا ڈاکٹری دشمنی؟
- ☆ بندوق کی گولی زیادہ خطرناک ہوتی ہے یا جعلی ڈاکٹری؟
- ☆ بھوک زیادہ خطرناک ہوتی ہے یا بھوکا انسان؟
- ☆ فی زمانہ زیادہ مظلوم کون ہے، غریب یا گدھا؟
- ☆ میڈیکل زیادہ مشکل ہے یا میڈیسن؟

حافظ محمد یوسف

سنہری گڑیا

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک چھوٹی سی خوب صورت بچی ایک گھر میں اپنی امی کے ساتھ رہتی تھی۔ اس بچی کے بال بہت خوب صورت سنہری رنگ کے تھے۔ اسی لیے بچی کو سب لوگ سنہری گڑیا کہا کرتے تھے۔

ایک دن سنہری گڑیا نے اپنی امی سے کہا میں باہر سیر کرنے جا رہی ہوں آکے لیے میں ایک گدسہ بنا کر لاؤں گی۔ سنہری گڑیا کی امی نے کہا "بچی! جلدی واپس لوٹ آنا۔۔۔ اور ہاں

۔۔۔ زیادہ دور نہ جان۔۔۔ ایسا نہ ہو کہ تم راستہ بھول جاؤ"۔ سنہری گڑیا نے پیار سے اپنی

امی کے گلے میں ہاتھیں ڈال دیں اور بولی "امی جان آپ فکر نہ کریں میں کچھ دیر ہی بعد آ جاؤ

گی"۔ گھر سے کچھ دور باغ میں پہنچ کر سنہری گڑیا نے رنگ برنگے پھول چٹنے شروع کر دیے۔ وہ

پھول چن چن کر اپنی نوکریں میں رکھتے ہوئے آگے بڑھتی گئی سنہری گڑیا پھول چٹنے میں اس قدر مگن

تھی کہ وقت گزرنے کا احساس ہی نہ ہوا۔ سنہری گڑیا کافی زیادہ خشک گئی تھی۔ وہ آرام کی غرض سے

باغ میں بیٹھ گئی اسے بھوک نے بھی ستا شروع کر دیا۔ اچانک سنہری گڑیا نے دیکھا کہ باغ کے

ایک کونے میں ایک خوب صورت گھر ہے۔ سنہری گڑیا اس گھر کے دروازے تک گئی اور دستک دی

لیکن کافی مرتبہ دستک دینے کے باوجود دروازہ نہ کھلا تو اس نے تالے کے سوراخ سے اندر جھانک

کر دیکھا سنہری گڑیا کو وہاں کوئی نظر نہ آیا۔ سنہری گڑیا نے دروازے کا ہینڈل دبا یا تو دروازہ کھل

گیا۔ سنہری گڑیا گھر کے اندر داخل ہو گئی۔

گھر کے اندر داخل ہوتے ہی سنہری گڑیا کو کچھ بھیجی کچھ بھیجی خوشبو محسوس ہوئی۔ اس نے آگے بڑھ کر دیکھا تو ایک کھانے کی میز پر تین باؤل رکھے تھے۔ ان میں کھانے کی مختلف اشیاء تھیں۔ میز کے گرد تین کرسیاں رکھی تھیں۔ سنہری گڑیا بڑی کرسی پر بیٹھی لیکن وہ اسے پسند نہ آئی کیونکہ یہ بہت ہی سخت تھی۔ پھر درمیانے سائز کی کرسی پر بیٹھی لیکن وہ بھی اسے پسند نہ آئی کیونکہ وہ اتنی نرم تھی کہ سنہری گڑیا اس میں چھس گئی۔ آخر میں وہ چھوٹی کرسی پر بیٹھی لیکن یہ کیا۔۔۔ کرسی تو بہت ہی نازک تھی وہ سنہری گڑیا کا وزن نہ سہار سکی اور ٹوٹ گئی۔

سنہری گڑیا نے جلدی آگے بڑھ کر بڑے باؤل میں سے چمچ بھر کر منہ میں رکھا جو اتنا گرم تھا کہ اس کی زبان جلنے لگی۔ سنہری گڑیا نے اس کو چھوڑ کر درمیانے سائز کے باؤل میں سے ایک چمچ لے کر کھکھا لیکن اس کا ذائقہ اسے پسند نہ آیا۔ اب اس نے چھوٹے باؤل میں سے دیکھا اس میں بے حد لذیذ سوپ تھا۔ سنہری گڑیا نے سوپ کا باؤل اٹھایا اور جلدی چمچنے لگی۔ سوپ پینے کے بعد سنہری گڑیا گھر کے دوسرے کمرہ میں گئی۔ ایک کمرے میں وہ بیٹھ تھی۔ سنہری گڑیا نے سوچا بھوک تو ختم ہو گئی اب کچھ دیر آرام کر لینا چاہیے۔ وہ ایک بیڈ پر لیٹ گئی یہ بیڈ بہت زیادہ آرام دہ تھا۔ جلدی وہ گہری نیند کی آغاش میں چلی گئی۔

یہ گھر دراصل بھالوؤں کا تھا یہاں ایک چھوٹا بھالو اپنے ابو اور امی کے ساتھ رہتا تھا۔ وہ سیر کرنے باہر گئے ہوئے تھے۔ جب واپس آئے تو انہوں نے دیکھا کہ گھر کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اندر داخل ہوتے ہی انہیں اندازہ ہو گیا کہ ان کے گھر میں کوئی داخل ہوا ہے۔ وہ اپنے گھر داخل ہونے والے کی تلاش میں جیسے ہی آگے بڑھے تو چھوٹے بھالو کے ابو نے کہا "دیکھو میری کرسی اپنی جگہ سے ہٹی ہوئی ہے۔ کسی نے اس پر بیٹھنے کی کوشش کی ہے۔ بھالو کی امی بولیں اور میری کرسی دیکھو۔۔۔ اس کا کشن اپنی جگہ سے ہلا ہوا ہے۔

چھوٹے بھالو نے کہا "امی۔۔۔ امی دیکھیں تو میری کرسی تو کسی نے بالکل ہی توڑ دی ہے۔" دوسرے کمرے میں آکر انہوں نے دیکھا کہ سنہری گڑیا چھوٹے بھالو کے بیڈ پر سو رہی ہے۔ وہ تینوں حیران نظروں سے سنہری گڑیا کو دیکھ رہے تھے۔ اور سرگوشیوں میں باتیں کر رہے تھے۔ اتنی دیر میں سنہری گڑیا کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے اپنے ارد گرد بھالوؤں کو دیکھا تو گھبرا کر اٹھی اور باہر کی طرف بھاگ گئی۔ کافی دور جا کر اس نے دیکھا تو تینوں بھالو اپنے گھر کے باہر کھڑے اس کو جاتا دیکھ رہے تھے۔

کافی دیر بھٹکنے کے بعد سنہری گڑیا گھڑیا گھر پہنچی تو اس کی امی بے حد پریشان تھیں۔ سنہری گڑیا کو دیکھ کر اس کی امی نے سکون کا سانس لیا اور سرزنش کرتے پوچھا تم اتنی دیر تک کہاں تھیں؟۔۔۔ میں کب سے تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔ جواب میں سنہری گڑیا نے سب کچھ بتا دیا۔ اس کی امی نے کہا شکر ہے کہ تمہیں گھر کا راستہ مل گیا اور واپس آ گئی ہو۔ یاد رکھو آئندہ کبھی گھر سے دور نہ جانا اور نہ ہی کسی کے گھر بغیر اجازت داخل ہونا۔

انعم اشرف

طوفان میں دستک (افسانہ)

باہر کے سارے دروازے بند تھے اور اندر ایک بیجان سا رہا تھا سکون کی تلاش جاری تھی اور ہر ایک کا چہرہ اترا ہوا تھا۔ گھبراہٹ گھبراہٹ سا، شاید کہ وہ کسی بڑے خطرے کے انتظار میں تھے۔ اچانک باہر کے دروازے سے دستک ہوئی اور سب لوگ سرسبہ سے ہو کر خاموش ہو گئے۔ دستک ہوئی رہی اور لوگ سستے رہے کیونکہ وہ ڈرے ہوئے تھے۔ باہر کا دروازہ کھولنے پر کہیں کوئی طوفان نہ نازل ہو جائے مگر طوفان کا راستہ کب روکا جاسکتا ہے۔ طوفان نے جب نازل ہونا ہوتا ہے نازل ہو کر رہتا ہے۔ طوفان کا راستہ بدلا جاسکتا ہے، طوفان کو آگے بڑھایا جاسکتا ہے مگر طوفان کو روک لینا اب تک ممکن نہیں ہو سکا۔

دروازے پر دستک تیز ہوتی جا رہی تھی اور محسوس ہوتا تھا کہ دروازہ ٹوٹ جائے گا۔ سارے لوگ خوف و ہراس کے مارے اوپر کی منزل پر جانے لگے اور باہر دستک کی آواز شدید سے شدید تر ہوتی گئی۔ لوگوں کو محسوس ہوا کہ وہ غلط کر رہے ہیں دروازہ کھول ہی دینا چاہئے مگر دروازہ کھلنے پر بداعثیت کی کیا صورت ہوگی۔ اس پر کسی نے فوراً نہیں کیا تھا۔ گھبراہٹ میں غور کرنے کی فرصت بھی کتنی تھی۔ اندر کے ایک جیالے نے دروازے پر آکر پوچھا۔۔۔۔۔ کون ہے؟

دستک رک گئی مگر کوئی جواب نہیں ملا کیونکہ دروازے پر دستک دینے والا اجنبی تھا اور اجنبی کے پاس شناخت کے لئے کچھ نہ تھا کہ وہ اندر والے کو بتا سکے کہ وہ کون ہے۔ خاموشی سے تجسس، حیرت اور خوف میں اضافہ کیا مگر اس جیالے کے آگے بڑھنے سے اتنا ہوا تھا کہ اندر کے سارے لوگوں کو کچھ طاقت مل گئی تھی اور وہ بھی اس کے پیچھے پیچھے آکر دروازے کے پاس کھڑے ہو گئے تھے۔

ایک نے کہا ”دروازہ کھول دو“
دوسرے نے کہا ”سالا کوئی جواب ہی نہیں دیتا۔“
تیسرے نے کہا ”ذرا غور کر لو، کوئی آفت نازل نہ ہو جائے۔“
چوتھوں نے کہا ”کیا ہم سب مل کر آفت کا مقابلہ بھی نہیں کر سکتے۔“
کھول دو دروازہ۔ کیا کرے گا؟ موت برحق ہے۔ موت پر ایمان ہے تو وقت پر آنے گی۔“ چھپنے لگے ”مصلحت بھی کوئی چیز ہے مباح مصلحت سے کام لو۔“

ابھی یہ سرگوشیاں ہو رہی تھیں کہ دستک پھر شروع ہو گئی اور اندر والوں میں سے اس جیالے نے دروازہ کھول دیا۔ باہر کھڑا فقیر اپنا اجنبی چہرہ لے کر ہاتھ پھیلاتا ہوا اندر کی جانب قدم اٹھانے لگا اور اندر کے لوگ پیچھے ہٹنے لگے۔ فقیر کچھ جیب سے شہادت کا آدمی تھا۔ اس کے چہرے پر ایک عجیب قسم کی کشش تھی وہ بڑا بدادار عرب دار تھا۔ لوگ پیچھے ہٹے اور اس نے انہیں تسلی دی۔

گھبر و نہیں، میں بھی انسان ہوں تمہارے ہی جیسا۔ میں تمہارا کچھ لینے نہیں آیا ہوں کچھ دینے آیا ہوں۔ تم بے چین تھے سکون کے لئے راستہ تلاش کر رہے تھے۔ اندر کی دنیا کیسے سنائے لوگو تمہیں باہر کی دنیا کی دعوت دینے آیا ہوں۔ چلو میرے ساتھ آگے قدم بڑھاؤ۔ گھبراؤ نہیں، میں تمہاری قیادت کروں گا۔

سارے کے سارے لوگ جو گھبرائے ہوئے تھے ایک سکون کا احساس کرنے لگے مگر شکوک کی منزل ابھی بھی اپنا کام کر رہی تھی۔ مشکوک دکھا ہیں ابھی ابھی انہیں گھور رہی تھی

حافظ محمد یوسف

ڈاکٹر سید رضی محمد صاحب میری نظر میں

1977 میں میرا appointment اختصاصیت Consultant

Physician District Hospital میرے پورا خاص میں

General Medical ہوا۔ اس وقت یہاں

Prateciner میں دو نام نمایاں تھے۔ ایک ڈاکٹر ذرا گو اور

دوسرے ڈاکٹر سید علی محمد جو ریلوے کے ڈاکٹر کے نام سے زیادہ

پہچانے جاتے تھے۔ ڈاکٹر سید رضی محمد صاحب ان ہی کے بڑے

صاحب زادے ہیں اس سے پہلے میری رضی صاحب سے ناگہی کوئی

ملاقات ہوئی اور ناگہی ہم نے ایک دوسرے کو کسی محفل میں

دیکھا۔ مارچ 2002 میں ایک روز مجھے پروفیسر حسن یمن مرحوم-X

Principal, MMC کی معرفت رضی صاحب کا ایک لیٹر ملا جو

میرے اختصاصیت پر پروفیسر آف میڈیسن MMC کے سلسلے میں تھا۔

میں دوسرے دن وہ لیٹر لے کر رضی صاحب کے آفس میں پہنچا اور اپنا

تعارف کرایا۔ رضی صاحب اس وقت اپنی کرسی سے کھڑے ہو کر

ایک مسکراتے ہوئے چہرے کے ساتھ میرا استقبال کیا اس کے بعد

میں اپنی پیشہ ورانہ مصروفیات میں کام کرنے لگا اس عرصے میں نے

رضی صاحب کو ایک Dynamic personality کو مالک پایا

جو ہر وقت اپنے کام کی لگن میں لگے رہتے تھے رضی صاحب دوسروں

کی عزت ان کے رتبہ کے لحاظ سے کرنا جانتے ہیں۔ میں نے کبھی

ان کے چہرے پر مسکراہٹ کے علاوہ نہ دیکھا اور نہ ہی مایوسی۔

رضی صاحب حالات کا مقابلہ کرنا جانتے ہیں۔ دو کالج اور ہسپتال کی

ترقی کے سلسلے میں اور کالج کو Recognize کرانے کے لئے

اگرچہ میرے پورا خاص میں ہیں تو شام کراچی میں رات اسلام آباد میں

اور دوسری صبح لاہور میں دوپہر ملتان میں اور پھر شام کو واپس

میرے پورا خاص یہ بی نہیں پھر رات کو Internet پر بیٹھے مختلف

موضوعات پر مواد تلاش کرتے رہنا ان کا شغل ہیں۔ باوجود ان

کوششوں کے جب PMDC کی ٹیم کالج اور ہسپتال میں کوئی خامی

نکال کر چلی جاتی۔ صرف ایک دفعہ وہ انتہائی دور پر امید تھے کہ اس

سال تو کالج Recognize ہو جائے گا اور وہ نہ ہو سکا تو ایک

تھوڑے سے وقفے کے لئے آپ کے چہرے پر اداسی آئی اور پیشانی پر پسینہ بھی آگیا۔ لیکن ہمت نہ ہاری اور پھر کوششوں میں لگ گئے آخر کار کالج Recognize ہوئی گیا۔ کالج کے لئے اتنی سخت محنت کے باوجود رضی صاحب کبھی اپنی پیشہ ورانہ ذمہ داریوں کو نہیں بھولتے تھے۔ باقاعدہ فائلز ایئر کے لیگنر لینا، کلینکل ٹیچنگ کرنا اور مصروفیت سرجن آپریشن شروع کرتے تو لائن لگا دیتے تھے۔ رضی صاحب کی نیچر میں Softness، سادگی اور محبت، سخت محنت خاص ہیئت کی حامل ہیں۔ آپ کی یہ خوبیاں ظاہر کرتی ہیں کہ آپ کو اپنی والدہ سے بہت محبت ہے اور آپ کی تربیت میں والدہ کا زیادہ ہاتھ ہونے کی دلیل ہے۔ تنظیم کے ساتھ آپ کی بہت اچھی Understanding بھی ظاہر ہوتی ہے۔ جو خود بھی شعبہ تعلیم سے تعلق رکھتی ہیں۔ کیوں کہ جب آدمی ہر روز اتنا خوش و خرم اور ہشاش بشاش نظر آئے تو یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ وہ اپنی اوزداری زندگی سے بہت اچھی ہے۔ کالج اور پیشہ ورانہ مصروفیات اتنی زیادہ ہیں کہ تنظیم کو جتنا تاہم ان کو دینا چاہیے تھا وہ دے سکتے تھے مگر لگتا ہے کہ وہ خاتون مہر چل کا ایک نمونہ ہیں۔ میرا اور برداشت ان کو ورثے میں ملا ہے اگر کبھی شوہر کی طرف سے کوئی معمولی شکایت ہوتی بھی تو ان کو لیون تک نہ آنے دیتی کبھی کبھار مذاق میں یا طنز یہ یہ کہہ دیتیں کہ اس گھر میں کوئی اور بھی ہے جو آپ کا انتظار کرتا ہے۔ کچھ وقت کے لئے آپ کی قربت چاہتا ہے آپ کے منہ سے وہ پیار بھرے بول سننا چاہتا ہے تو رضی صاحب کی طرف سے یہ ہی جواب ہوتا کہ تنظیم کا خدائے آپ کے نزدیک رہنا چاہتے ہیں ہمارا دل بھی چاہتا ہے کہ کچھ وقت آپ کے ساتھ بیٹھ کر وہی جوانی کی پیار بھری باتیں کریں جو ہم کبھی کیا کرتے تھے ہمارا دل چاہتا ہے کہ دنیا بھر کی خوشیاں آپ کی جھولی میں ڈال دیں۔ لیکن ہم اپنی پیشہ ورانہ ذمہ داریوں سے غافل بھی تو نہیں رہ سکتے۔

رضی صاحب اسٹوڈنٹس کے لئے مختلف قسم کے پروگرام آرگنائز کرتے ہیں، مختلف قسم کے کھیل، تقریری مقابلہ، محفل میلاد اور عید حسنین کے انعقاد میں خاصہ اہتمام کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ سپہرزم اور سیدنا میں خاص دلچسپی لیتے ہیں۔

میری نظر میں رضی صاحب ایک مدبر سربراہ انشٹی ٹیوشن، سمجھدار، مخلص اور محبت کرنے والے انسان ہیں۔ آپ اپنی خدا داد صلاحیتوں کا بہترین استعمال کرتے ہیں۔ رضی صاحب کی اور میں کیا کیا خوبیاں گنواؤں۔

اس کے علاوہ رضی صاحب ایک مصنف بھی ہیں، شاعر بھی ہیں اور ایک بہترین دوست بھی

آخر میں یہ ہی کہنا کہ۔

حیرے حسن کی کیا تعریف کروں

کچھ کہتے ہوئے بھی ڈرتا ہوں

کہیں تو یہ یہ کچھ بیٹھے کہیں تھے کہ محبت کرتا ہوں

پروفیسر ڈاکٹر فضل الرحمن رانا چیت

ماں

سلام ہے اس ماں کو اور دنیا کی تمام ماؤں کو جو خود کو زمانے کے سرد و گرم موسم کا سامنا نہیں کر لیتی ہیں۔ لیکن اپنے جگر گوشوں کے لیے شخصی چھاؤں کا کردار ادا کرتی ہیں۔ بچوں کے لیے ماں کے آنچل سے زیادہ محفوظ پناہ گاہ اس دنیا میں کوئی نہیں جہاں چسپ کردہ اپنے آپ کو محفوظ سمجھتا ہے کہ اس کو دنیا کی کوئی تکلیف چھو کر بھی نہیں گزر سکتی۔ دنیا جہاں کی تمام چاشنی لفظ ماں میں سما گئی ہے۔ اس رشتے کی سچائی اور معنویت سے انکار ممکن نہیں ہے۔ ماں کی محبت اس کی بے لوث چاہت، پیار اور خلوص دنیا کی انمول دولت ہے۔ اولاد کی خوشی میں خوش ہونا، ان کی ہر تکلیف، دکھ اپنے دل پر محسوس کرنا ماں کا فطری جذبہ ہے۔ یہی اس انمول تصویر کا بھی خوبصورت

احساس ہے جو ایک ماں اپنی بے لوث چاہت کا اظہار ہے۔ جو اپنے معذور بچے سے کر کے دیکھا رہی ہے۔ اس عمر میں جب خود اس کو پیار اور نگہداشت کی ضرورت ہے پر وہ اپنی بے مثال ممتا سے مجبور ہو قدرت کی طرف سے صرف اور صرف مایہ کی کوسید ہوئی ہے۔ یہی وہ دوا درشتہ ہے جس سے ہم اپنی ہر بات یا جھجک کہہ سکتے ہیں۔ شاید اسی محبت اور انسانیت کا ثبوت ہے۔ پروردگار عالم کی محبت اور ماں کی محبت کو آپس میں تشبیہ دی گئی ہے۔ حدیث مبارک ہے کہ: (اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے ایک ماں سے ستر گنا زیادہ محبت کرتا ہے)۔

ماں کے رتبے اور مقام کا پتہ اس سے چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تخلیق کا رتبہ اور شرف اپنے بعد صرف ماں کو عطا کیا ہے اور اس کے قدموں کے تلے جنت رکھ دی ہے۔ تاریخ اسلام ایسے عظیم تصوف اور واقعات سے بھری پڑی ہے۔

تہذیب کا قول ہے کہ تم مجھے اچھی مائیں دو میں تم کو اچھی قوم دوں گا۔ کیونکہ کسی بھی انسان کا کردار اس بات کا ثبوت ہوتا ہے۔ کہ اس کی پرورش اور تربیت کس ماحول میں ہوئی ہے۔ دنیا میں جتنے لوگوں نے عظیم کارنامے سر انجام دیے ہیں ان کے پس پردہ ان کی ماؤں کی پرورش اور تعلیم و تربیت کا انداز تھا۔

ماں ہی وہ ہستی ہے جس کو بے ذلیلانہ تخلیق کا اعزاز عطا کر کے اپنی صفات سے بہرہ مند فرمایا۔ اس کا وجود محبت کا وہ بیکراں سمندر ہے کہ جس کی وسعت کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا اس کا دل اتنا وسیع ہے کہ سارے زمانے کے دکھ و الام بھی سمٹ آئیں تو اس کی وسعت میں فرق نہیں آتا ایک ایسا صاحبانِ عافیت جس کی چھاؤں میں کوئی دکھ پریشانی ہمیں چھو نہیں سکتی۔

آج تعلیم یافتہ مہذب معاشرے میں رہنے والے طبقات نہ صرف

اسلامی تعلیمات بھول چکے ہیں بلکہ حکم خدا کی نفی کر رہے ہیں۔ ان کو ماں کی وہ میرا بنائیاں بھی یاد نہیں جو ماں اس وقت کرتی ہے جب انسان اپنی ایک کبھی اڑانے کا بھی تحمل نہیں ہوتا۔ حضرت موسیٰ کی والدہ کی وفات ہو گئی اور جب آپ اللہ تعالیٰ سے کلام کرنے کے طور پر چڑھے تو اللہ تعالیٰ نے کہا اے موسیٰ اب تم سنبھل کر آتا تمہاری ماں کا انتقال ہو گیا ہے۔ پہلے جب تم ہمارے پاس آتے تھے تو تمہاری ماں مجھ سے میں جا کر ہم سے دعا کرتی تھی۔ اے سب جہانوں کے رب میرے بیٹے سے کوئی بھول ہو جائے تو اسے معاف کر دیتا۔ ثابت ہوا کہ ماں وہ عظیم ہستی ہے جس کی دعاؤں کی ہم جیسے گناہگاروں کو کسی نہیں بغیر ہوں، انبیاء اکرام و اولیاء کو بھی ضرورت ہوتی ہے۔ جس کے لبوں سے نکلی دعا بارگاہ الہی میں شرف قبولیت حاصل کرتی ہے۔

کسی زمانے میں ایک بادشاہ تھا جس نے دس جنگلی کتے پالے ہوئے تھے، اس کے وزیروں میں سے جب بھی کوئی وزیر غلطی کرتا بادشاہ اسے ان کتوں کے آگے پھینک دیتا تھا اس کی بونیاں نوح نوح کر مار دیتے۔ ایک بار بادشاہ کے ایک خاص وزیر نے بادشاہ کو غلط مشورہ دے دیا۔ بادشاہ نے فیصلہ سنایا کہ وزیر کو کتوں کے آگے بھیج دیا جائے۔ وزیر نے بادشاہ سے التجا کہ حضور میں نے دس سال آپ کی خدمت میں دن رات ایک کتے ہیں اور آپ ایک غلطی پر مجھے اتنی بڑی سزا دے رہے ہیں، آپ کا حکم سر آنکھوں پر لیکن میری بے لوث خدمت کے عوض مجھے آپ صرف دس دنوں کی مہلت دیں پھر بارگاہ مجھے کتوں میں پھینکادیں۔

بادشاہ یہ سن کر دس دن کی مہلت دینے پر راضی ہو گیا۔ وزیر وہاں سے سیدھا رکھوالے کے پاس گیا جو ان کتوں کی حفاظت پر مامور تھا اور جا کر کہا مجھے دس دن ان کتوں کے ساتھ گزارنے ہیں اور ان کی مکمل رکھوالی میں کروں گا، رکھوالا اس ثقافت کو کن چوکنے لگن پھر اجازت دے دی۔

ان دس دنوں میں وزیر نے کتوں کے کھانے پینے، اوڑھنے پھونکنے، نہلانے تک کے سارے کام نہایت ہی حدی سے ساتھ سر انجام دیے۔

دس دن مکمل ہوئے بادشاہ نے اپنے پیادوں سے وزیر کو کتوں میں پھینکوا لیا لیکن وہاں کڑا ہر شخص اس منظر کو دیکھ کر حیران ہوا کہ آج تک نہجانے کتنے ہی وزیر ان کتوں کے نوپنے سے اپنی جان گنوا بیٹھے آج یہی کتے اس وزیر کے پیروں سے بھر دیں گے۔

یہی کتے اس وزیر کے پیروں کو چاٹ رہے ہیں۔

بادشاہ یہ سب دیکھ کر حیران ہوا اور پوچھا کیا ہوا آج ان کتوں کو؟ وزیر نے جواب دیا، بادشاہ سلامت میں آپ کو یہی دکھانا چاہتا تھا میں نے صرف دس دن ان کتوں کی خدمت کی اور یہ میرے ان دس دنوں میں کئے گئے احسانات بھول نہیں پارہے، اور یہاں اپنی زندگی کے دس سال آپ کی خدمت کرنے میں دن رات ایک کر دیئے لیکن آپ نے میری ایک غلطی پر۔۔۔ میری ساری زندگی کی خدمت گزار کو یہی پست ڈال دیا۔

بادشاہ کو شہت سے اپنی غلطی کا احساس ہوا، اس نے وزیر کو اٹھوا کر مگر مچھوں کے تالاب میں پھینکوا دیا۔

نوٹ: جب ایم ایم سی کی مینٹن ایک بار فیصلہ کر لے کہ آپ کو لڑکا بنا ہے تو بس لڑکا بنا ہے۔۔۔ بابا

اللہ تعالیٰ قرآن میں ماں کے ساتھ حسن سلوک کی تلقین فرماتا ہے۔

قرآن میں اللہ تعالیٰ نے بارہا والدین کی اطاعت کی تلقین فرمائی ہے۔

یاشا والدین انسان کے لیے خد خداوندی ہے۔ نعت عظیم ہے۔ اگر آج کے دور کا جائزہ لیں تو دیکھ کر دکھ ہوتا ہے کہ ہم نے

جنت کو اپنے ہاتھوں سے گھروں سے نکال دیا ہے۔ اگر ماں باپ

بڑے ہو جائیں تو ہم ان کو مظلوموں میں لے جانے سے کترانے لگتے دیکے۔

ہیں۔ آخر ہمارے معاشرے میں ایسی ہی ہوم اور اولاد سینئر بیسے ادارے

کیونکہ ختم لے رہے ہیں۔ اگر ہم غور کریں تو ہماری تباہی کا اصل

سبب ماں کی دعاؤں سے دوری ہے۔ ماں تو وہ ہے جو ہم کو معاشرے

کی پتھر ملی راہوں پر چلنا سکھاتی ہے۔ ماں محبت سے لبریز رشتہ ہے،

ماں کا احترام کریں، ماں کے دست بارگاہ الہی میں جب اٹھتے ہیں

وہ اپنی اولاد کے لیے دعا گو ہوتی ہے۔ اور اس کی کامیابی پر ہمیشہ

شاد ہوتی ہے اور اس کی ناکامی اور تکلیف پر خود بھی اتنی ہی تکلیف

محسوس کرتی ہے۔ جیسے اس کا بچہ محسوس کر رہا ہوتا ہے۔ یہی اس تحریر کا

ہم سب کو پیغام ہے ہر انسان اپنے دل میں یہ دعا کر رہا ہوگا۔ اے

اللہ میری ماں کو سدا شاد رکھنا، خوشیوں سے دامن ان کا آباد رکھنا۔

مفکرین و اہل علم ایسے گھروں کو برائے تھیں۔ دیتے ہیں جہاں

ماں نہ ہو۔ قلبی سکون اور راحت ماں کی دعا سے حاصل ہوتا ہے جو

لوگ ان دعاؤں کی دل سے قدر کرتے ہیں وہی دنیا اور آخرت میں

بہترین زندگی بسر کرتے ہیں۔ آخر میں اللہ سے دعا ہے کہ ہماری ماں

کو سلامت رکھے۔ کیونکہ ان کا سایہ عافیت ہی ہماری بہتر زندگی کے

لیے مشعل راہ ہے۔

اللہ پاک ہم سب کی ماؤں کو سلامت رکھنا۔ آمین

خالد جمال

﴿کیا وہ پاگل تھا؟﴾

کل شام میں اپنی معمول کی سیر کیلئے پارک میں گیا تو اپنے معمولات سے فارغ ہو کر ایک شیخ پر بیٹھ گیا ابھی مجھے بیٹھے ہوئے چند لمحے ہی ہوئے تھے کہ چائیک میرے کانوں میں شور مچنے لگا۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو ایک پُر تاسف منظر میری آنکھوں کے سامنے لہرا گیا۔ کچھ شرابی لڑکے ایک بوڑھے شخص پر پتھر برسارہے تھے۔ جب میں قریب گیا تو میں نے بوڑھے کے منہ سے ایک نعرہ سنا جو اسی بوڑھے کو پاگل قرار دینے کے لئے کافی تھا۔ بوڑھا اپنی مستی میں بار بار یہی کہہ جا رہا تھا کہ

”بن کر رہے گا پاکستان“

مجھے اس بوڑھے کے ذہنی اور جسمانی حالت پر رحم آیا اور میں نے بچوں کو ڈانٹ کر بھگا دیا۔ اُس بوڑھے کو ساتھ لے کر میں اسی شیخ پر دو بارہ آ بیٹھا اور بوڑھے سے کہا کہ ”بابا کیا معاملہ ہے؟“ پاکستان تو بن گیا ہے آپ کس پاکستان کے بننے کی بات کر رہے ہیں؟

مگر بوڑھا میری بات پر توجہ دیے بغیر ایک ہی بات کا ورد کئے جا رہا تھا ”بن کر رہے گا پاکستان“ مگر جب میں نے بہت زیادہ استفسار کیا تو بوڑھے نے کربناک انداز میں ہنسنے ہوئے کہا کہ ”میں پاگل ہوں“ تم بھی مجھے پتھر مارو اور اپنی راہ لو مگر میں نے اصرار جاری رکھا کیونکہ میں نے محسوس کر لیا تھا کہ بوڑھے کے اسی نعرے کے پیچھے ضرور کوئی کہانی چھپی ہے، آخر کار بوڑھا کھل گیا وہ کہنے لگا کہ میرے والد نے اپنی دو جوان بیٹیاں اور تین بیٹے اسی وطن کے حصول کی راہ میں لٹا دیئے۔ میری والدہ عالم سکھوں کی برہمنوں کی بیہنٹ چڑھ گئی اور میرا والد اچانک صحن، دولت اور گھر بار لٹا کر ہجرت کر کے اسی پاک سرزمین میں آیا کہ آزاد فضا میں نئے سرے سے زندگی بسر کریں گے مگر یہاں تو ہر کوئی ابتدا سے ہی ملک کو گدگدھوں کی مانند نوچنے پر تلا ہوا ہے۔ مفاد پرست سیاستدانوں کے مقابلے میں ایک قائد اعظم کیا کرتا اس کو اتنے غم دیئے کہ آزادی کے بعد سال بھر بھی زندہ نہ رہ سکے۔ جمہوریت کی بساط لپیٹ کر ایک طرف پھینک دی، آمریت آئی، جاگیردارانہ نظام ملا، وہ ملک جس کے لیے پورے نوے سال تک بیٹیاں بے آبرو ہوئیں، بچے یتیم ہوئے، عورتیں بیوہ ہوئیں، اسی کو دولت کر دیا گیا محض چند سکوں کے مفاد کی خاطر۔ صوبائی اور نسلی تعصب دیا گیا، فرقہ پرستی ملی، مساجد میں بم دھماکے ہوئے، راہ چلتے لوگوں پر گولیاں برسائی گئیں، بنگامے، فسادات ہوئے، عورتوں کی عصمتیں لوٹی گئیں، چوری، رشوت، مفاد پرستی، غربت کا نہیں غریب کا خاتمہ کیا گیا۔ اسی لئے میں نے بہن اور بھائی قربان کئے کیا یہ پاکستان ہے؟ یہ اسلام کا قلعہ ہے؟ بولو! خاموش کیوں ہو؟ بوڑھے کی آنکھوں سے آنسوؤں کا ایک سمندر بہہ رہا تھا وہ شیخ سے اٹھا اور دو بارہ وہی نعرہ لگاتے ہوئے چلا گیا

”بن کر رہے گا پاکستان“ مگر میرے لئے ایک سوال چھوڑ گیا کہ ”کیا وہ پاگل تھا؟“ میں یہی سوال آپ سے کر رہا ہوں کہ کیا وہ واقعی ”پاگل“ تھا؟

محمد شہزاد اکرم

﴿ڈنیر محبوبہ﴾

دیکھو! اپنے پیار کو صرف اور صرف آلونک محدود رکھو جو ہر کھانے میں آسانی سے دستیاب ہو جاتا ہے۔ اچھا پیاری چندر باب اجازت دو صبح تڑکے سبزی منڈی مارکیٹ میں جاتا ہے۔

محمد شہزاد اکرم

ایک بار ایک شخص نامور مزاح نگار حسین شیرازی صاحب کے پاس آیا اور زار و قطار روتے ہوئے ان کے پاؤں میں گڑ پڑا اور گڑ گڑاتے ہوئے کہا ”میری شراب چھروادیں“ شیرازی صاحب نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ بھیرا اور کہا ”فکرت کرو میں دعا کروں گا!“ اس شخص نے اسی طرح روتے ہوئے التجا کی صرف دعائیں کرنی، آپ نے کس قسم والوں سے بات بھی کرنی ہے۔

میری نماز کی طرح خوبصورت محبوبہ تم تو ایسے ناراض ہو گئی جیسے سردیوں میں کرلیے ناراض ہو جاتے ہیں تم تو مانتی ہو کہ تمہاری ناراضگی میں میرا چہرہ بے موسمی سبزیوں کی طرح بے رونق اور اداس ہو جاتا ہے تم کو اچھی طرح معلوم ہے کہ میں جب تک تمہاری پوری پودے کی طرح سبز آنکھیں نہ دیکھ لوں میری طبیعت ساگ کے ابال کی طرح ابلتی رہتی ہے۔ میں نے کب سے دیسی ٹینڈے جیسی خوبصورت انگوٹھی نوائی ہوئی ہے، جو میں تمہاری بھینڈی جیسی انگی میں پہنانے کے لیے تڑپ رہا ہوں میں تم کو کیسے سمجھاؤں کہ محبوب اور محبوبہ ہری مریق اور ادورک کی طرح لازم و ملزوم ہیں۔ مگر ایک تم ہو کہ سبزی منڈی کے ریٹ کی طرح ناک چڑھائے رکھتی ہو، کبھی تو پھول گوشت کی طرح کھلا ہو چہرہ دکھا دیا کرو ہر وقت بند گوشت کی طرح منہ بند رکھتی ہو، مانا کہ میرا رنگ نینک کی طرح کالا ہے مگر میرے دل کے حسین جذبات شلغم کی طرح سفید اور پاک لک کی طرح برے بھرے ہیں اور میرے اندر پیار کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر لہن کی طرح تمہارے نام سے مہک رہا ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ علیہ السلام

طالب خدا

انسان کو جس چیز میں کمال ہوتا ہے اس پر مرتا ہے۔ چنانچہ دھڑکنے والا دیکھ کر سناپ پکڑنے میں کمال تھا، اس کو سناپ نے کاٹا وہ مر گیا۔ ارسطو کی بیماری میں مراد، افلاطون فارغ میں، لقمان سرسام میں اور جالینوس دستوں کے مرض میں حالانکہ یہ بیماریوں کے علاج میں کمال رکھتے تھے۔ اس طرح جس کو جس سے محبت ہوتی ہے اسی کے خیال میں جان دیتا ہے۔ قارون مال کی محبت میں مرا، یحییٰ کی محبت میں، اسی طرح طالب خدا کو خدا کی مٹنی کی بیماری ہے وہ اسی میں دفن ہو جاتا ہے۔

میاں فیض رسول

- ۱۔ شک کی حالت میں نماز پڑھنے سے یقین کے عالم میں سو جانا بہتر ہے۔
- ۲۔ یہ مت دیکھو کہ کون کہہ رہا ہے، بلکہ یہ دیکھو کہ کیا کہہ رہا ہے۔
- ۳۔ انسان کے تین دوست ہوتے ہیں۔ ایک اس کا اپنا دوست، ایک اس کے دوست کا دوست اور ایک اس کے دشمن کا دشمن۔ اسی طرح اس کے دشمن بھی تین ہوتے ہیں۔ ایک اس کا دشمن، ایک اس کے دوست کا دشمن اور ایک اس کے دشمن کا دوست۔
- ۴۔ خاموش رہو یا ایسی بات کہو جو خاموشی سے بہتر ہو۔
- ۵۔ نیکی کرنے سے انسان کی عمر بڑھتی ہے۔
- ۶۔ جو ذرا سی بات پر دوست نہ رہا وہ دوست تھا ہی نہیں۔
- ۷۔ جسے ایسے دوست کی تلاش ہو جس میں کوئی کمی نہ ہو اُسے کبھی دوست نہیں ملے گا۔
- ۸۔ کسی کا عیب تلاش کرنے والے کی مثال اُس مکی کی طرح ہے جو سارا خوبصورت جسم چھوڑ کر صرف زخم پر ہی ٹٹھکتی ہے۔
- ۹۔ جس کو تم چاہو اُس کو کبھی آزمائے مت کیونکہ اگر وہ بے وفائی کا تول تہا را ہی ٹوٹے گا۔
- ۱۰۔ اچھے لوگوں کی ایک خوبی یہ بھی ہوتی ہے کہ انہیں یاد رکھنا نہیں پڑتا وہ یاد رہ جاتے ہیں

محمد صادق دریشک

اسپرین (فارما کالوجی)

اسپرین کو ایسی ٹائل سائل سائیکلک ایسڈ (Acetyl Salicylic acid) بھی کہتے ہیں۔ اسپرین نائن ٹیئر انڈل ایٹنی انفلامیٹری دوا (NSAIDs) میں شمار ہوتی ہے۔

اسپرین دافع درد دوا ہے۔ جو اکثر معمولی درد اور درد کو فارغ کرنے کیلئے ایسا صحت کے طور پر استعمال کی جاتی ہے۔ اسپرین ایٹنی پائیرٹک (Anti pyretic) کے طور پر بخار کو کم کرنے کے لئے استعمال کی جاتی ہے۔ یہ دوا درد کو کم کرنے میں بھی بہت مفید ہے۔ اسپرین سوزش سے بچاؤ یعنی ایٹنی انفلامیٹری دوا (Anti inflammatory) ہے اور سوزش کی علامات کو بہت حد تک کم کرتی ہے۔ اس کے علاوہ اسپرین دل کے امراض میں جتنا لوگوں میں دل کے حملوں، مشرک اور خون کے جھنکے کی تشکیل کو روکنے میں مدد کرتی ہے۔ اسپرین کی باقاعدہ خوراک سے دل کے دورے پڑنے اور دل کے ٹیشو کی موت کے خطرے کو بہت حد تک کم کیا جاسکتا ہے۔ جدید تحقیق سے ثابت ہوا ہے کہ اسپرین کینسر کی بعض اقسام، خاص طور پر بڑی آنت کے سرطان کے روک تھام میں بہت مفید ہے۔

مضر صحت اثرات:

اوپر بیان کیے گئے فوائد کے علاوہ اسپرین کے مسلسل استعمال سے مندرجہ ذیل مضر صحت اثرات بھی مرتب ہوتے ہیں۔

چونکہ اسپرین صرف بذریعہ ذہن (Arallys) استعمال ہوتی ہے۔ اس لئے یہ معدے میں کئی امراض کو جنم دیتی ہے۔ جن میں سینے کی جلن (Patic ulcer) متلی (Nausea) یا معدے میں گیس اور اسر شامل ہیں۔

سید علی بادشاہ



گوشه نظم و غزل

✽ ایک شکرے کے جواب میں ✽

اسے کہنا کہ ہم اتنی وفا کرتی نہیں پائے
ناتانیا دے پائے
کہ جتنا چاہتے تھے
اور اس کا حق بھی بنتا تھا
اسے کہنا کہ پھر بھی گردِ بکھری داستانوں میں
وفاؤں کی، محبت کی
مثالیں بنتی ملتی ہیں

ہمارے دل میں اس کا پیارا ن سب ہی سے بڑھ کر ہے
اسے کہنا کہ جب کوئی کسی کے گھر کو اپنے اور اپنے پھول سے
بچوں سے اک جنت بنا دے
تو اس کے پیار کا قرضہ کوئی کیسے اتارے گا؟
اسے کہنا ہماری سانس میں اتری وفا نہیں اور محبت
گو پہاڑوں سے بھی اونچی اور سمندر سے بھی گہری ہیں
مگر بچوں کی صورت میں جو نعمت اس کے ذریعے سے ہمارے
گھر میں اتری ہے

وہ اتنی ہے کہ جس کا بدلہ کوئی دے نہیں سکتا
اسے کہنا کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ لفظوں کے کھلاڑی
اپنی ہی حالت بیاں کرنے سے قاصر ہوں
اسے کہنا کہ یہ کم مانگی جو مر کی قسمت میں لکھی ہے
اسے اپنی وفا کی اور رضی کے پلو میں مستور کر لے
اسے کہنا کہ ہم کو معاف کر دے
اور محبت اور وفا کو ناپے اور تولے بنا منظور کر لے
سید رضی محمد

✽ غزل ✽

اکیلے پن کا نہ تکلیف ماہ و سال کا ہے
لال اب جو بچا ہے، ترے لال کا ہے
ترے سوال کا ہرگز نہیں لال مجھے
ترے سوال سے نکلے مرے سوال کا ہے
تجھے گلہ ہے کہ اس میں نہیں ہے تو موجود
یہ آئینہ تو بنا ہی ترے خیال کا ہے
اگر میں جیت کے بارہا ہوں عشق کی بازی
قصور میری اناے شکستہ حال کا ہے
یہ آگئی تری لمحاتِ جبر نے بخشی
جو رانیاں گیا موسم، ترے وصال کا ہے
یہ زندگی یونہی چپ چاپ بیت سکتی تھی
گلہ ہے خود سے بہت اور عرضِ حال کا ہے
اگر یہ حد ہے بلندی کی پیار میں تو رستی
اب اس کے بعد ہر اگلا قدم زوال کا ہے۔
سید رضی محمد

✽ غزل ✽

اپنے بچوں کی ہو خوشیوں سے عداوت مجھ میں
اتنی بھی اب نہیں اتری ہے روایت مجھ میں
آگ لینے کو پہاڑوں پہ کہاں جاتے ہو
میرے معبود نے رکھی ہے تمازت مجھ میں
میں غم و غصے کے تابع تو نہیں ہوں اے دوست
میرے احساس کی تابع ہے خطابت مجھ میں
میں بنا درد کوئی لفظ نہیں لکھتا ہوں
میرے ہر شعر کی ملتی ہے شہادت مجھ میں
کچھ نہ کچھ شکر تو اب اپنے مخالف کا کروں
آگنی کتنی سمجھ اس کی بدولت مجھ میں
کچھ نہ کچھ وقت بزرگوں کے لیے رکھتا ہوں
دیکھ لیتے ہیں گئے لوگوں کی صورت مجھ میں
نہتیں کچھ مرے معبود نے وہ بخشی ہیں

یاد آتی ہیں تو آجاتی ہے طاقت مجھ میں
اپنے بچوں کی طرح کوئی بھی بچہ دیکھوں
خود بخود ایک اند آتی ہے شفقت مجھ میں
رفع شر کے لیے چپ ہونا، ہزیمت تو نہیں
کچھ تو بچتی ہے بزرگوں کی نجات مجھ میں
اختلافات تعلق ہی کا حصہ ہیں رضی
تم کہاں ڈھونڈنے لگتے ہوں کدورت مجھ میں
سید رضی محمد

✽ غزل ✽

جس لو میں جل کے رات گزاری، نہیں رہی
اٹھے یہ انجمن بھی ہماری نہیں رہی
اب کیا کہیں کہ کتنے وفا آشنا تھے ہم
لیکن وفا بھی عقل سے عاری نہیں رہی
خود مانگتا شعار ہمارا نہیں رہا
عادت نواز نے کی تمہاری نہیں رہی
دیکھا تمہیں بھٹکتے ہوئے تو بھٹک گئے
یکطرفہ بے خودی کبھی طاری نہیں رہی
اس شے کو ہم نے تھوڑا گوارا نہیں کیا
جب اپنی دسترس میں وہ ساری نہیں رہی
وہ دوستی میں عجز کے عادی اگر ہیں، ہوں
کہہ دو کہ ایک رسم تھی جاری نہیں رہی
جس دن سے ایک شخص ہمارا نہیں رہا
اس دن سے کائنات ہماری نہیں رہی
گھائے کے سارے فیصلے اپنے ہی تھے رستی
ان فیصلوں پہ رائے شاری نہیں رہی
سید رضی محمد

﴿غزل﴾

ہم نے ذہنگ سے قربت کے طلبگار بنے
بعد میں ہاتھ بڑھا پہلے سزاوار بنے
ہم خلاؤں میں محبت نہیں کرتے مری جان
انش پر انشت بناتے ہیں کہ گھر بار بنے
ہم بنا عشق طلبگار کبھی بنتے تھے
ہاں اگر عشق کیا ، خوب طلبگار بنے
ہم سے مفلوک زمانہ بھی ہے ، اور تم بھی ہو
ہم بنا فرق جو ہر اک سے ملنا بنے
حاصل علم و ہنر کیا ہے بجز تہائی
شکر ہے پھر بھی مرے دوست تو وہ چار بنے
قتل و حکم و ستم لوٹ ، دھماکے ، اغوا
کھینچے جاؤ کہ مرے دیس کا اخبار بنے
جرم تھکید بنا عقل کا حاصل یہ ہے
دعاں جن لوگوں کو بنا تھا ، وہ تلواریں بنے
فرق بازی کے تسلسل میں یہی ہونا تھا
جن کے سینوں میں اماں مٹی تھی ، خونخوار بنے
عدل سے قوم میں اٹھنے بھی ، پھینچے بھی تھے
علم آیا تو یہی مجمع اغیار بنے
اور انصاف جو برسا تو تمدن پھیلا
گردِ نیل جو تعصب کی تو انکار بنے
علم کا خاتمہ کرل میں نہیں ہوتا ہے
کچھ سے جاتا ہے کہ شام کا بازار بنے
آخرت کے لیے مسجد بھی بنالیں گے رشتی
پہلے اہلک کو تو پھیلائیں کہ سنسار بنے
سید رضی رحمہ

چھوٹا سا چھوڑ کر میں گیا تھا کسی کو مگر
کچھ دن گزر گئے تو زمانہ گزر گیا
مہر وفا نے ہم کو بنایا حریف جان
بچھا کیا ہے دل کا مسلسل ، جدھر گیا
پھر یوں ہوا کہ راستے انجان ہو گئے
میں کس طرف گیا ، وہ نہ جانے کدھر گیا
اب پاؤں بھی کہاں ہیں میاں تاج مزاج
میں مر کے بھی نہ جاتا وہاں پر ، مگر گیا
اب لب ہیں اور لذت یک حرف حق رشتی
آیا جنون شوق تو خوف و خطر گیا
سید رضی رحمہ

﴿غزل﴾

کچھ ان کی باقیات ہیں ، ان کی مثال ہیں
خواب و خیال لوگ اب خواب و خیال ہیں
ہم ہیں جنوب ، زیست میں تنہا ہی لوح خوان
ہستے رفیق جان ہیں سوئے مثال ہیں
ہم تھے دوزخ ضبط سے پہلے تھکے ہوئے
اب بار لب کشائی کے فم سے نڈھال ہیں
دوہوں کو کات کات کے کہتا ہے کوہ کن
کتنے پہاڑ باقی ہیں اور کتنے سال ہیں
چنے سے لگ کے ہونے لگے فاش راز دل
پھر یہ کھلا کہ دونوں ہی مشترکہ حال ہیں
چائے بغیر صبح تمہارے بغیر شام
دونوں قسم خدا کی گزرنا حال ہیں
اب دشمنان عشق کی حالت تو دیکھیے
اک شخص کی کمی سے کیا مفلوک حال ہیں
بدلے کا جب نکلام تو بدلیں گی قسمیں
چرے بدلنے سے تو بدلنا حال ہیں
کتنے شکاف سینوں سے گھرنگ ہے زمین
کتنے ہی آفتاب یہاں پامال ہیں
اب پر کھلیں تو سب کے کھلیں یاں با تیز
اک بار ٹوٹ جائیں یہاں جتنے جال ہیں
سید رضی رحمہ

﴿غزل﴾

جان لیا حسیں بہت شدیں تنہائی کی
اس نے ہر وقت مرے دل کی ٹھیکائی کی
حرف میں تاب کہاں ہے کہ بیاں کر پائے
دل کی جو دل سے حقیقت ہے شناسائی کی
مجھ سے جو چھڑے ہیں ، وہ چھڑے کہاں ہیں لوگو
تم نے دیکھی نہیں محفل مری تنہائی کی
پاک رشتوں سے سدا پھوٹے ہیں خیر کے پھول
اس کی چپ نے بھی مری حوصلہ افزائی کی
مجھ کو یہ زیست گزار ہے یا اس زیست کو میں
دونوں باتوں میں رفق ملتی ہے سچائی کی
میں گریزاں ہوں اگر اتنا تو حیراں کیوں ہو
بات مرے کی نہیں ، بات ہے پسائی کی
کیسے دوں باب اضافی پہ میں حتمی رائے
اس جگہ اور ہیں پناہیں سچائی کی
تیز آہنگ میں شکلیں بھی گزر جاتی ہیں
برہی آئی ، مکی شرم شناسائی کی
نہ سمجھ کر بھی اسے خوب سمجھتا تھا رشتی
بے لگی بات میں بھی بات تھی گہرائی کی
سید رضی رحمہ

﴿غزل﴾

جب بھی قدم کسی نئی دلیز پر گیا
اس کی ہلکے قلب کے امکان سے ڈر گیا
اب مجھ میں جھانک کر کے تنے ڈھونڈتا ہے تو
میں خود بھی بے خبر ہوں کہ وہ انسان کدھر گیا
تیرے بغیر گھر کو سینے ہوئے ہوں میں
گھر تو سٹ گیا ہے مگر میں نکھر گیا
میں نے رکھا تھا وادی عشاق میں قدم
بس دشمنان عشق کا چہرہ اتر گیا
آئی صدائے درد کہ "اب میری رات ہے
بس اسے کمال ضبط ترادوں گزر گیا"

فلسطین

یہی فلسطین کی سرزمین ہے جو پانچ سو سالوں کے سارے
جنگلڑے مٹا رہی ہے
میان اہل ضمیر و اہل فساد حق کو چھپانے والے
تمام پردے ہٹا رہی ہے
یہی فلسطین کی سرزمین ہے جو پانچ سو سالوں کے سارے
جنگلڑے مٹا رہی ہے
میان اہل ضمیر و اہل فساد حق کو چھپانے والے
تمام پردے ہٹا رہی ہے

یہاں کا رستہ وفا شعاروں کی لاشوں سے بھرا ہوا ہے
زمانہ بھر سے

نہتے مظلوم سربریدوں اور آگ برساتے قاتلوں میں بنا ہوا ہے
تمام دنیا میں جتنے بھی تخت و تاج والے
جوانی کثرت اور اسلحے سے

سیاہ صیہونی طاقتوں کو فروغ دیتے ہیں
یا جو بظاہر تو اپنے ہیں اور ریاستوں پر بزور شمشیر حکمران ہیں
اور عالمی سازشوں میں اپنے ہی بھائیوں کے خلاف مہم
بے ہوئے ہیں انہیں بتا دو

انہیں بتا دو کہ ان کی ناپاک مسندیں جن کے واسطے وہ ضمیر ہی
چیز بنتے ہیں

وفا کی راہوں میں بیٹے والی ہو کی اک بوند سے سبک ہیں
انہیں بتا دو

کہ تم اگر ظلم و بربریت سے دنیا کو بھرنے والے ہو
یا ظلم کا ساتھ دینے والے ہو

یا اپنی خاموشیوں سے ظالم کی طاقتوں کو بڑھانے والے ہو
تو ساری دنیا کے اہل حق اپنی جاں بخشی پر رکھ کے پیسہ پلا کی

دیوار بن گئے ہیں
امن کا پرچم اٹھانے والے سراپا پیکار بن گئے ہیں

انہیں بتا دو
کہ ساری دنیا میں ظلم سے نالاں اہل ضمیر یک جا ہو چکے ہیں

جو رنگ نسل و عصیتوں میں بے ہوئے تھے
ہر اک تفاوت بھسک کے بھر سے

وہ صرف انسان بن چکے ہیں

یہی فلسطین کی سرزمین ہے جو پانچ سو سالوں کے سارے
جنگلڑے مٹا رہی ہے

میان اہل ضمیر و اہل فساد حق کو چھپانے والے
تمام پردے ہٹا رہی ہے

یہی فلسطین کی سرزمین ہے جو پانچ سو سالوں کے سارے
جنگلڑے مٹا رہی ہے

میان اہل ضمیر و اہل فساد حق کو چھپانے والے
تمام پردے ہٹا رہی ہے

یہی فلسطین کی سرزمین ہے جو پانچ سو سالوں کے سارے
جنگلڑے مٹا رہی ہے

میان اہل ضمیر و اہل فساد حق کو چھپانے والے
تمام پردے ہٹا رہی ہے

یہی فلسطین کی سرزمین ہے جو پانچ سو سالوں کے سارے
جنگلڑے مٹا رہی ہے

میان اہل ضمیر و اہل فساد حق کو چھپانے والے
تمام پردے ہٹا رہی ہے

یہی فلسطین کی سرزمین ہے جو پانچ سو سالوں کے سارے
جنگلڑے مٹا رہی ہے

میان اہل ضمیر و اہل فساد حق کو چھپانے والے
تمام پردے ہٹا رہی ہے

یہی فلسطین کی سرزمین ہے جو پانچ سو سالوں کے سارے
جنگلڑے مٹا رہی ہے

میان اہل ضمیر و اہل فساد حق کو چھپانے والے
تمام پردے ہٹا رہی ہے

یہی فلسطین کی سرزمین ہے جو پانچ سو سالوں کے سارے
جنگلڑے مٹا رہی ہے

میان اہل ضمیر و اہل فساد حق کو چھپانے والے
تمام پردے ہٹا رہی ہے

یہی فلسطین کی سرزمین ہے جو پانچ سو سالوں کے سارے
جنگلڑے مٹا رہی ہے

میان اہل ضمیر و اہل فساد حق کو چھپانے والے
تمام پردے ہٹا رہی ہے

یہی فلسطین کی سرزمین ہے جو پانچ سو سالوں کے سارے
جنگلڑے مٹا رہی ہے

﴿غزل﴾

روشنی چاہیے کس مول ملے گی صاحب؟
 نقدِ جاں ہے مرے پلو میں ، چلے گی صاحب؟
 اے طلبِ گارِ وفا، یہ ہے اصولِ بازار
 جنسِ کم ہوگی ، تو قیمت تو بڑھے گی صاحب
 دل کے تالاب کے ٹھہرے ہوئے سناٹوں میں
 سنگِ بھینگو گے تو ہلچل تو بچے گی صاحب
 زندگی بھر کی مشقت کا صلہ ، ایک سوال
 اب یہ گاڑی کبھی پڑی پہ چڑھے گی صاحب؟
 زندگی کیا، کسی مزدور کی بیگار ہوئی
 اور اسی طرح سے باقی بھی کئے گی صاحب
 اب فسانے کا یہ انجام نہیں بدلے گا
 اب یہی فلم ہر اک بار چلے گی صاحب
 تم چلے جاو گے تو بھی یہی منظر ہوں گے
 بس یہ دنیا مری دنیا نہ رہے گی صاحب
 مسرودِ دل کی حلائی نہیں ہوتی کچھ بھی
 بن بھی جائے تو نہ اب بات بنے گی صاحب
 میری خدمت ، مری عزت کے مقابل رکھو
 پورا قولو گے ، تبھی بات بنے گی صاحب
 سانپ تو آتے ہیں ، آتے ہی رہیں گے لیکن
 چڑیا مرکز بھی نہ انڈوں سے بٹے گی صاحب
 یہ تو معلوم ہے ڈھل جائے گی یہ رات رچی
 کتنی قربانی مگر لے کے ڈھلے گی صاحب
 سید رضی محمد

﴿غزل﴾

ساتھ بھی رہتے رہے اور دوریاں بھی آگئیں
 قرب سے اکتائے تو سفاکیاں بھی آگئیں
 دردِ ہجراں کی حلائی قربِ یاراں بھی نہیں
 تم تو آئے ، کچھ نئی تنہائیاں بھی آگئیں
 مشترک ہر شے تھی تو ہر شے میں برکت تھی بہت
 جب ہوئیں تقسیم تو بربادیاں بھی آگئیں
 ننھے بچوں ہی کے دم سے رونقِ مسکن بھی تھی
 پر نکل آئے ہیں تو تنہائیاں بھی آگئیں
 جب ملا بچوں کو حقِ اختیار و اعتماد
 لا محالہ چپکے سے گستاخیاں بھی آگئیں
 کم سخن ہم تھے تو سچ بھی قابلِ برداشت تھا
 بات جب لمبی ہوئی ، سفاکیاں بھی آگئیں
 دل سے وحشی کے لیے زندانِ الفت کم نہ تھا
 رفتہ رفتہ خانداں کی بیڑیاں بھی آگئیں
 جانے وہ جملہ تھا یا لہجہ تھا یا موجِ لبو
 زرد گالوں میں اچانک سرخیاں بھی آگئیں
 ہوتے ہوئے ہوگئی دل کی زہاں سے معاملت
 خواہشوں کی زد میں پھر سچائیاں بھی آگئیں
 کھلتے کھلتے کھل گئیں کچھ ذاتیاتِ زندگی
 پھر تو زیرِ گفتگو تنہائیاں بھی آگئیں
 جھونکنا بس میں تھا لیکن، روکنا بس میں نہ تھا
 آتشِ جنگل کی زد میں بستیاں بھی آگئیں
 دردِ شامل ہو تجربوں میں تبھی ملتا ہے کچھ
 ٹھوکریں کھا کر ہمیں ہارکیاں بھی آگئیں
 گفتگو کر کے رچی تھے ، گفتگو کے منتظر
 پہلے گالی آگئی ، پھر گولیاں بھی آگئیں
 سید رضی محمد

غزل

شامل گزنی انفس نہیں رہ سکتا
میں جو چاہوں بھی تو اب پاس نہیں رہ سکتا
آج سے دل میں تری دھڑلانی کے سبب
تو تو رہ سکتا ہے، دھڑ اس نہیں رہ سکتا
ظاہری شان سے رہتا ہے ہر اک صاحبِ زر
پر کوئی صاحبِ افلاس نہیں رہ سکتا
راہِ خاک تفتیوں سے بہت جدا ہے
اب مرے ذہن میں خناس نہیں رہ سکتا
اب ہم عشق پہ غالب ہے لڑائی کا خور
عشق رہ سکتا ہے، یں پاس نہیں رہ سکتا
جس جگہ محلِ نعر ہو ہوئی کھڑت زر
علم رہ سکتا ہے، احساس نہیں رہ سکتا
آؤں سکتا ہے گزری بحر کو ٹیلِ اظہار
پر بھی شاملِ انفس نہیں رہ سکتا
کچھ عجب طور کی حقیقت ہے یہ ذہن، رتقی
نہیوں میں بھی بنا آس نہیں رہ سکتا
سید رضی تھ

غزل

شعروں میں سو دیتا ہوں اہلوں کی نئی بھی
پھر کیسے نہ دہل جائے ہر اک دہس گئی بھی
کس دل کو یہاں ملتی ہے تسکینِ کمال
اک آنکھ کی رہ جاتی ہے ہر پار کی بھی
ظہنے نہیں انکار، سوسے ہیں دلوں میں
اک جراتِ حقیقت بھی، اک حرفِ لہنی بھی
اب بھی مری پیشانی پہ لٹکے ہے لبوں کی
پانا ہوں میں دھار پہ دھار ابھی بھی
واہیں مری خاطر وہ دعاؤں کے درجے
اُنی نہیں احساسِ رفاقت میں کی بھی
تم کس کی بھائی بنی یہاں لوحِ لب ہو
مجھ سے تو نہیں چھڑا کوئی گھٹس بھی
اک لب ہی نہیں ازیدِ اہلِ محبت
سو پار تری آنکھ اچھی بھی ہے، اچھی بھی
شامل ہو محبت تو بدل جاتے ہیں مطلب
ہر لفظ میں اثبات بھی شامل ہے، نئی بھی
از خود ہی اگر جرم ہے یہ کارِ محبت
اس جرم پھر آپ بھی شامل ہیں، رتقی بھی

غزل

تصورات سے محرومیں نہیں آئیں
اکیلے پن میں بھی تنہائیاں نہیں آئیں
میں بادشاہ ہوں جن کے وجود سے گھر میں
بہت دنوں سے وہ شیرازیاں نہیں آئیں
میں روپڑا جو پلٹ کے یوں اپنے خالق سے
مرے وجود میں مایوسیاں نہیں آئیں
درِ حیات پہ رکھ دی قاعدتوں کی چال
سو غم تو آگے اڑائیاں نہیں آئیں
دکھوں کی رات تو آئی مگر رویوں میں
حکمتِ ذات کی تاریکیاں نہیں آئیں
خود اپنا دل کوئی جراح ہی نہیں سکتا
خود اپنے واسطے دلداریاں نہیں آئیں
محبتیں تو برائیاں مگر ابھی تم کو
تعلقات کی تاریکیاں نہیں آئیں
اطاعتوں کی جگہ سوچنا سکھا یا تھا
سو بچنے میں بھی نادانیاں نہیں آئیں
یہ بات جان تو لو قبلِ دستخط کہ ہمیں
اصول آئے ہیں کجوسیاں نہیں آئیں
بھی جو شمع تو روشن ہوئے وفا کے چراغ
درِ حسین پہ تاریکیاں نہیں آئیں
اوپ ٹٹاس ہوئے اور انقلابِ دوست تو پھر
بناؤں میں بھی گستاخیاں نہیں آئیں
معاشرے میں بھلا کس طرح سے لاؤ گے
جب اپنی ذات میں تبدیلیاں نہیں آئیں
جب ہے آؤ گئی موت ہر کسی و نا کس
سکوتِ پار کی سرکوشیاں نہیں آئیں
یہ کوئی عشق نہ تھا، عشق کا کماں تھا رتقی
جیسی تو ذات میں تبدیلیاں نہیں آئیں
سید رضی تھ

آڈیو ریم کی سیڑھیاں

یہ آڈیو ریم کے نیچے جاتی سیڑھیاں ہیں
انہی پر چڑھ کر ہم لو جوانی کی حسِ ڈوری میں خوشیوں کے نئے
موتی پرہے تھے
گزرے ہیں میں خوشیوں کی اور رنگوں کی زیناں سے تھے

سے سے بے خبر امید کی بارش سے خواہوں کو بھگوتے تھے

اور اب ہم تم اچانک پھر سے چوتھائی صدی کے ابدانِ بزمِ می پہ بیٹھے
ہیں

تو میں ان سب تعلق اور لمحوں کو دوبارہ جی رہا ہوں

ہمارے بچے جو رشتہ ہے اس کے سامنے اب تک کھلے الفاظ اور اشعار

سب کے سب ڈاکائی ہیں

یہ رشتہ جو جوانی کے دنوں کو ساتھ دھلتے دیکھنے والوں کا رشتہ ہے

یہ رشتہ جو اکٹھے رونے والوں اور آنسو پونچھنے والوں کا رشتہ ہے

کہیں ہمت نہ خانے اور کہیں پہونکے والوں کا رشتہ ہے

گنوا لے اور پانے کی حقیقت سوچنے والوں کا رشتہ ہے

سنوآن بزمِ جیوں پہ آج تم ویسی گریزاں تو نہیں ہو

ندہی وہ پہلے بھی زانیہ ہے، ندہی وہ درباری ہے

نہ تم میں وہ فردِ رحمن ہے اور نہ چھپے جڑوں کے کھل جانے کا مجھ

میں خوف پاتی ہے

سے کی ناہمیدو جوانی کے کناروں سے بہت آگے نکل آتی ہے

ہمارے اور تمہارے پاس اب پر یوں ہی نئی اور شیرازوں

سے بیٹھے ہیں

سنوآن بزمِ جیوں پہ آج ایسا لگتا ہے

کہ تم جس بات کے سننے کے امکان سے بھرکتے تھے

اب اس کے پتھر ہو

پلو پھر آج ان نوخیز لمحوں کی کھانسی پھر سے، ہر انہی

بتاؤ اپنی ساتھی لڑکیوں کے ساتھ ان بزمِ می پر کیا باتیں بناتی تھیں؟

بتاؤ کان میں کیا سن کے ہرے سرخ ہوتا تھا؟

بتاؤ کس بیاں پہ یک یک تم نکلتا تھیں؟

بتاؤ کون سی باتوں پہ لڑتی تھیں، کہاں پہ مان جاتی تھیں؟

بتاؤ اپنا سراقرا اور انکار میں کب کب بلاتی تھیں؟

بتاؤ اپنا سراقرا اور انکار میں کب کب بلاتی تھیں؟

ہمارے بچے یہ رشتہ جو مثلِ مجھ رہے

اب اس رشتہ میں تم کچھ آگئی اور معرفت کی

اور امیدِ بزمِ جیوں

یہ پختہ عمر جو ہے اس میں کتنی ساعتوں کی ساری رنگینی ملاو

تجربے اور دانش نے جو ہم سے ملو ہے بے ساختہ کو چھینا ہے،

واپس دلاو

قسم ان بزمِ جیوں کی، وقت کو چٹاؤ، اور جو دیکھنے سے رو کیا ہے،

سب دکھاو

سید رضی تھ

﴿یوگس مل بنوایا ہے﴾

مرہن سے تب میڈیکل کا یوگس مل بنوایا ہے
ہم نے اس کے ہاتھ میں پورے سوکے ٹوٹے تھما دیے
کپڑوں میں اس بڑے گھس کر ناک میں دم کر رکھا تھا
یہ مت سمجھو ہم نے تم کو ڈسکو مانی دکھایا ہے
ہم سے بڑھ کر اہل محلہ اس سے فیض اٹھاتے ہیں
ہم نے اپنے گھر میں نیلی فون مٹ لگوا دی ہے
چور ہوتے جب گھر میں داخل ہم نے شور مچایا تھا
اور ہمارے کچے ہم نے انگلیں گاڑ گئیں
ہم نے جب تھرانہ دے کر اس کے دل کو موم کیا
دفتر کے چڑی نے تب صاحب سے ملوایا ہے
میڈم نے بازار کو شاید شاپنگ کرنے ہانا ہے
اسی لیے میک اپ سے اس نے پیرے کو چھلایا ہے
حافظ شمس

﴿راجڑ صاحب کے نام﴾

یوں تو اور بھی ہیں میرے کالج میں تھکس اہباب
پہ ایک شخص کو دیکھا ہے بیٹھ سرسبز و شاداب
جب بھی ملتا ہے ان سے کوئی آپ بناب
ایسے کھل جاتے ہیں کہ جیسے ہوں کوئی دو گلاب
میرے اللہ تو ان کو سلامت رکھنا
تو ظاہر دے انہیں آج وہی آپ دو تاپ
وہ رہیں ان ایم ایم سی کی اور سی ایم کی
بخش دے ان کو تو رحمت بھی بنا کوئی حساب
محمد زاہد فرزا

﴿غزل﴾

تم جس پہ لکھ ڈالو اس دل کا خدا حافظ
نیل کا خدا جانے مقتل کا خدا حافظ
تو جو محفل میں تو محفل میں آ جاتی ہے جان
اور آخر محفل سے تو محفل کا خدا حافظ
ہم سزا ہو کوئی تم سا تو بھلا منزل کیاں
ہم کو پیارا ہے سزا، منزل کا خدا حافظ
افسر خان

﴿اب ہم سے رویا نہیں جاتا﴾

آج بحر سے بارش ہوئی میں
تھا بیت روایا
مجھے تھا دیکھ کر
بادل بھی بہت روایا
وہ بھی میری طرح
رات بحر نہیں سویا
میری طرح بادل بھی
رات بحر بیٹھا چلایا
اور بحر رات بحر بہت روایا
آج بحر وہ وقت یاد آیا
تب میں تھا ہوتا تھا
انکی یاد میں روتا تھا
رات بحر نہ سوچتا تھا
بحر خود ہی آنکھیں کھتی تھیں
اب بس بھی کر چکے
اب اور کھویا نہیں جاتا
اب ہم سے رویا نہیں جاتا
محمد زاہد فرزا

﴿غزل﴾

زندگی کے سفر میں کوئی بھی رست نہیں دیتا
زمین وقت نہیں ملتی فلک سایہ نہیں دیتا
خوشی اور دکھ کے موسم سب کے اپنے اپنے ہوتے
ہیں کسی کو اپنے مجھ کا کوئی لہر نہیں دیتا
لوہی جس کے دل میں ہو اسی کی نیند اڑتی ہے
کسی کو اپنی آنکھوں سے کوئی پہنہ نہیں دیتا
اٹھنا خود ہی جاتا ہے تنکا ٹوٹا ہن اپنا
کہ جب تک سانس چلتی ہے
کوئی کندھا نہیں دیتا
زاہد فرزا

﴿اسٹوڈینٹ غزل﴾

آئے میڈیکل میں تو پڑھا تو پڑے گا بھائی
قارما کی بیڑیاں چڑھا تو پڑے گا بھائی
لیکچر لکھتا ضروری ہے یہاں یہ جان لو
اب کتابیں اور قلم لینا تو پڑے گا بھائی
یہ ہے میڈیسن کا لیکچر اس کا خاصہ ہے یہاں
اب کچھ نہ آئے پڑھنا تو پڑے گا بھائی
کیٹھن پر رہنا ہی عادت تمہاری بن گئی
جب Short Attendance تو پڑے گا بھائی
یہ رشتا تو نے لکھے ہیں شعر و قلم میں تو بحر
نیل ہو کر امتحان بحر دینا تو پڑے گا بھائی
علی رضا

﴿غزل﴾

ترے مجھے ہیں کل شب قیام کس کا تھا
نہیں تھا یہاں تو اہتمام کس کا تھا
مجھے بڑا ایک گھڑی چوتھی رچیں آنکھیں
نہیں بتاؤ تو آخر وہ نام کس کا تھا
وہ جس کو سن کے بھی رو پڑے ہر محفل وہ
درد ناک سا آخر کلام کس کا تھا
وقار ہوش سے بے ہوش کر گیا ہم کو
وہ ہاتھ کس کا تھا ساقی وہ جام کس کا تھا
حافظ وقار حسین

﴿غزل﴾

یاد میں تیری پاگل ہر بار ہو گئے ہم
موسم وصل کے انتظار میں اٹھ بار ہو گئے ہم
رہا نہ جائے تم بن کیا کرینا اب
خود ہی دیوانگی میں لاچار ہو گئے ہم
بے وفائی نہ کی تو بحر وفا کب کی
وفا کر کے بھی غلط شمار ہو گئے ہم
پیارا رہی ہیں خاموشیاں ہر سمت عامر
ایسے میں آ جاؤ کہ بے قرار ہو گئے ہم

﴿غزل﴾

گر آج تیرے چہرے پہ نقاب ہوتا
تیرا چہرہ بادل میں پھنسا آدھا چاند ہوتا
رومانیت ہے تیرے رخِ نریا میں کچھ ایسی
ہو جاتا تم پہ جدا گر کسی ایک کا بھی دل پاک ہوتا
گل گل کے دیتے ہیں تیرے یہ کبرے نہیں
کھ دیا آج ان پر غزل کر میں کوئی غن ساز ہوتا
کرتا اپنے اشعار میں تیرے حسن کا چرچا
غزل کے ہر پاک شعر میں تیرے لبوں کو سلام ہوتا
بانگ تیرے حسن میں برکت کی اما
گر میں کوئی عابدِ مخلص دل سے ہوتا
سلیبی میرا نصیب بھی آج مجھ پہ رشک کرتا
گر میں اُن کے سر کا لا ڈوپہ ہوتا

عابدِ مسلم سلیبی

﴿غزل﴾

اک نظر دیکھ لے تیرا کیا جائے گا
میری رات میرا دن سہوہ جائے گا
تیرے حسن کا میں دیوانہ ہوں
تو شمع میں پروانہ ہوں
تو ہوتا تو یہ دل بھی مر جائے گا
اک نظر دیکھ لے تیرا کیا جائے گا
میری خاطر تو مجھ پہ یہ احسان کر
مجھے بھی اپنے دل کا یوں مہمان کر
تو تو مفرد ہے تو یہ کب جائے گا
تیرا عاشق یہ جان سے گزر جائے گا
دھیرے دھیرے یہ وقت بھی گزر جائے گا
میں بچتے ہیں کا تو بھی چھتے ہیں کا
اک نظر دیکھ لے تیرا کیا جائے گا
میری رات میرا دن سہوہ جائے گا

فیضانِ مہاسی

﴿تلاشِ خدا﴾

گناہوں سے لبریز ہونٹوں سے لگی یہ دُعا
اے میرے ربِ کریم تو ہے ذاتِ لا اِلا
لا اِلا لکھا تھا اک دن زباں سے
گناہوں کا سمندر بہہ گیا محبت کے طوقاں سے
ہم نے ذاتِ خدا سے ڈرتا سیکھ لیا
ہم نے اپنے نفس سے لڑتا سیکھ لیا
نظر سے اپنی رتوں کی ہرسات دیکھی
اپنے اندر میں نے میری ذات دیکھی
تلاشِ ہوں میں خدا کو حاش کرتا ہوں
رنگینیاں سے گرد آلود ہوں نور سے خود کو صاف کرتا ہوں
سوی کو کوہِ طود پہ اس ذات سے با کلام دیکھا
منا ہے جہاں خود کو آدمی کے میں وہ مقام دیکھا
حسنِ زندگی محبتِ خدا کی حتی
خاک کی سوچ کی یہی انتہا حتی

﴿غزل﴾

آج کوئی ایسا سوال کر دے
جو مجھے بھی ایسا جواب کر دے
نہ ہو مجھے پہنچنے میں کوئی تکلیف
جو ہو نہیں ایسا کوئی طالع کر دے
بہت نی چاہتا ہے آج پہنچنے کو میرا
ساقی اپنی آنکھوں کو آج جامِ کر دے
پہنچتی ہے دھوپ آنکھوں میں مجھے
ذرا زلف کو گھاہورِ شام کر دے
تم نہیں کسی مجھ سے جسمِ تیرا
دیکھ لے جو آنکھ بھرے اس کا کام تمام کر دے
کچھ ایسی پاکیزگی ہے اس کے نام میں ہمیشہ
سننے والے کو بھی صلابِ احترام کر دے

رازِ حبیبہ اقبال

﴿غزل﴾

دہلیس بھال ہوئیں تیرے آنے سے
خدا کرے کہ تو محلل میں صبح و شام آئے
میں جانتا ہوں، تو مجھ سے خفا ہے مگر
بھر بھی امید ہے شاید تیرا چلنا آئے
روزِ حسابِ دادِ محشر سے سامنا ہو میرا
بے اختیار زباں پہ تیرا ہی نام آئے
زندگی بھر تنہا رہی کہ سامنا ہو میرا
کاش میری بھی زندگی میں وہ مقام آئے
آج چیلنے میں گردشِ نفوسِ باقی ساقی
بھر تیرے ہندوں میں میرا نام آئے
خداات تو بہت ہیں گلے کے لیے خاکی
اپنے الفاظ کہاں جن میں میری شان آئے

ارتضیٰ احمد ناچ

﴿غزل﴾

دور حتی منزلِ مصافحت کا راستہ بھی اچھا تھا
جو تھا کبھی میرا سطر اس سے راستہ بھی اچھا تھا
اس کا رہنا میرا مٹا یہ فراق بھی اچھا تھا
کسی راستے کسی موڑ پہ تیرا فیصلہ بھی اچھا تھا
مجھے چھوڑ تو نہ جاؤ گے دم یہ بھی اچھا تھا
غیر کو اپنا سمجھنے کا جرم بھی اچھا تھا
انجبت محبت کا جرم ہوں احمد
میرا اعتراف جرمِ میرا سزا سنا بھی اچھا تھا

احمد خان مہاسی

﴿ غزل ﴾

مجھے معصوم چروں سے ڈر لگتا ہے
جو ہوں بہت قریب ان یاروں سے ڈر لگتا ہے
وفا داری کے عجب اصول ہیں یہاں
مجھے تو وفاداروں سے بھی ڈر لگتا ہے
بہت پر خلوص ہیں یہاں دشمن میرے
ایسے ہی دار دشمنوں سے مجھے ڈر لگتا ہے
جس کے ہاتھ میں کوئی سحر نہ ہو
مجھے اس دوست سے ڈر لگتا ہے
جہاں بھی اک حقیقت ہے محبت کی
مجھے اس حقیقتوں سے ڈر لگتا ہے
خلوص سے خالی ہیں جو صحبتیں ابتسام
مجھے ان بھٹوں سے ڈر لگتا ہے
رانا ابتسام

﴿ غزل ﴾

چراغِ شب کو جیسے آدمیوں اچھی نہیں لگتیں
کچھ ایسے ہی ہمیں خوش نہیں اچھی نہیں لگتیں
جنہیں سونے کے جگرے میں نڈا مل جائے چاندی
انہیں پھر مر مر آدابیاں اچھی نہیں لگتیں
وہ جن کے دل میں فصلِ غم ڈیرے ڈال رکھے ہوں
انہیں پھولوں پہ ٹہنی مہلتاں اچھی نہیں لگتیں
میرا دل چاہتا ہے انہیں آئینہ دکھلا دوں
وہ جن کو دوسروں کی خوبیاں اچھی نہیں لگتیں
صائم نعمان

﴿ بڑی دیر ہوگئی ﴾

بیکے ہوئے سر عام بڑی دیر ہوگئی
ساقی چاڑھے جام بڑی دیر ہوگئی
کبھی ہم پہ بھی وقت تھا پیٹتے تھے، چلاتے تھے
اب چھوڑے ہوئے یہ کام بڑی دیر ہوگئی
کیسے بھلا دوں تجھ کو، سائل کی ریت پہ
کھسے ہوئے جہا نام بڑی دیر ہوگئی
کیا تائیں سحر تجھے سورج کے ڈوبنے کا
دیکھے ہوئے کوئی شام بڑی دیر ہوگئی
احباب نے میری غنیمتیں بزار کیں
ہی بچے شباب بڑی دیر ہوگئی
دیکھے میرے گمراہ تو فرشتے پکار اٹھے
بہت ہو گیا حساب بڑی دیر ہوگئی
چلو نالہ آج انکے کوسٹے میں چلیں
ان کو کیسے سلام بڑی دیر ہوگئی

نالدہ ناز راجپوت

﴿ غزل ﴾

جیسے پھر ہاتھ میں خوشبو کے خزانے آئے
یاد پھرے مجھے گزشتہ زمانے آئے
میرے سائے بھی مجھے بھولے ہوئے ہیں شاید
ایک منہ سے نہیں دل دکھانے آئے
اور دلیر پر آجاتی ہیں یادیں لیکن
لوٹ کے پھر نہیں بچپن کے زمانے آئے
اب کے موسم نے بھی احسان کیا ہے مجھ پہ
یاد پھرے مجھے دوردہ اُنے آئے
خوب رکھا ہے وفا تھکا کا مجرم اُس نے حسن
کٹ گئے ہاتھ تو پھر ہاتھ ملانے آئے
سمیع مقصود

﴿ ”میں اور صحت“ ﴾

چلو آؤ اب موسم کا سرور پیئیں
تمام دوائیں بچوں کی ہتھی سے دور رکھیں
تم سے بٹنے کی اب کیا جھڑ کریں
طبیعت زیادہ ٹراپ ہو تو ڈاکٹر سے رجوع کریں
ہماری چاہت کا کچھ تو خیال کریں
سیرپ کو اچھی طرح ہلا کر استعمال کریں
دل میرا ٹوٹ گیا اٹھی جب اس کی ڈولی
مجھ دوپہر شام ایک ایک گولی
دل میرا عشق کرنے پر رضا مند رہے گا
جہد کے دن ٹھیک بند رہے گا۔
مہر فوجیہ

﴿ غزل ﴾

بچپن وہیں خوشیوں کی مٹیلیں
ہر خوشی تمہاری پاسبان رہے
تم زندگی میں اتنا خوش رہو
کہ ہر خوشی سے تمہاری شان رہے
دور دور تم سے دور رہیں
خوشیوں سے تمہاری بچپن رہے
میرے دل کی یہ دعا ہے حزل
کہ تمہارے چہرے ہمیشہ مسکان رہے۔
(آمین)

محمد حزل چاویہ

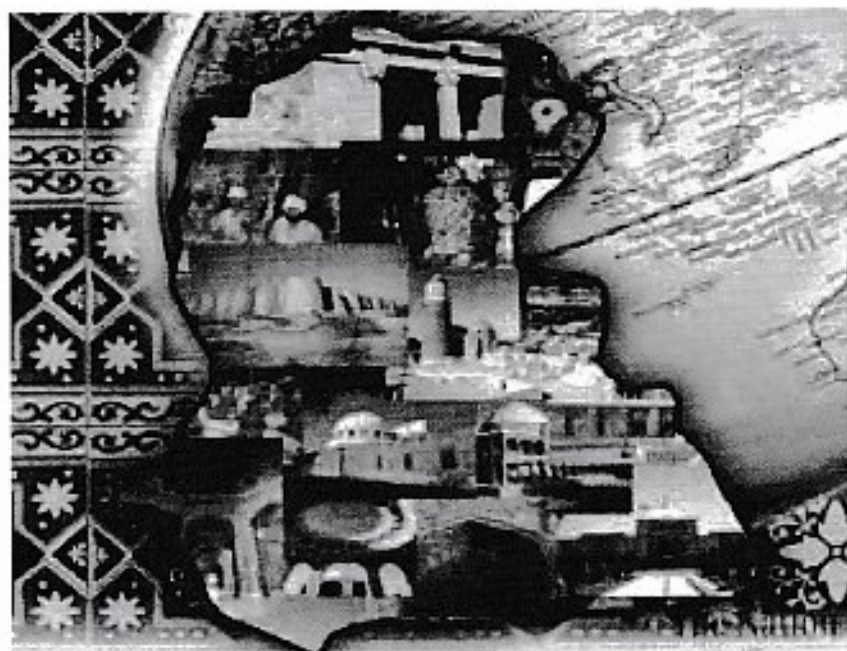
﴿ بچپن کی یادیں ﴾

ایلی کی گونا گوراج کے کندھے سے
نروڑ گار کی سوچ نہ زندگی کے پنگے
نیکل کی حرکت مستحیل کے پنے
لیکن.....

اب کل کی ہے فکر اور امور سے ہیں پنے
مڑ کر دیکھو تو بہت دور ہیں اپنے
مڑلوں کو احوال تے ہوئے کہاں کھو گئے ہم
کیوں اچھی چلدی بنے ہو گئے ہم
محمد ارسلان حیدر

مسیحا

سنڌي سيڪشن



MUAMMAD MEDICAL COLLEGE

MIRPURKHAS

مدیر نامو

زیر سربراہی

پروفیسر سید رضی محمد

سرپرست اعلیٰ

پروفیسر غلام علی میمن

مدیر

پروفیسر جی آر پرگڑی

نائب مدیران

عبدالخالق شر

زوهیب خواجا

هرست موضوع

نمبر شمار	موضوع	ليڪڪ	صفحہ نمبر
1	پير پاڳارو.....	زوهيب خواجه	4
2	ذوالفقار علي ڀٽو.....	توفيق احمد شر	7
3	تاريخ جو ڪتاب سنڌ صدين کان.....	يحيٰ الله سومرو	10
4	سنڌ جو روح.....	مير حسين ٽالپر	13
5	سچل سرمست.....	مير افضل خاصخيلي	16
6	ڪهاڻي ٺڳ.....	ڊاڪٽر جي. آر پرڳڙي	18
7	سنڌ جا عظيم صوفي بزرگ.....	ڊاڪٽر جي. آر پرڳڙي	23
8	لطيفيات.....	ڊاڪٽر جي. آر پرڳڙي	
9	شيخ اياز جي شاعري.....	شفيق احمد ڳورڙ	26
10	شاهه عنايت صوفي.....	ڊاڪٽر غلام مصطفيٰ يوسفائي	30
11	فلسفي جي ڪهاڻي.....	علي جوڳي	35
12	عمر مارئي جو داستان.....	اويس ڦل	41
13	ناول خاموش نگاهه.....	عبدالخالق شر	43
14	ڊگري فقط ڪاغذ جو ٽڪرو.....	ثناء الله عباسي	46
15	غزل.....	نبيل عثمان سومرو	48
16	غزل.....	نور صبا	49
17	شاعري شاه ڀٽائي.....	زرڪا مري	49
18	غزل.....	سوها شاه	50
19	شاعري.....	عبدالغفار ڪانهڙ	51
20	سر ڪيڏارو.....	محمد رضا لغاري	52
21	شاعري.....	شفيق احمد ڳورڙ	53
22	شاعري.....	وقار احمد ميمڻ	54
23	مزاحيه شاعري.....	زوهيب خواجه	54
24	گيت.....	سنمبل ميمڻ	55
25	غزل.....	ڊاڪٽر جي. آر پرڳڙي	56-57

پير سائين سيد شاه مردان شاه ثاني پير پاڳارو ستون

سهڙيندڙ - زوهيب خواجہ 3rd Year MBBS

حضرت پير سائين سيد شاه مردان شاه ثاني پير پاڳارو ستون حافظ عبدلقيوم مهر ذاتي زندگي ولادت حضرت پير سائين سيد شاه مردان شاه جن 22 نومبر 1928 مطابق 7 جمادي الاخرى 1347 هجري تي حضرت پير سائين سورهي بادشاه جي گهر پيرجو ڳوٺ درگاه شريف تي پيدا ٿيا.

نالو ۽ نسب حضرت سيد شاه مردان شاه ثاني سندن خانداني نالو آهي ، جيڪو سندن ڏاڏي شمس العلماء حضرت پير سائين ڪوٽ ڌڻي جي نسبت سان رکيو ويو، ۽ سيد سڪندر علي شاه سندن عرفي نالو آهي . پاڻ پنجن واسطن سان حضرت پير سائين روضي ڌڻي ۽ واسطن سان حضرت نبي ڪريم جن سان سلسلہ نسب ۾ ملن ٿا. پاڻ اٺن سالن جي ڄمار ۾ پنهنجي خانداني مرشد گهراڻي جي سجاده نشين سيد محمد شاه ثاني گيلاني جي هٿ ٿي بيعت ڪري سلسلي قادري ۾ شامل ٿيا. ٻين سلسلن ۾ نقشبندي ۽ سنوسي طريقن ۾ به سندن بزرگ بيعت هيا، پنهنجي خانداني روايت موجب اجازت صرف قادري طريقي جي ڏيندا هيا.

لقب ٻين پاڳاره بزرگن کي جيئن جماعت لقب ڏنا هئا ، ايئن پير سائين جن کي به جماعت ”چٽ ڌڻي“ جي لقب سان ياد ڪندي آهي ، جو پاڻ پنهنجي بزرگن جي مزار مٿان روضو تعمير ڪرائي مٿس سونو چٽ لڳرايو هو، محسن ملت ”جو خطاب به سندن سياسي ، مذهبي ۽ دفاعي خدمتن جي ڪري مليل هو.

تعليم ميان احمد فقير مهر گهوٽڪي واري ۽ استاد امام بخشن باقراڻي واري کين ابتدائي تعليم ڏني ، ان کان پوءِ سندن عظيم والد ماجد سورهي بادشاه جي گرفتاري سبب سڄو سلسلو رڪجي ويو، سورهي سائين گرفتار ٿيو ۽ سندن خاندان کي نظر بندي ڪري ڪراچي آندو ويو، 20 مارچ 1943 ع تي سورهي سائين کي شهيد ڪيو ويو، سندن صاحبزادن حضرت پير سائين سيد شاه مردان شاه ۽ ميان حزب الله شاه عرف نادر علي شاه کي تعليم جي بهاني علي ڳڙه آندو ويو، پير سائين جن جي بقول ته:

”ڪراچي مان اسان کي برقعا پارائي علي ڳڙه آندو ويو، اتي پهچڻ کان پوءِ اسان ڪيترن ڏينهن بعد آزاد فضا ۾ ساه کنيو، علي ڳڙه ۾ ٻي تعليم سان گڏ سندن

درخواست تي برطانوي حڪومت پراسيڪيوتنگ انسپيڪٽر صدرالدين کي قرآن پاڪ پڙهائڻ لاءِ مقرر ڪيو جيڪو ڪڏهن ڪڏهن اچي کين سبق ڏيندو هو، علي ڳڙهه ۾ ڪو خاص انتظام ڪونه هو، پوءِ 1946 جي جون مهيني ۾ سامونڊي جهاز ذريعي کين ليور پول (انگلينڊ) پهچايو ويو، جتي ڪنهن پبلڪ اسڪول ۾ داخل ڪرڻ جي بجاءِ هيرو جي ويجهو پندر Pinner نالي پهراڙي جي ڳوٺ ۾ هڪ ريتائڊ فوجي ميجر سي ڊيوس جي اسڪول ۾ داخل ڪيو ويو، اتي سندن ٽيوٽرمسٽر پلفورڊ ۽ نگران برطانوي پروفيسر ٽرنر هو. ان اسڪول جي شاگردن جو تعداد هميشه 10 - 12 ئي رهيو، ۽ اهي سڀ ڪيترن ئي ملڪن جي باغي اڳواڻن جي اولاد يا رشتيدار هئا، جن ۾ لائيلينڊ، روڊيشيا، آئس لينڊ، عراق، ايران ۽ حبشه (ايتوپيا) جا هئا. انهن مان حبشه جي بادشاهه ” هيل سلاسي “ جو ويجهومائٽ مسٽر ” زوڊي “ اسان جي ويجهو هو، اسڪول جو ايڏو ته سخت ماحول هو جو ڪنهن کي پنهنجي خاندان متعلق ڳالهائڻ جي اجازت نه هئي، ان اسڪول ۾ مضمونن جي چونڊ به شاگردن جي مرضي وٽان نه هئي، ايسٽائين جو امتحانن جي تياري دوران عيسائيت جو مضمون Divinity (خدائي) به پڙهايو ويندو هو، پاڪستان جي حڪومت ڦير ٿيڻ تائين اهو سلسلو هلندو رهيو، پوءِ مڌيا پرديش جي ڊاڪٽر رحمان جي توجه ڏيارڻ بعد حڪومت پاڪستان نوٽيس ورتو، ان کان کان پوءِ اهو ڪورس تبديل ڪيو ويو. انهيءَ سان گڏ کين لاطيني ۽ ميان نادر علي شاهه کي فرانسيسي جي تعليم ڏني ويندي هئي، پاڪستان اچڻ بعد مولانا مفتي تقدس علي خان بريلوي سندن اتاليق بڻيو، جنهن اسلامي تعليم ڏني.

نظر بندي سن 1942 ۾ سورهيه سائين جن کي انگريزن گرفتار ڪري ڪراچي آندو ۽ پويان سندن معصوم صاحبزادن کي گهروارن سميت حراست ۾ وٺي ڪراچي آئي، بندر روڊ تي ماما پارسي اسڪول جي ويجهو ميرخدا بخش ٽالپر جي بنگلي ۾ نظر بند ڪري مٿن پوليس جو پهرو لڳايو ويو. حضرت پير سائين جي بقول: ” ڪنهن سان ملڻ جي اجازت نه هئي، اسان سان گڏ جيڪي اسان جا چارپنج ملازم هئا انهن کي به ٻاهر وڃي ڪنهن سان ڳالهائڻ جي اجازت نه هئي، يعني اهي به اسان وانگي قيدي هئا، اسان سان گڏ ٻه مرد ملازم هئا، انهن مان هڪڙي کي اسان وڃڻ تي مجبور ڪيو ۽ وڏي مشڪل سان اهو ملازم راضي ٿيو، ڇاڪاڻ ته هو اسان کي ڇڏڻ لاءِ تيار نه هو. حقيقت ۾ اسان لاءِ اهو ڏاڍو مشڪل وقت هو. نظربندي کان سواءِ ڪافي ٻيون ڪافي تڪليفون هيون، اسان کي ڪنهن به قسم جي طبي امداد نه ڏني ويندي هئي، ان ڪري اسان ڪنهن به قصور ملازم کي انهيءَ مصيبت ۾ گڏ ڏسڻ نٿي چاهيو پر هنن اسان سان گڏ رهڻ کي اهميت ڏني انهن ڏينهن ۾ اسان جي

والد محترم پيرسيد صبغت الله شاه شهيد تي حيدرآباد جي جيل ۾ خصوصي مارشل
لا تحت مقدمو هلايو ويو ، کيس هليو ، انگريزن هن کي شهيد ڪرڻ جو فيصلو
ڪيو.

ذوالفقار علي ڀٽو

سهيڙيندڙ توفيق احمد شر 2nd Year MBBS

ذوالفقار علي ڀٽو تاريخ جو اهو هيرو آهي جنهن دنيا ۾ هڪ مثال قائم ڪئي هن پنهنجي دور ۾ سنڌ لاءِ ته ڪم ڪيو پر پوري مسلمان قوم لاءِ ڪم ڪيو هن مسلمانن لاءِ جيڪو سوچيو دشمن ٿورو به تائيم ڏين ها ته اهو مسلمانن لاءِ سپر طاقت کان گهٽ نه هجي ها

عظيم شخصيت، عظيم سياستدان ذوالفقار علي ڀٽو

مون ڌرتي ٽنهنجا ڏنگ ڏنا، مون تن جا لويل لڱ ڏنا، جن وڙهندي وڙهندي جان ڏني، سي وارا وير وڃائي ويا. (اياز)

ڀٽو خاندان — ڀٽو خاندان لاءِ چيو وڃي ٿو ته هي خاندان اصل انڊيا جي شهر جيسلمير راجستان جو رهاڪو آهي ۽ موجوده دور ۾ به هن خاندان جا ماڻهون انڊيا ۾ موجود آهن. ۽ انهيءَ خاندان مان هڪ شخص صحتيو خان نالي هجرت ڪري اچي موجوده لاڙڪاڻي ضلعي ۾ هڪ ڳوٺ ٻڌايو ۽ ان ڳوٺ کي آباد ڪيو اهو ڳوٺ پوءِ ڳڙهي خدا بخش جي نالي سان مشهور ٿيو ڳڙهي خدا بخش سر شاهنواز ڀٽي جي ڏاڏي مرحوم وڏيري خدا بخش جي نالي جي ڪري مشهور ٿيو سر شاهنواز ڀٽو (جناب ذوالفقار علي ڀٽو جو والد صاحب) — جناب سر شاهنواز خان ڀٽي 1888ع ۾ غلام مرتض خان جي گهر ۾ پنهنجي اک کولي. ۽ جڏهن پڙهڻ جي عمر کي رسيو ته کيس پنهنجي ڳوٺ ۾ پڙهڻ لاءِ ويهاريو ويو ۽ سر شاهنواز پرائمري تعليم ڳوٺ مان پوري ڪري پوءِ سنڌ جي مشهور تعليمي درسگاه سنڌ مدرسي ۽ تنهن کانپوءِ سينٽ پيٽرڪ اسڪول ڪراچي ۾ پنهنجي تعليم پوري ڪئي. سر شاهنواز خان پڻ هڪ ذهين شخص هو ۽ هن ننڍي عمر ۾ ئي ملڪ جي سياسي سرگرمين ۾ دلچسپي ورتي ۽ انهن ۾ حصو وٺڻ شروع ڪيو ۽ تقريبن 22 سالن جي عمر ۾ ضلعي لوڪلبورڊ لاڙڪاڻي جو ميمبر چونڊيو ويو سنڌ جي سائين محترم جناب سائين غلام مرتض شاه (جي ايم سيد) 1934ع ۾ سنڌ اندر هڪ سياسي جماعت تيار ڪئي جنهن جو نالو رکيو ويو سنڌ پيپلز پارٽي، ۽ ان سنڌ پيپلز پارٽي جو اڳواڻ جناب سر شاهنواز خان ڀٽي صاحب کي ڪيو ويو سر شاهنواز خان 1924ع ۾ (جڏهن سنڌ ۽ بمبئي گڏ هئي) بمبئي سرڪار ۾ وزير جي عهدي تي پڻ رهيو سر شاهنواز خان ٻه شاديون ڪيون

پهرين گهرواري مان کيس به پٽ امداد علي خان ۽ سڪندر علي خان پيدا ٿيا ۽ ٻئي گهرواري مان کيس ذوالفقار علي ڀٽو پيدا ٿيو جنهن جو اسين تفصيلي ذڪر هيٺ ڪنداسين. جناب سر شاهنواز خان ڀٽي 19 نومبر 1957ع ۾ لاڙڪاڻي ۾ وفات ڪئي. جناب ذوالفقار علي ڀٽو — محترم جناب ذوالفقار علي ڀٽي صاحب جو تعارف ڪنهن کان گجهو نه آهي، ڀٽي صاحب جو نالو ته ملڪ جو ٻچو، ٻچو ڄاڻيڻو پر ڪافي اسان جا نوجوان ڀٽي صاحب جي خانداني پسمنظر کان نا آشنا آهن، جڏهن ته ڀٽي صاحب تي ڪئين مضمون، نوٽ، ڪالم تاثر ۽ ڪتاب لکيا ويا آهن ۽ منهنجو لکڻ نه لکڻ برابر آهي مگر خبر ناهي ڇو دل زور ڀريو ته ممتاز تون به ڀٽي صاحب تي لک ۽ ڀٽي صاحب سان پنهنجي محبت جو اظهار ڪر. سو دوستو ان محبت جي ناتني هڪ تاثر لکڻ جي ڪوشش ڪريان ٿو. باقي توهان پڙهڻ وارن تي ڇڏيل آهي ته توهان کي اهو منهنجو لکيل تاثر ڪئين لڳو. دوستو ڀٽي صاحب جي هماليه جبل جيڏي شخصيت تي ته ڪو علم جو اڪابر ڪابل ۽ وڏو ڄاڻوئي لکي سگهي ٿو جنهن دنيا ڏٺي واهني هجي باقي مون جهڙو منڊي ماڪوڙي ڇا لکندو. ڀٽي صاحب تي ڪو تاثر لکڻ يا ڀٽي صاحب جي تعريف ڪرڻ ائين آهي جڏهن سچ کي ڏيڻو ڏيکارڻ. پر پوءِ به پنهنجي ڪوشش ڪريان ٿو بقول شيخ اياز ته (هي پنهنجي ڪرڻي ڀڙي آ) ڀٽو صاحب اسان جي سوهڻي سنڌ جو اهو سهڻو ۽ عظيم ليڊر آهي جنهن تي سنڌ کي هميشه ناز رهندو. سنڌ جي سائين محترم جناب سائين غلام مرتضه شاه (جي ايم سيد) صاحب جا هميشه جناب ڀٽي صاحب سان سياسي اختلاف رهيا، پر سيد صاحب هميشه اهو چوندو هو ته ڀٽي صاحب سان سياسي اختلاف پنهنجي جڳهه تي مگر مون کي، سنڌي قوم کي، ۽ سنڌ کي هميشه ڀٽي صاحب تي ناز رهندو. جو ڀٽي صاحب اهو دنيا ۾ مڃايو آهي ته سنڌي قوم هڪ ذهين قوم آهي. منهنجا ڪافي اهڙا دوست هوندا جنهن کي پڻ ڀٽي صاحب سان سياسي اختلاف هوندا (۽ مون کي ان تي ڪو به عراض ڪونهي هر ڪنهن کي اختلاف رکڻ جو حق حاصل آهي) ۽ سياسي مخالفين هوندا مگر اهي دوست پڻ ڀٽي صاحب جي مقناطيسي، منفرد انداز شخصيت ذهانت ۽ قابليت کان انڪار نه ڪري سگهندا. ڀٽو صاحب هڪ ذهين پر ڪشش حاضر دماغ ۽ دور انديش شخص هو. ڀٽي صاحب جا دور انديشي جا ڪيترائي مثال موجود آهن مگر انهن مثالن مان هڪ به هٿ ڏيڻ مناسب سمجهندس. جڏهن صدر ايوب خان جي آمريت جو خاتمو ٿيو ته ڀٽي صاحب ان وقت به اهو چيو هو ته توهان خوش نه ٿيو ته ڪو آمريت جو هميشه هميشه لاءِ خاتمو ٿئي ويو آهي مگر اڃان به آمريت جو خوف سر تي آهي ۽ اها پڻ حقيقت ثابت ٿئي جنهن جو شڪار ڀٽو

صاحب خد پاڻ ٿيو ۽ ايشاء جي بدنام ڊڪٽيٽر مڪار چالاق جرنل ضياء پتي صاحب جي عالمي دشمنن سان ملي ڪري پتو صاحب کي شهيد ڪرايو پيو پتي صاحب عراق جي تيل جي ڳالهه ڪئي هئي ته اتي به امريڪا جو قبضو ممڪن آهي ۽ اهيا ڳالهه به سو فيصد صحيح ٿي. جيڪا دنيا ڄاڻي ٿي. پتو صاحب هڪ سياستدان سان گڏ هڪ سٺو اديب ليکڪ ۽ مفڪر هو، پتي صاحب پنهنجي ايتري مصروفيت هوندي به ڪيترائي انمول ڪتات تصنيف ڪيا جنهن جي پڙهڻ کانپوء توهان اندازو لڳائي سگهو ٿا ته پتو صاحب ڪيڏو وڏو سياستدان، اديب ليکڪ ۽ مفڪر هو. پتي صاحب جي لکيل ۽ پتي صاحب تي لکيل ڪيترن ڪتابن جون لنڪون پڻ هت ڏيان ٿو تڪ توهان به پتو صاحب جي ڪتابن مان ڪجھ حاصل ڪري سگهو. ملڪ ۾ ڪيترائي ليڊر آيا ۽ ويا مگر پتي صاحب جهڙو ليڊر ڪو پيو نه آيو (بقول دادو شهر جي شاعر انور قمبراڻي ته — ليڊر لک هزار ته ڪوآسين ته ڪو ويسين پر پتي جهڙا ٻچا ڪو ماء نه ڄڻيسين — توهان پان ڏٺو هوندو ته مون جهڙا ڪيترائي نوجوان آهن جن پتي صاحب کي ڪڏهن روبرو به نه ڏٺو مگر پوء به اهي به پتي صاحب جي شخصيت جا ديوانه آهن. پتي ۾ عوامي ليڊر واريون خوبيون — پتو صاحب هڪ عوامي شخص ۽ عوامي ليڊر هو (اهيا پتي خاندان جي وڏي خوبي آهي جو هن خاندان جا ماڻهون هميشه عوام سان رهندا آهن پوء چو نه موت اچي ورائي محترم جي شهادت به عوام جي وچ ۾ ٿي. پتو صاحب عوام سان هميشه عوامي ٻولي ۽ عوامي انداز سان ڳالهائيندو هو. ۽ انهن ۾ رلي ملي ويندو هو ۽ هر ماڻهون کي ائين محسوس ٿيندو هو ته اسان جو ڪو پنهنجو گهر جو ڀاتي آهي. ا هيو شايد پتي صاحب جو ڀاڳ چئبو جو مرد عورتون ننڍا وڏا پوڙها ۽ ٻار کيس ساڳي محبت سان ياد ڪندا آهن، توهان ڏٺو هوندو ته سنڌ ۾ جيڪو ٻار اهيو به نه ٿو ڄاڻي ته سياست ڇا آهي حڪومت ڇا آهي پارٽي ڇا ٿيندي آهي، پر اهو ٻار به پيو چوندو آهي جيئي پتو. منهنجو والد صاحب..... غلام مصطفه وگهيو..... ٻڌائيندو هو ته هڪ دفع دادو شهر ۾ ٻوڏ آئي ۽ انهن ڏينهن ۾ پتو صاحب دادو ۾ ٻوڏ جي ستايلن سان ملڻ ۽ انهن جي مدد لاء آيو ۽ اسان ڏٺو ته مٿان مينهن پيو وسي ۽ هيٺان ٻوڏ جو پاڻي هو پر پتو صاحب ٻين ماڻهن سان گڏ انهي ٻوڏ جي پاڻي اندر بيٺو رهيو هو ۽ ماڻهن جا ڏک سور ٻڏي رهيو هو. ۽ اهي ئي شايد هڪ عوامي ليڊر جو خاصيتون هونديو آهن شايد پتو صاحب جي عوام ۾ مقبوليت جو مک سبب به اهيو هو

پتو جا جلوس جلسه ۽ عوام جو سمنڊ — شايد پتو صاحب اهو پهريون ليڊر هو جنهن جا ايڏا وڏا جلوس جلسه ٿيندا هئا ۽ پتي صاحب جي جلسي ۾ عوام جو سمنڊ

نظر ايندو هو توهان کي يقين نه اچي ته توهان پاڻ پڻو صاحب جي جلسن جون وڊيو ڏسي سگهو ٿا. پڻو صاحب اهو واحد ليڊر هو جنهن سياست کي بند ڪمرن مان ٻاهر ڪڍي کليل روڊ رستن تي آندو ۽ عوام کي ڳالهائڻ جو حق ڏنو ۽ شعور ڏنو.

تاريخ جو ڪتاب

سنڌ صدين کان

نصير مرزا

1982-11-28 ع

سهيڙيندڙ: يحييٰ الاهي سومرو

عظمت جي سڀني خاموش تماشائين وانگر، سنڌ به ڪيترين ئي تهذيبن کي قائم ٿيندي، وڌندي ويجهندي، تباهه ۽ برباد ٿيندي ۽ ٻين تهذيبن سان ملندي جلندي جو ڊگهو زمانو ڏٺو آهي. شايد ڌرتيءَ جي سمورن علائقن جي اها ئي آکاڻي آهي، پر انساني تهذيب ۽ تمدن جي تاريخ، ڪٿي به ايتري بلندي يا اوج تي ڪين پهتي، جيتري دنيا جي هن حصي ۾ رسي هئي. انهيءَ ڪري ئي اسان کي سنڌو ماڻهي جي هن صوبي جي هن قديم ترين تهذيب تي فخر آهي، جيڪا اڄ به ايتري ئي اچي اجري ۽ نج نبار آهي، جيتري قديم زماني ۾ هئي. موئن جي دڙي جي رهاڪن جي صاف سٿري رهائش ۽ مهذب شهري تمدن تي علم الانسان جي ماهرن توڙي تاريخ جي شاگردن کي حيرت ۽ تعجب آهي — ڇاڪاڻ ته انهن بابت اڃا تائين پوريءَ طرح خبر نه پئجي سگهي آهي ته اهي ڪير هئا، پنهنجي زندگي ڪيئن گهاريوندا هئا، سندن ڪرت ڪاروبار ڪهڙو هو ۽ ڪهڙي ٻولي ڳالهائيندا هئا، ڪهڙن ملڪن سان سندن ڌرتي لپتي ۽ وڻج واپار هو ۽ آخرڪار ايڏي مڪمل تهذيبي ۽ تمدني نظام جو انت ڪيئن ٿيو، ان کان سواءِ، سنڌ جي تاريخ جا ٻيا به ڪيترا ئي اهڙا دور آهن، جن بابت تمام گهٽ معلومات ملي سگهي آهي. اسان جي تاريخ جا، اهڙا خال آهن، جيڪي اڄ

تائين پرڄي نه سگهيا آهن. سنڌ جي تاريخ تي، اهم ۽ بنيادي دستاويز ”چچ نامون“ موجود آهي، پر ان جو به اصلي ماخذ موجود ناهي. انهيءَ زماني کان وٺي، تاريخ لکجي پئي، پر ان جو وڏو ڀاڱو افسانوي انداز جو آهي. اهو ئي ڪارڻ آهي جو اسان جي تاريخ ۾، انهيءَ زماني جي سماجي، اقتصادي ۽ سياسي حالتن ۽ انهن جي عروج ۽ زوال جي نهايت معمولي جهلڪ ملي ٿي.

”سنڌ، صدين کان“ سيمينار جو مقصد ئي اهو هو ته هن خطي جي تاريخي، ثقافتي ۽ تهذيبي روايتن کي ميڙي چونڊي، مرتب ڪري، انهن علمي خيالن سان بحث ڪجي ۽ خاص طور تي انهن عالمن جو ڌيان، پاڪستان ڏانهن ڇڪائجي، جيڪي انهيءَ ميدان ۾ ماهر سمجهيا وڃن ٿا. انهيءَ سيمينار وسيلي سنڌ جي مطالعي ۽ ان کي سمجهڻ جي ڪوشش ڪئي وئي، ۽ دنيا کي ٻڌايو ويو ته سنڌ خطو، جيڪڏهن وڌيڪ نه ته، تڏهن به ايترو شاهوڪار ضرور آهي، جيترا نيل ندي ۽ بابل جا خطا هئا، ڇاڪاڻ ته هن خطي ۾ نه رڳو قديم انساني تهذيب اُسري، پر ان جا اڳاٽا مدفن به هن ئي خطي ۾ موجود آهن.

سنڌ تي ٿيل تحقيق تي جيڪڏهن اڃا تري نظر وجهبي ته معلوم ٿيندو، اڪثر محققن، هن علائقي جي تاريخ مان روايتي نموني ۾ استفادو ڪيو آهي. اهو تاريخ سان انصاف نه ڄڻو. نتيجو اهو نڪتو آهي ته هن دور جو پڙهندڙ، انساني ارتقاء جي تاريخ ۾ دلچسپي رکڻ جي باوجود، پنهنجي تجسس جي اُچ پوري طرح سان اجهائي نٿو سگهي. اسان جي ماضيءَ جا يادگار، يقيناً اسان جي پوري طرح سان اجهائي نٿو سگهي. حال جي پيڙهه تي، آئندي جي تعمير ڪئي فڪر ۽ سوچ لاءِ سنگ ميل آهن. ان جي پيڙهه تي، آئندي جي تعمير ڪئي وڃي ٿي ۽ ان ڏس ۾ ماضيءَ جي گهرائين تائين پهچڻ به نهايت ضروري آهي، جنهن جا پرزم وانگر سوين بدلجندڙ جادوئي رنگ آهن. انهن رنگن جي جادو سان انساني اک کي روشناس ڪرائڻ هن وقت جي اهم ضرورت آهي. انهيءَ سلسلي ۾، هر مؤرخ ۽ محقق جو نڪتو نظر جدا ۽ پنهنجي پنهنجي فڪر تي مبني هوندو آهي، پر ٿي پئي اهي سمورا دانا انسان ذات جي آئنده کي نئين رخ ڏيڻ جا خواهشمند يقيناً رهندا آيا آهن.

ڌرتيءَ جو داستان، سنڌ جي تاريخي سفر جي ڪهاڻي، انساني تهذيب ۽ تمدن جي پيڙهه — سنڌو ماڻهي، ۽ سنڌ، صدين کان جو تاريخي پس منظر، هن

ڪتاب جو مکيه نقطئه نظر آهي. هن ڪتاب ۾ شامل مقالا ڏيهي توڙي پرڏيهي عالمن جي مطالعي ۽ ڄاڻ جو بهترين نچوڙ آهن، اهو فيصلو آئنده جي محققن تي آهي، ته جديد دور جي تنقيدي روين جي معيار تي هي مقالا ڪيتري قدر ڪامياب ثابت ٿين ٿا.

ثقافتي تاثرات سدائين جيئرا جاڳندا رهيا آهن، اهي اهڙن روين ۾ ملوث نٿا ٿين، جيڪي وقتي هوندا آهن، يا اڳ گذري چڪا آهن، پر اهي زندگيءَ جا سڄا ردعمل هوندا آهن؛ اهي ردعمل زندگيءَ جي طويل پس منظر، تجربن ۽ ان جي معروف قدرن جي روشنيءَ ۾ تبديل ٿيندا رهندا آهن. انهيءَ لحاظ سان اهي ڄڻ انساني حياتي جا سڄا تاثرات بنجي ويندا آهن. وچور بدلجي سگهي ٿو، پر ان جي بنيادي حيثيت ساڳي رهي ٿي، خواه اها تبديلي قابل قبول هجي، يا انتهائي حد تائين پکڙيل، انهيءَ جي باوجود، اها مٿ ست پنهنجي پر ۾ پنهنجي جدا رنگ ۾ رڳيل رهندي آهي.

هن ڪتاب ۾ شامل مقالن جو انگريزي ڇاپو شايع ٿي چڪو آهي، ۽ هيءُ انهن جو سنڌي ترجمو آهي، جيڪو شاه عبداللطيف ڀٽ شاه ثقافتي مرڪز طرفان ڇپجي پڌرو ٿي رهيو آهي. ڀٽ شاه ثقافتي مرڪز جي تحقيق جو بنيادي مرڪز، شاه صاحب جي ڪلام ۽ پيغام لاءِ آهي، پر رسالي جي تاريخي پس منظر ۽ سنڌ جي سماجي نظام کي بهتر طور سمجهڻ لاءِ اسان هن ڪتاب کي شايع ڪرڻ جو بار پنهنجي ذمي ڪيو، اسان کي يقين آهي ته اسان جي هن ڪوشش کي سنڌ جي تاريخ ۽ ثقافت خواه ادب سان دلچسپي رکندڙ حلقا تحسين جي نظرن سان ڏسندا.

سند جو روح

سهيڻدڙ مير حسين ٽالپر

اڳاٽي هندستان جي ننڍي کنڊ - جنهن کي سياسي ورهاڱي کان پوءِ پاڪستان ۽ ڀارت چيو وڃي ٿو - اتي جي زندگيءَ ۾ انسانيت جي پراڻي تاريخ موجب فقط ٻه ثقافتي اڪائيون معلوم ٿين ٿيون ۽ اهي آهن 'هند' ۽ 'سند'.

'سند جو روح'، جنهن بابت مان هن مقالي ۾ ڳالهائڻ گهران ٿو، تنهن جو انهيءَ ناقابل محسوس وسيع ميداني علائقي سان لاڳاپو آهي، جنهن کي هندوستان چيو ويندو هو ۽ قديم تاريخ ۾ ان کي چڱڪ پنهنجي خاص انفرادي حيثيت هئي. اها حقيقت آهي ته قديم هندوستان پنهنجي ليکي هڪ وسيع خطي ۾ هن دنيا وانگر هو. اهو ٻي دنيا کان گهڻن ٻيلن ۽ دائمي برف باري سببان چمڪندڙ اوچين چوٽين وارن جبلن جي ڪري جدا هو ۽ اها پهاري ديوار مڙيل ڪمان وانگر بلوچستان کان هلندي برما جي مٿان ٻيلن واري ماڻن تائين پهتي ٿي. Amaury de Reinecourt چوي ٿو ته: "هڪ قسم جي ذهني ڌنڌ سببان دنيا جي هن حصي جي پراڻي تاريخ پوشيده رهي ۽ هاڻي به جزوي طور تي ان بابت معلومات حاصل ٿي آهي." هاڻي اسان کي معلوم ٿيو ته اٽڪل پنج هزار سال اڳ جديد سند ۽ پنجاب جي ايراضيءَ ۾، يعني هيٺاهين سنڌو ماڻهي جي وسيع ۽ آباد ميدانن ۾، جتي گهڻي برسات ۽ گهڻا جهنگ هوندا هئا، هڪ ڀرپور تهذيب مستحڪم بنيادن تي قائم هئي. هڙاپا تهذيب واري دور جي شائسته ۽ معقول آباديءَ لاءِ عمارتي ڪاٺ جا اڻ کٽ ذخيرا موجود هئا. هن عظيم تهذيب کان اڳ واري تمدن بابت اسان کي گهڻو ڪجهه معلوم ڪونهي، پر اهو بلوچستان جي ننڍين ماڻهن واري وسيع علائقي ۾ ڦهليل هو؛ ڪوٽيا، آمري، نل، ڪلي ۽ زوب، انهن مان ڪي اهم هنڌ آهن، جتان قديم آثارن جي دريافت سان معلوم ٿو ٿئي ته اهي شايد قديم يونان وانگر جدا جدا سياسي اڪايون هيون، جيڪي هڪ مشترڪ ثقافتي ترقيءَ جي رستي ۾ پاڻ ۾ مليل هيون. سياسي مرڪزيت ۽ يڪسانيت ۽ اشتراڪ جي لاءِ بلوچستان جو جابلو ملڪ ناسازگار هو. تحريري تاريخ ۾ جيئن ٿيندو آيو آهي، تيئن نئين تهذيب لاءِ ضروري هو ته ان جي

سرگرمين جو مرڪز لاڳيتي ايراضي ۾ منتقل ڪيو وڃي؛ سنڌو نديءَ جي وسيع ميداني علائقي ۾، جتي انهن تهذيبي خوبين جي وڌڻ ويجهڻ لاءِ وڌيڪ سازگار طبعي ۽ سياسي ماحول ملي سگهي.

ساڳئي مصنف وڌيڪ لکيو آهي ته: ”مسيح جي ولادت کان ٽي هزار سال اڳ، اتر اولهه هندوستان ۾ هڪ وڏي هممه گير سلطنت ڏسڻ ۾ اچي ٿي، جنهن ۾ موجوده بلوچستان، هندوستان ۽ پنجاب جا وڏا حصا شامل هئا. هٿ آيل شهادتن جي بنياد تي چئي سگهجي ٿو ته مضبوط مرڪزيت ڪارفرما هئي، جنهن جو پيداوار ۽ ورهاست جي ذريعن تي مڪمل ڪنٽرول هو ۽ شايد ٽيڪسن جو نظام پڻ نهايت مستعد ۽ اثرائتو هو. گاديءَ وارا ٻئي شهر (اتر ۾ هڙاپا ۽ ڏکڻ ۾ موئن جو دڙو) مشترڪ رٿابندي موجب بڻايا ويا ۽ گهڻو ڪري ٻئي حڪومتون همعصر هيون؛ جيتوڻيڪ حڪومت جي مرڪزن جي هڪٻئي ۾ تبديليءَ جو نمايان امڪان آهي.“

ونسينٽ اي، سمٿ موجب حضرت مسيح جي ولادت کان پنج سؤ سال اڳ جيتوڻيڪ هندوستاني سلطنت جون صحيح سرحدون معلوم ڪري نٿيون سگهجن، تنهن هوندي به اسان ڄاڻون ٿا ته اهو ملڪ آريا (هرات) اراڪوسيا (قندار) ۽ گنداريا (اتر اولهه پنجاب) کان جدا هو. تنهن ڪري چئي سگهجي ٿو ته ان ۾ ڪالاباغ کان سمنڊ تائين سنڌو نديءَ وارو علائقو شامل هو، جنهن ۾ سڄي سنڌ ۽ سنڌو نديءَ جي اوڀر ۾ پنجاب جو گهڻو حصو اچي وڃي ٿو. پر ٻه صديون پوءِ، جڏهن سڪندر هن ملڪ تي حملو ڪيو، تڏهن ايراني سلطنت ۽ هندوستان جي وچ ۾ سنڌوندي سرحد هئي، ۽ پنجاب ۽ سنڌ ۾ گهڻي ئي مقامي شهزادا حڪومت ڪري رهيا هئا. آڳاٽي زماني ۾ درياهن جا وهڪرا، اڄڪلهه جي وهڪرن کان گهڻو مختلف هئا، ۽ سنڌ ۽ پنجاب جا هاڻي ويران ۽ بيابان وسيع علائقا، ان وقت سرسبز ۽ شاداب هوندا هئا.

برصغير جي پراڻي تاريخ جي اڀياس مان معلوم ٿو ٿئي ته پاڪستان جو موجوده علائقو، ٽلهي ليکي اهو ساڳيو مشترڪ ثقافتي اڪائيءَ وارو علائقو آهي، جيڪو صدين کان سنڌ جي نالي سان مشهور آهي. علم طبعي موجب ان حقيقت جو اظهار گهڻن ئي نمونن ۾ ٿيو آهي، پر بنيادي طور مشترڪ تمدن ۽

تہذیبی روایتن ۾ یکسانیت انہی، تاریخی تسلسل کی آشکار کیو آھی،
 جیکو آدرشی زندگی ۽ انسانی ذہن جي عمل ۾ جاری رہیو آھی. 'انڊیا' جو
 لفظ یونانین جو ڏنل آھی، جیکو ظاهر آھی تہ قدیم ریاستن کان مستعار ورتو
 ویو، پر ایرانین خود اهو لفظ خاص طور انہی، میدانی علائقی لا، استعمال
 کیو، جنهن کی سنڌوندي سیراب ڪري ٿي. چینی سیاح هیون ٿیسنگ، جنهن
 644-630ع ۾ انڊیا جي گهڻو ڪري هر هڪ حصي جي ياترا ڪئي - تنهن جو
 چوڻ آھی تہ انڊو جا ماڻهو پنهنجي ملڪ کی مروج بولین موجب گهڻن ئي نالن
 سان سڏیندا آهن. متحدہ هندوستان جو قیام، هن برصغیر جي تاریخ ۾ پوءِ جو
 واقعو آھی. ظاهر آھی تہ اڳاٽي زماني ۾ هن وسیع میدانی علائقی جي اهر
 ضلعن کی پاڻ ۾ ملائي انهن تي ڪنهن نالي رکڻ واری ڳالهہ جو تعلق علم
 الانسان جو مسئلو آھی ۽ ڇاڪاڻ تہ 'انڊیس' یا 'انڊس' تي اهي علائقا آباد هئا،
 ان ڪري انهن تي نالو به اهڙو پيو. 'سنڌ' ۽ 'هند' جا هڪجهڙا صوتي مادا آهن
 ۽ انهن ۾ فرق فقط شروعاتي اضافي حرفن جهڙوڪ 'س' ۽ 'هه' جو آھی.
 سنسڪرت ۾ 'س' جو شروعاتي اضافي حرف سڀني یا چڱي جي معنی ۾ ڪتب
 ايندو آھی، جيئن سوگڻ يعني انسان جو چڱو عمل. تنهن ڪري ظاهر ٿيو تہ
 برصغیر جو اهو حصو، جنهن کی آخرڪار 'سنڌ' سڏيو ویو، تنهن تي اهو نالو
 سنڌونديءَ جي پاڻيءَ جي میناج سببان پيو. جيڪي به شاهديون موجود آهن، تن
 موجب اهي ٻاهريان ماڻهو وچ ایشیا کان آیا ۽ هندوستان جي اتر اولهہ سرحد پار
 ڪري سنڌو ماڻھو ۾ داخل ٿیا ۽ انهن کی سنڌونديءَ جو پاڻي منو لڳو. آرين کان
 اڳ میدانی علائقن ۾ رهندڙ ماڻهن تي هنن ٻاهران آيل ماڻهن فتح حاصل ڪئي
 ۽ خوشحال زندگی گذارڻ لڳا، جنهن سببان هن علائقی ۾ تہذیب ۽ تمدن
 معیاري ترقي ڪئي. ان ڪري سنڌوندي جڻڪ اهو اولین بنیادي مرکز آھی،
 جنهن جي چوڌاري مختلف تمدن، تہذیبون، مذہب، سیاسی دشمنیون ۽ فوجی
 فتحن گردش ۾ پئي رهیون، جنهن ۾ متوقع تاریخی واقفیت ۽ ترنم جو خاص
 اجتماع ڏسڻ ۾ اچي ٿو.

سچل سرمست

سخن جو شہسوار ۽ عاشقن جو علمبردار

سہڙيندڙ مير افضل خاصخيلي 4th Year MBBS

‘شيخ شهاب الدين فاروقي’ پنهنجي ڏاڏي حضرت عبدالله بن عمر جي وفات کان پوءِ حجاز مان هجرت ڪري عراق ۾ اچي آباد ٿيو. عربن جي سنڌ فتح ڪرڻ وقت هو هڪ پلتن جي سپهه سالار جي حيثيت ۾ سنڌ ۾ وارد ٿيو. جيئن ته پاڻ حضرت عمر فاروق جي خاندان مان هو. تنهنڪري کيس ‘فاروقي’ ڪوٺيو ويندو هو. سيوهڻ کي فتح ڪرڻ کان پوءِ هو سيوهڻ جو گورنر بڻيو ۽ ٻه سال حڪومت ڪري سنه 95 هجريءَ ۾ فوت ٿي ويو. شيخ شهاب الدين فاروقي هندوستان جو پهريون مسلمان حاڪم ليکيو وڃي ٿو.

شيخ شهاب الدين فاروقي وفات کان پوءِ سندس فرزند شيخ محمد فاروقي (وفات سنه 144 هجري) ۽ هن کان پوءِ هن جو پٽ شيخ محمد باقي (باقر)، تنهن کان پوءِ ان جو پٽ شيخ عبدالطيف ۽ ان کان پوءِ ان جو پٽ شيخ محمد اسحاق سيوهڻ تي لڳاتار حڪومت ڪندا رهيا. اهڙيءَ طرح هن فاروقي خاندان جي سيوهڻ تي برابر سوا سؤ سال کن يعني 617 هجريءَ تائين حڪومت رهي. سندن آخري حاڪم شيخ محمد بن شيخ محمد اسحاق فاروقي هو، جنهن کي سلطان محمود غزنويءَ لاهي سندس وظيفو مقرر ڪيو. شيخ محمد فاروقيءَ رمضان سنه 221 هجريءَ ۾ وفات ڪئي. سندس خاندان سيوهڻ مان خداآباد ۽ خدا آباد کان ٿرپارڪر هجرت ڪئي.

ڪافي مدت کان پوءِ شيخ محمد فاروقيءَ جي اوڻيهين پيڙهيءَ ۾ هڪ غير معمولي شخص پيدا ٿيو، جنهن جو نالو هو مخدوم نور الدين. پاڻ وقت جو جيد عالم ۽ وڏو فاضل شخص هو. سندس علم ۽ عمل، فضل ۽ ڪمال جي ڏاڪ سڄيءَ سنڌ ۾ مڃي ويئي. مخدوم نور الدين جو شجرو شيخ محمد فاروقيءَ سان هن طرح ملي ٿو:

مخدوم نورالدين ولد مخدوم رضي الدين ولد مخدوم عبدالعزيز ولد مخدوم محمود ولد مخدوم ابو الفتح ولد محمد اسماعيل ولد محمد يوسف ولد سليمان ولد محمد ولد ابو سعيد احمد ولد برهان الدين ولد عبدالعزيز ولد عبدالوهاب ولد عبدال مطلب ولد برهان الدين ولد احمد ولد عبدالله ولد يونس ولد شيخ محمد فاروقي.

مخدوم نورالدين کي چار پٽ ڄاوا، جن مان ٻن جڻن مخدوم ابو سعيد ۽ مخدوم بدرالدين علم و فضل ۾ وڏو ڪمال حاصل ڪيو. مخدوم ميان ابو سعيد ڪنهن سهوليت سانگي لڏي اچي رائيپور جي ڀر ۾ ويٺو. هن بزرگ جو مقبرو رائيپور ۾ موسيحي (جنهن کي اڄ ڪلهه گڏيجي ٿو سڏيو وڃي) نالي جاءِ تي آهي. قاضي علي اڪبر درازيءَ جو چوڻ آهي ته بادشاهه پير عبدالقادر جيلانيءَ کي آخري فيض خواجه ابوسعيد کان عطا ٿيل هو. پاڻ خليفه جمار جي ذريعي شيخ بهاء الدين زڪريا ملتانيءَ جو مريد بڻيو. تنهن کان پوءِ خيرپور جي حاڪم مير سهراب خان (وفات سنه 1830ع) جي اهلڪار جي حيثيت ۾ هن خاندان جي هڪ فرد نالي ميان احمد کي سندس وفاداريءَ جي عيوض وڌيڪ زمينون عطا ٿيون.

مٿي ذڪر ڪيل مخدوم ابوسعيد جي نائين پيڙهيءَ ۾ خواجه محمد حافظ عرف ميان صاحبڏنو (عرف جدم مشتھر صاحبڏنو، اسم محمد حافظ ست برآستہ سچل) سنه 1101 هجريءَ ۾ پيدا ٿيو. خواجه صاحب، شاهه عبيدالله قادريءَ جو طالب بڻيو. ياد رهي ته هي شاهه عبيدالله، ان شاهه عبدالملڪ جو ڀاءُ هو، جنهن کان شاهه عنايت شهيد جهوڪ واري فيض حاصل ڪيو هو.

شاهه عبيدالله، بادشاهه پير شيخ عبدالقادر جيلاني بغداديءَ جو پڙ پوٽو ٿيندو هو، جيڪو پنهنجي ٻين ٽن ڀائرن هرهڪ: شاهه ڪليم الله، شاهه عبدالملڪ ۽ شاهه عبدالعزيز سان گڏ سنڌ ۾ آيو هو. انهيءَ روايت موجب شاهه عبداللطيف ڀٽائيءَ جو تڙ ڏاڏو شاهه عبدالڪريم بلڙيءَ وارو شاهه ڪليم الله جو مريد ٿيو هو، ۽ جيئن مٿي ڄاڻايو ويو آهي، شاهه عنايت صوفي جهوڪ وارو شاهه عبدالملڪ جو مريد بڻيو. شاهه عبيدالله جي تعريف ۾ سچل سائين ٿو فرمائي:

شاهه عبيدالله اسانڌا خواجه پيران پيران،
آل نبي، اولاد علي هئي حضرت ميران ميران

سچل سائين، جو ڏاڏو خواجه محمد حافظ عرف صاحبڏنو فقير هڪ ڪامل
درويش هو ۽ ”موراڳي“ جي لقب سان مشهور آهي. سندس ٻه شعر هيٺ ڏجن ٿا.

1. ڪي ٻڌڻ سان پئجي ويا، ڪي چريا منجهه چاهه،
صاحبڏني جي ساهه، سارا ورق ورائيا.
2. ڪنهن جو نينهن نهر سان، ڪنين دٻايا درياهه،
صاحبڏني جي ساهه، آهي سمنڊ سمائيو.

ميان صاحبڏنو موراڳي پهرين ميرن جي ملازمت ۾ هو، پر اڳتي هلي
دنيا کان تارڪ ٿي ويو. لوڙهو هڻائي، هڪڙي ڪپڙ جي هيٺان گوشه نشين ٿي
ويهي رهيو. سندس اهو لوڙهو درازن جي درگاهه شريف لڳ چوڌاري اڃان تائين
رهندو اچي، جنهن جي مرمت خواجه صاحب جي خاص مريد ”چانيهين“ فقير اچن،
ڪهڙن واري جو اولاد ڪرائيندو اچي. خواجه صاحب کي ٻه فرزند ٿيا:
ميان عبدالحق پهريون (ولادت 1120 هجري).

ڪهاڻي ٺڳ

ڊاڪٽر جي آر ڀرڳڙي

هو هڪ وڏو ٺڳ هو، پهرئين نمبر جو، اصل ۾ ٺڳي ۾ هن سان ڪير به
ان سان نه پهچي سگندو، هن جي دغا، ٺڳي، فريب، حرامخوري ۾ اصل ڇا ڳالهه
ڪجي، هن جو ڪو جواب نه آهي. هو ڳوٺ اچي ته صفا شريف لڳو گهمندو
وتندو، جڏهن شرافت بس هن تي ختم.

ائين وتندو هو گهمندو چڻ زمين هن جي پي جي ورتل هجي، مڇون وڌيون، اڪيون اندر، چالاک، چُست، شڪار تي ائين نظر هوندي هيس جو آيو نه آهي ڦاڻو نه آهي، سندس اڪيون ائين شڪار کي گولينديون هيون جيئن ٿري ماڻهو اٿي جي لپ لاپ ميرپورخاص جي گهٽين ۾ رڻندو وڌي، يا دادو وارو ڪوٻوڙ متاثر ماڻهو اي ٿي ايم جا چڪر ڪاٽي ڪاٽي ليڪن پيسن جي چڪر مين انتظار ۾ هجي، ڳلو ڪليل، سونو لاکيٽ، شينهن وانگر وڌي گهمندو. هتي ڪو به ٺڳي جو ڪم نه ڪندو، سائين جي چيل سنهي، سينو ويڪرو، ڪلهيا ٻيا، ائين اچي هوٽل تي ويهندو هو چڻ سائين جن جو ورتل هجي، باقي سڀ ڪجهه سائينجن جو ورتل هجي، ٻيا سڀ هن جا قرضي هجن، ادا متا ڪجهه پيسا ڏي نه تنهجي لاءِ اي ٿي ايم ڪارڊ جو ٽوڪن وٺي ٿو اچي ڏيان، اصل ۾ سائينجن کي ڪرائي لاءِ پيسا پيا ڪين، پيسا ڪٿي ٿيو لاما، اچي نڪتو گول بلڊنگ، چڙهيو بس ۾ هن چڪر حڪيم ٿي دوا لاءِ هوڪو ڏنو هي دوا جو استعمال آمريڪا، برطانيا مين ٿندو اٿو، اسان جي حڪيمن جي ڪهڙي ڳالهه ڪجي، انگريزن کي پوئتي ڇڏي آيا آهن، ڪهڙي ڳالهه ڪجي دوا جي ادا، امان، ڀيڻ دوا ڪم نه ڪري پيسا واپس، انهن بسن تي پيا ٿا هلون، ويه روپيا، ويه روپيا، ويه روپيا.

همراه لٿو بهار ڪالوني اسٽاپ تي پيسا وٺي جو ڳڻي ته تمام گهٽ هجن، همراه ڏٺو به همراه، هڪ عورت، ٻه ننڍا ٻار، اچي سائين انهن کي حوالن ۾ غم ڪري انهن جو هر تر ڪٿي وٺي ٿو پڇي، بهار ڪالوني ۾ هڪڙي ڳالهه آهي ته روج راڙي تي اچي سڀ گڏ ٿيندا آهن، ستالين جو وٺي رڙيون ڪيون، اچي ٺڳ کي جوتن سان ورتون جو وڃي ٿيا ست خير.

پادرن کان پوءِ همراه ڪٿي گو هي ڪئي، سيوهڻ شريف ڏي، هتي اچي همراه ملنگن وانگر ڪارا ڪپڙا پاتا، وار به وڏا، ڪڙا ڪُنڊا، چڙا، پيرن ۾ گهنڱهرون، هڪ پاڻ تيل جو وارن کي لڳائي، ملنگ بابا سڏجن لڳو، علي،

علي، علي، علي بابا پيڙا پار، همراه دل تي رقص اهڙو ڪندو آهي، ڏسندڙ حيران، پريشان.

جيڪي اصل بابا بڻيا وينا هئا، انهن ۾ ٻيگهي مڃي وئي هي، ته هي بلا ڪٿان اچي ڪڙڪي آهي، جنهن روزي تي لت ڏني آهي. رات جو همراهه جئين سمهنڻ جي ڪئي، پنج ۾ همراهن جو ٺڳ کي پادرن جو زيب، گادي نشين وٽ فيصلو ٿيو، بابا درگاه اسان جي، تون ڪٿان جو فقير آهين؟ ڇو اچي ٻين جي روزي تي لت ڏني اٿئي؟ سائين اسان ڳوٺ ۾ وڏا درويش، اسان جي ڏاڏا سائين جي وڏي درگاه آهي، پيپسن جي ڏيتي ليتي تان پائرن ڪڍي ڇڏيو آهي، هاڻي ٻڌايو هي سيد جو بچڙو ڪيڏانهن وڃي، اڃا تون سيد آهين ابا ره ڪجهه ڪاء. ڪجهه ابا ڪارا، وڃين روزي ڪر.

امان ڇو ائين آهين هتي مان دعا ڪيا ته توهان جي سڀ مصيبتون دور ٿي وينديون، ملنگ بابا هن ننڍڙي کي جي شادي کي پنجن سال آهي ليڪن اولاد نٿو ٿئي، اولاد لاءِ آيا آهيون. ٿي ويو سمجهه، سائين تي آئي آهين، رات جو دم ڪندس، ۽ موج تي جيڪا حرڪت جنن ڪئي آهي، سڀ نڪري ويندي، رات ٿي ڪراڙي پنهنجي نوح کي وٺي سائين وٽ حاضر ٿي، پوءِ پاڻ سمجهو ته ان غريبن سان ڪهڙي ويدن ٿي هوندي، ٺڳ جئين ئي هن رن سان ستوپيو هو، وڏو سائين سڀ فقير وٺي اچي مٿن ڪڙڪيو، بس سائين پوءِ پادر، چنبا، بجا، ڏندا هيا، ٺڳ جو مٿو هيو، اصل جڳڙو اهو ٿروئي هيو ته هن غريبن کي پئي ٺڳيو ليڪن سائين وڏي انهن عورتن کي پهرئين ڇو نه چڪيو، سائين کان مٿي ٿي ويو پادر ڪائيندي ڪائيندي وٺي ڀڳو، هي ٺڳ بهراڙي شهري ٺڳن کان ٿو ڪٽي ٿو چالاک. ٿئي.

هو خانداني ٺڳ. هاڻي ٺڳ صاحب اچي ڪراچي جو رخ ڪيو، هاڻي سائين کي وڏو سڏڻ لڳا. سائين جي هُڪ پئي پئي، ڪاٺن جو سوت، راڳ وڄ، سني سينٽ، گولڊ ليف جو پاڪيت هٿ ۾، وڏي جي ڳالهه ٿي نرالي، تقرير ۾ صفا پڙ، شاهه جا پورا سو بيت زباني ياد. رڳو تحرير ۾ وڏو مار ڪاڻي ويو، جشن

لطيف ٿا ڪرايون، انهي سلسلي ۾ سائين ڪارڊ ڇپرايا. سائين جي عيد شروع رات ڏينهن وٽ وٺان، جيڪي به سنڌي علائقا هئا سائين جا پي جا هجن، لطيف جي نالي تي چنڊو گڏ ڪري همراه ٿيو گولي، اسان جهڙا وات پٽيا وتون همراه ڪي گوليندا، همراه هجي ته لپي سائينجن ٿيو گولي. جوڳي نه ڪنهنجا مٿ. سائينجن هڪ به لک گيندي ۾ وڌا، ڪرائي جي ٽئڪسي ڪرائي ٿيو ڳوٺ رواني.

وڏو ڪجهه ڏينهن لاءِ اچي ڳوٺ ڪڙڪيو. روزاني مرغي کائي، اچي وڃي ڪار تي. ڪپڙا ڏوهي کان صاف، ڪلف ٿي گهر اچن. سائين جي ڳوٺ ۾ هُوڪ لڳي پئي هجي، ليڪن پيسا ته هئا حرام جا، سڀ ٿيا حرام. سائين جو پيسا ٿيا ختم، سائين اڃانڪه يو ٽرن ورتو. وڏي ڪي پائي ٿينڻ جو شوق عروج تي ٿي پيو. هاڻي سائين حيدرآباد ڏانهن رخ ڪيو. هاڻي وڏي مين پڙي، پان، وڏا وار، مڇون چٽ، گول بلدنگ مان پراڻي جين ۽ شرٽ ورتن. پهرئين ڀيري آباد ۾ وڃي لوڊو، سنوڪر تي وڃي ڪڙڪيو، هتي ويٺو پان کائيندو، گهمندو وتندو هو. هاڻي ته وڏي جو هڪڙو گروپ به ٺهي ويو. سيلنڊر ڪانسوا، موٽرسائيڪل تي وڏو چڙهي ماڻهن کان پٽو اوڳاڙڻ شروع ڪيائين. پائي جو خير، پائي جو خير سلامن جو ٽاڪڙو هجي. پائي جان ٿو پيس، تائي پائي ورتي ڪراچي کان حيدرآباد اچي وڃي نه ڪرايو، نه ڪو ٽينشن، پيسو جام، هڪڙي فون تي ڊ سي، ڪمشنر، سڄي انتظاميا سندس ڪيسي ۾ هئي. ٺڳ ليڪن ٺڳ هوندو آهي، ڪٿي ٿو باز اچي، سائين ڪٿي ٿو مڙي. نيٺ پائي صاحب ٺڳي کان ڪون مڙيو اتي به هيرا ڦيري ۾ پڪڙيو، کاڌين جوتا. پاڻ سنڌي ڪيتري به ترقي ڪيون، يا هيرا ڦيري ليڪن اسان جا ڳوٺ ۽ ڳوٺ وارن جي دل وري به جيءُ ۾ جڳ ڏينديون آهن. پائي صاحب اچي ڳوٺ نڪتو.

آذان جو آواز ڪنن تي پيس سائين کي خوف خدا جاڳي پيو، سائينجن وٺي ڀڳو مسجد ڏانهن. مُلي جو خطبو جو ٻڌو سائين جي دل ۾ خوف خدا حاوي

ٿي ويو. هاڻي سائين مُنهن ۾ وڏي ڏاڙي رکي وٽي ڳوٺ ۾ ڦرندو. سفيد ڪپڙو،
وڏي تسبيح هٿ ۾، وٽي اسلام جو سبق ڏيندو.

افغانستان مان آمريڪي خوار ٿي هاڻي نڪري ويندا، پوءِ اسلامي پائر
پاڪستان ۾ اچي اسلامي نظام لاڳو ڪري اسان مسلمانن جا سڀ مسئلا حل
ڪندا. اڄ آمريڪي جهنڊي کي باه ڏني ويندي براءِ مهرباني ڪري سڀ مُسلمان
پائر پريس ڪلب اچڻ نه وساريندا. وٽي ڳوٺ ۾ هوڪو ڏيندو، چندي ڪرڻ ۾ ته
سائين پاڻ ماهر هوندو هو. چنڊو ڪري هئير ٿي سائين مسجد کي رنگ ڪرايو
آهي. هر جمع نماز تي سائينجن چندي جي پيتي ۾ هٿ وجهي هر هڪ نمازي
جي آڏو اچي پيسا گهرندو گهرندو پيتي ۾ وجهندو اڳتي هلندو ويندو آهي. پر
ڳڻ اهوئي ڳڻ سڀ نمازي گهر ويندا هئا ته سائين مولوي صاحب پيتي کولي
سڀ پيسا کڻي گيندي ۾ وجهندو هو.

سائين جن کي مسجد ۾ اندر مدرسو ٺهرائڻ جو شوق ٿيو، چنڊو کڏ ڪري
سائين مدرسو شروع ڪيائين. اڄڪلہ سنڌ ۾ اهو عام تاثر آهي ته جنهن ماڻهو
کي ڦٽ ڄاڙهي، ان جهڙو ڪو به شريف ماڻهو دنيا ۾ ڪونهي. سڀني کي اسلام
جو خوف اچي ورتو جو سڀني کڻي پنهنجا چوڪرا، چوڪريون مدرسي ۾ داخل
ڪرايون. انهن ۾ سُهي هڪ غريب هاري جي ڌي هئي، اها به قرآن جو سبق
وٺڻ ايندي هئي.

هڪ ڏينهن مُلي سڀني کي موڪل ڏني ليڪن سُهي کي ويهاريو، پوءِ ڇا
ٿيڻو اهو ئي ٿيو هن شيطان ان ٻارڙي جي عصمت سان ڪيڏيو، ننڍڙي اسپتال
ننڍي فوت ٿي وئي. پوءِ ڳوٺ وارن مُلي جي ڄاڙهي وڏي مُنهن ڪارو ڪري
سڄي ڳوٺ ۾ سرگس ڪرايو.

حاصل مطلب ته ڳڻ اهي ٺاهڻ هوندا جيڪي اسان سڀني جي سامهون
هوندا آهن، ليڪن ڪجهه ڳڻ جا ڪيترا قسم آهن جيڪي اسان انسانن جي
بستي ۾ چورن وانگر اسان کي کائيندا وٽن ٿا. اچو ته اڄ کانپوءِ انهن جو
گهيراءُ ڪري سبق سيکاريون.

ٿي ويو. هاڻي سائين مُنهن ۾ وڏي ڏاڙي رکي وٽي ڳوٺ ۾ ڦرندو. سفيد ڪپڙو،
وڏي تسبيح هٿ ۾، وٽي اسلام جو سبق ڏيندو.

افغانستان مان آمريڪي خوار ٿي هاڻي نڪري ويندا، پوءِ اسلامي پائر
پاڪستان ۾ اچي اسلامي نظام لاڳو ڪري اسان مسلمانن جا سڀ مسئلا حل
ڪندا. اڄ آمريڪي جهنڊي کي باه ڏني ويندي براءِ مهرباني ڪري سڀ مُسلمان
پائر پريس ڪلب اچڻ نه وساريندا. وٽي ڳوٺ ۾ هوڪو ڏيندو. چندي ڪرڻ ۾ ته
سائين پاڻ ماهر هوندو هو. چنڊو ڪري هئيرن ٿي سائين مسجد کي رنگ ڪرايو
آهي. هر جمع نماز تي سائينجن چندي جي پيتي ۾ هٿ وجهي هر هڪ نمازي
جي آڏو اچي پيسا گهرندو گهرندو پيتي ۾ وجهندو اڳتي هلندو ويندو آهي. پر
ڳڻڻ اهوئي ڳڻ سڀ نمازي گهر ويندا هئا ته سائين مولوي صاحب پيتي کولي ”
سڀ پيسا کڻي گيندي ۾ وجهندو هو.“

سائين جن کي مسجد ۾ اندر مدرسو ٺهرائڻ جو شوق ٿيو. چنڊو کڏ ڪري
سائين مدرسو شروع ڪيائين. اڄڪله سنڌ ۾ اهو عام تاثر آهي ته جنهن ماڻهو
کي ڦٽ ڄاڙهي، ان جهڙو ڪو به شريف ماڻهو دنيا ۾ ڪونهي. سڀني کي اسلام
جو خوف اچي ورتو جو سڀني کڻي پنهنجا ڇوڪرا، ڇوڪريون مدرسي ۾ داخل
ڪرايون. انهن ۾ سُھڻي هڪ غريب هاري جي ڌي هُئي، اها به قرآن جو سبق
وٺڻ ايندي هئي.

هڪ ڏينهن مُلي سڀني کي موڪل ڏني ليڪن سُھڻي کي ويهاريو، پوءِ ڇا
ٿيڻو اهو ٿي ٿيو هن شيطان ان ٻارڙي جي عصمت سان ڪيڏيو، ننڍڙي اسپتال
ننڍي فوت ٿي وئي. پوءِ ڳوٺ وارن مُلي جي جاڙهي وڏي مُنهن ڪارو ڪري
سڄي ڳوٺ ۾ سرگس ڪرايو.

حاصل مطلب ته ڳڻڻ صرف اهي ناهن هوندا جيڪي اسان سڀني جي سامهون
هوندا آهن، ليڪن ڪجهه ڳڻڻ جا ڪيترا قسم آهن جيڪي اسان انسانن جي
بستي ۾ چورن وانگر اسان کي کائيندا وٺن ٿا. اچو ته اڄ کانپوءِ انهن جو
گھيراءُ ڪري سبق سيکاريون.

سنڌ جا عظيم صوفي بزرگ

سهيڙيندڙ: مظهر الحق پرڳڙي فائنل ايئر ايم. بي. ايس

قلندر لعل شهباز

امام جعفر صادق ع جي فرزند جناب اسماعيل جي پٽ مان ٻارهين پيڙهيءَ تي هڪ برڪت ڀريو ٻار ڄائو، جيڪو اڳتي هلي قلندر لعل شهباز جي نالي سان مشهور ٿيو. سندس اصل نالو سيد عثمان هو. قلندر شهباز جو آخري آرام گاهه يا درگاهه شريف سيوهڻ جي شهر ضلعي دادو ۾ آهي ۽ سنڌ جو پهريون نمبر زيارتگاهه ليکيو وڃي ٿو.

قلندر شهباز جو شجره هن طرح سان آهي:

شجره

سيد عثمان پٽ سيد ابراهيم كبير الدين پٽ سيد شمس الدين پٽ سيد نور شاهه پٽ سيد محمود شاهه پٽ سيد احمد شاهه پٽ سيد هادي پٽ سيد مهدي پٽ سيد منتخب پٽ سيد غالب پٽ سيد منصور پٽ سيد اسماعيل پٽ امام جعفر صادق ع

پيدائش ۽ تعليم

قلندر شهباز آذربائيجان (آرمينيا) پرڳڻي جي هڪ ڳوٺ مرنڊ (مروند) ۾ سنه 538 هجريءَ مطابق 1143ع ۾ ڄائو. مروند شهر جنهن کي مرنڊ يا ميمند به چوندا هئا.

ڀاڻ پهرين پهرين قرآن شريف ياد ڪيائين. تنهن کان پوءِ ٻين علمن ۾ ڪماليت حاصل ڪري، باطني علم پرائڻ لاءِ بابا ابراهيم ولي ڪربلائيءَ جو مريد بڻيو ۽ انهيءَ کان ئي تصوف ۾ خلافت جو خرقو ڍڪيائين. سندس طريقت جو طريقو هن ريت آهي:

طريقت

مخدوم عثمان لعل شهباز قلندر مريد شيخ جمال مجرد مريد سيد ابراهيم مجرد مريد شيخ عاقل شهيد مريد شيخ مسكين شهيد مريد سيد مرتضى سبحاني مريد امام جعفر صادق ع. مجرد لفظ جي معني آهي چڙو. جنهن پنهنجي سموري عمر بنا شادي ڪرڻ جي گذاري ڇڏي هجي.

هڪ ٻئي هنڌ شهنشاهه دارا شڪوه شهيد جو طريقياتي طريقو بيان ڪندي، قلندر لعل شهباز جي طريقي کي بادشاهه پير شيخ عبدالقادر جيلانيءَ سان هن ريت ملايو ويو آهي:

دارا شڪوه مريد ملا شاهه بدخشي مريد ميان مير سنڌي مريد شاهه خضر سيوستانی، مريد شاهه اسکندر مريد شیر الاوليا خواجه جاتي مريد شيخ علي قادري مريد شاهه عثمان قلندر لعل شهباز مريد شاهه جمال مجرد مريد شيخ ابواسحاق ابراهيم مريد شيخ مرتضى سبحاني مريد حضرت احمد پٽ مبارڪ مريد شيخ عبدالقادر جيلاني مريد ابو سعيد بن علي مبارڪ مريد شيخ ابوالحسن علي بن محمد يوسف قریشي مريد ابو الفرح طرطوسي مريد ابو الفضل عبدالواحد يماني مريد ابوبکر شبلي مريد حضرت جنيد بغدادی مريد خواجه ابوالحسن سري سقطي مريد خواجه معروف ڪرخي مريد امام علي رضا ع مريد امام جعفر صادق ع.

سنڌ ۾ آمد

قلندر شهباز پهرين پهرين سنڌ جو رخ ڪندي سنه 644 هجري مطابق 1246ع سيوهڻ ۾ پهتو، جيئن هيٺين تاريخ ۾ ڄاڻايو ويو آهي:

نمود آفتاب دين 644

سيوهڻ کان پوءِ هو هندستان ڏانهن ويو، جتي پاڻي پٽ ۾ شاهه شمس بو علي قلندر سان مليو ۽ ڪجهه وقت اتي رهيو. بو علي قلندر کيس ٻڌايو ته هندستان ۾ جيئن ته اڳ ۾ گهڻا قلندر آهن، تنهنڪري چڱو ائين ٿيندو، جو هو وڃي سنڌ ۾ سڪونت اختيار ڪري. اهڙي اشاري ملڻ تي قلندر شهباز وري سنڌ جو رخ ڪيو ۽ سنه 662 هجريءَ ۾ اچي ملتان ۾ پهتو.

انهيءَ زماني ۾ دهليءَ جي بادشاهه سلطان غياث الدين بلبلن جو پٽ شهزادو محمد شهيد، سنڌ جو حاڪم هوندو هو. شهزادو شهيد نهايت ئي هڪ زاهد ۽ عابد نوجوان هو. سندس علم پروري ۽ درويش نوازيءَ جي مشهوري

پوري ايشيا ۾ پکڙجي چڪي هئي. جنهن ڪري ڏورانهن ملڪن جا عالم، شاعر ۽ عارف، شهزادي شهيد جي عارفائي ۽ عالمائي صحبتن ۾ شريڪ ٿيڻ لاءِ پري پري کان ڪهي ايندا هئا. انهيءَ وقت سنڌ جي، سرحدن جو اندازو هن مان لڳائي ٿو سگهجي، جو هن صوبي جي گاديءَ جو هنڌ ملتان هوندو هو ۽ هي شهزادو ملتان ۾ رهي ڪري سنڌ جي حڪومت هلائيندو هو. شهزادو شهيد عالمن، صالحن، شاعرن ۽ سگهڙن جو وڏو قدر ڪندو هو. شيخ منصور بهاءُالدين زڪريا ۽ شيخ فريدالدين گنج شڪر جهڙن شخصن جو پاڻ معتقد هوندو هو. امير خسرو ۽ امير حسن دهلويءَ جهڙا ماڻهو سندس درباري هوندا هئا.

چوڻ ۾ ائين اچي ٿو ته اڄ واري مخدوم جلال جهان گشت پاڪ پٽ جي شيخ فريد گنج شڪر، شيخ بهاءُالدين ملتانيءَ ۽ قلندر شهباز جون پاڻ ۾ ڏاڍيون چؤياريون ٿينديون هيون ۽ گهڻو ڪري اهي چار يار گڏ گهمندا ڦرندا هئا. قلندر شهباز جو هي مشهور شعر جنهن جي باري ۾ ڪئين ڳالهيون ڪيون ويون آهن. سو خواجه منصور بهاءُالدين زڪريا ملتانيءَ جي لاءِ چيل آهي ته:

منم عثمان مروندي که ياري خواجه منصورم
ملامت ميکند خلقه که من بردار ميرقصم.

معنی:.....

مان عثمان مروندي منهنجو يار خواجه منصور آهي ماڻهو منهنجي لاءِ چون ٿا ته
مان ڦاسي تي ناچ ڪيان ٿو!

شهزادي شهيد وٽ هڪ پيري ڪا سماع جي محفل هئي، جنهن ۾ قلندر شهباز ۽ شيخ بهاءُالدين زڪريا جو پٽ شيخ صدر الدين وجد ۾ اچي رقص ڪندا رهيا. انهيءَ رقص ۽ سماع جي دؤران شهزادي شهيد به هڪ عجيب حال طاري ٿي ويو، جو پاڻ سمورو وقت سندن اڳيان ادب سان هٿ ٻڌيو بيٺو هو ۽ زارو زار روئندو رهيو.

شهزادي شهيد، قلندر شهباز کي ملتان ۾ رهڻ لاءِ چيو ۽ سندس لاءِ هڪ خانقاهه ٺهرائڻ جو به وعدو ڪيائين. پر پاڻ اڳتي وڌي اچي سيوهڻ ۾ وارد ٿيو.

وفات

قلندر شهباز هتي سيوهڻ ۾ ٿي 21 شعبان 673 هجريءَ ۾ وفات ڪئي.
سندس وفات جو سال هن فارسيءَ جملي مان نڪري ٿو

حضرت شيخ اياز

سهيڙندڙ شفيق احمد ڳورڙ فرست ايئر اير.بي.بي.ايس

تو نه سوچيو آ ڪڏهن، موت ته اسرار نه آ،
زندگيءَ کان وڏو اسرار نه آهي ڪوئي
چنڊ گل مهر مٿان عشق جو اقرار نه آ
وقت درياھ سھين، عشق جيان چار نه آ
پل مچين جيئن ٿا ترڪن جي ڪوئي پيار نه آ
عاشقيءَ کان وڏو اسرار نه آهي ڪوئي،
عاشقيءَ کان چڱو ڪو لوءُ ۾ ٿڌڪار نه آ،
تو نه سوچيو آ ڪڏهن، موت ته اسرار نه آ.

رات جو پويون پھر، هيءَ ستارن ٻڌڻ،
پو به راييل اڳي جان ڏني خوشبو ٽنهنجي!

ٿي پوي ماڳ ڳلابن تي هوا مان هر هر،
 دل چوي ٿي ته ملين ڪاش ڪٿي ٿون پيهر،
 ٿو پوي وهم ته تو آه ڏنو دستڪ ڌرا!
 ٿي اچي واءِ منجهان جڻ پني خوشبو تنهنجي!
 ٿون ٿڙي انهن ڪٿي؟ ڪيئن چوان مان؟ ها، پر...
 دل چوي ٿي ته ملين ڪاش ڪٿي ٿون پيهر!

ٿي وئي آ آها زنجير، چني سگهندين تون؟
 گل چني ٿو سگهين، خوشبو ته اٿيئي آهي.
 جا سندس وارَ ڇهي، هيرَ چني سگهندين تون؟
 عشق کان عشق جي تقدير چني سگهندين تون؟
 چنڊ کان يار جي تصويرَ چني سگهندين تون؟
 جيءَ ۾ جي لڳو جادو ته اٿيئي آهي.
 هو مٿي سمنڊ منجهان ويرَ، چني سگهندين تون؟
 ٿي وئي آ آها زنجير، چني سگهندين تون؟
 مون ته تولا ۽ وڌيون. ڪالهه نهاريون ڪيئي
 تون نه آئينءَ مگر رات ته گذري ويئي!
 ويو ٻڏي چنڊ، سنڌ سونهن جون سارون نيئي،
 ٿي پرهه - هيرَ اچي هاڻ ته پارون پيئي،

آپ ۾ نيٺ وسامي ويا ٿيڙو ٿيئي
 رات هئي چار پُهر، رات ته گذري ويئي،
 مون ٿڌو ساهه ڀريو، توکي ميارون ڏيئي،
 مون ته تولا ۽ وڌيون، ڪالهه نهاريون ڪيئي.

رات ٻارن جي ڄاڻ آئي آ
 ائين لڳي ٿو اجهو ڏولي پهتي
 ڏک جي ذات جي ڄاڻ آئي آ،
 گيٽ - برسات جي ڄاڻ آئي آ،
 موٽ جي مات جي ڄاڻ آئي آ،
 جيئن چشمو ڦٽي ٻولي پهتي،
 پيار جي جا به پرولي پهتي،
 چاندني رات جي ڄاڻ آئي آ،
 رات ٻارن جي ڄاڻ آئي آ.

آه هي پنڌ به ٿي ڏينهن ٿئي، واريءَ تي
 ٿي چوي جڻ ته ڪگر - چانو ته ”مان اچي هان“
 ٿو ڪري ٻوليون روز تير تاريءَ تي،
 آلهي سڄ ويو زرد - منهن ماريءَ تي

تون پڌو نانھ اڃان، ٿڳ سندر تاريءَ تي.
 گھاٽ وٽ بيهه نه، مان گھيڙ سمورا ڄاڻان
 هيءَ ٻي ڳالهه ته اڄ ٻڳهه نه پيئاريءَ تي!
 آه هي پنڌ به تي ڏينهن رڳو واريءَ تي.

جڏهن اڇين ته اڳيون کيس ويڙهي ايندو ڪرا!
 انهيءَ جي برت ۾ ڪيئي ونيون ٿڙيون آهن.
 جڏهن اڇين ته اڳي جئن سڳند ڏيندو ڪرا!
 ڳلاب ڪالهه جيان چاهه مان چميندو ڪرا!
 اڳي جيان به ڳجهيون ڳالهڙيون سليندو ڪرا!
 گھڙيون لڪاءِ، جتي ڪيتريون ٿڙيون آهن!
 ڀلي ته بند هجن، گهر مگر سڏيندو ڪرا!
 جڏهن اڇين ته اڳيون کيس ويڙهي ايندو ڪرا!

شاه عنايت صوفي

سنڌ جو شهيد

سهيڙيندڙ ڊاڪٽر غلام مصطفيٰ يوسفائي

شاه عنايت صوفي وقت جي مشهور معروف مخدوم صدو لانگاه جي خاندان مان هو. مخدوم صدو لانگاه وڏو توڪلي مڙس هو، ايتريقدر، جو رات جو دلن ۽ متن جو پاڻي به هارائي ڇڏيندو هو ۽ ”سيائي جا نصيب سيائي سان“ جي چوڻي، مطابق ٻئي ڏينهن ڪجهه به ڪين رکندو هو. سندس بزرگي ۽ ولايت جو اندازو انهيءَ مان لڳائي ٿو سگهجي، جو مٽياريءَ جي مشهور سادات سيد عبدالڪريم جهڙا به سندس مريديءَ ۾ داخل هئا.

شاه عنايت صوفي جي والد بزرگوار جو نالو مخدوم فضل الله هو. جيڪو پڻ پنهنجي وقت جو وڏو درويش هو. هن پنهنجي سموري زندگي گوشه نشينيءَ ۾ گذاري ڇڏي، سندس ڏاڏو ملا يوسف ۽ پڙڏاڏو ملا شهاب الدين به بامعرفت بزرگ ۽ خدا جا صالح بندا هئا. تنهن کان اڳ سندس تڙڏاڏو ملا آجب بن مخدوم صدو لانگاه پڻ ڪامل ۽ ڪرامتن جو مالڪ ٿي گذريو هو. اهڙيءَ طرح ائين ڪٿي چئجي ته شاه عنايت صوفي پنهنجي خانداني شجري جي لحاظ کان ”تاجيءَ پيٽي پٽ“ هو ته وڏا نه ٿيندو.

شاه عنايت صوفيءَ حق جي ڳولا ۾ وڏا سفر ڪيا ۽ ڪافي عرصي کان پوءِ دکن پهچي ويو، جتي شاه عبدالملڪ سان ملاقات ٿيس ۽ سندس حڪم مطابق وڏيون رياضتون ڪيائين. ’ظاهري علم‘ شاه غلام محمد کان حاصل ڪيائين، جنهن جي مسند شاه جهان آباد هئي. اڳتي هلي جڏهين شاه عنايت صوفي پنهنجي مرشد شاه عبدالملڪ کان معرفت وارو اعليٰ رتبو حاصل ڪيو ۽ کائنس اجازت حاصل ڪري اچي ٺٽي ۾ رهيو ته ’شاه غلام محمد به سندس خدمت ۾ پهچي ويو. اهو انهيءَ ڪري جو هي ظاهري علم ۾ جيتوڻيڪ شاه عنايت جو استاد هو، پر معرفت جون منزلون شاه عنايت جي ذريعي ئي طئي ڪيون هئائين. شاه غلام محمد شاه عنايت جي آڏو ايڏو ته عجز ۽ نياز اختيار ڪندو هو، جو آخرڪار ٺٽي جي ظاهر ٻين عالمن شرعي عدالت قائم ڪري کيس تعزير ڏنو. آخرڪار مرشد جي ارشاد مطابق، واپس شاه جهان آباد هليو

ويو. جتي هن درويشيء جي هڪ وڏي خانقاه قائم ڪئي ۽ اتي ئي انتقال ڪيائين. هزارين انسان کانئس فيضياب ٿيا.

نئي کان پوءِ شاه عنايت صوفيءَ اچي ميران پور ۾ رهيو. جنهن کي اڄ ڪلهه ”جهوڪ شريف“ ٿا سڏين. هتي سندس پيري مريديءَ جو سلسلو تمام وڏي ويو. سندس مريدن جي منزلت جو اندازو انهيءَ مان لڳائي ٿو سگهجي، جو شاه اسماعيل صوفي ۽ مير جانشاه محمد رضوي بکريءَ جهڙا به شامل هئا. مير محمد بکري، جيئن سندس قصيدي مان ظاهر آهي، حضرت شهباز قلندر تي به حاضري ڏني، پر سندس دلجوئي ڪانه ٿي:

بـ سـيـوسـتـان رسـيـده دردمـندي
طلبـگار جمـال بوشـمـندي
تماشـائي قلندر ڪـرده آنـجا
هـوائـي فقر در سر ڪـردم آنـجا

بس ديدم در آنجا هائي هوئي
نـديـم از گل مقصود بـوئي
نديـم مـرهم آنـجاريش دل را
سـرا سـيم ڪشـيده سر بـصـحـرا

ترجمو: آءُ نهايت ئي دردمند دل سان سيوهڻ پهتس، تاڪه دانشمنديءَ جي سهڻي شاهني منزل کي حاصل ڪريان. اُتي مون کي قلندري نظاري پسڻ جو شرف حاصل ٿيو. ۽ گڏوگڏ فقيري ڦٽڻ کي دل ۽ دماغ ۾ سميتي ڇڏيم. ظاهري شور شار ۽ هل هنگامو گهڻو ئي ڏٺم پر اصلي گهريل گل واري خوشبو جنهن جو آءُ طلبگار هوس سا نه ملي سگهي.

جيئن ته پنهنجي دردمند دل جي زخمن جي دوا حاصل نه ٿي سگهي. تنهنڪري آخرڪار مون کي حيرانيءَ ۽ پريشانيءَ جي حالت ۾ ئي جهنگ منهن ڪرڻو پيو. سموريءَ سنڌ جو سير ڪندي، نيٺ شاه عنايت صوفيءَ جي آستاني مبارڪ تي اچي پيشاني رکيائين:

مجسم صورت نور الاهي
تماشا ڪرده اشيارا ڪماهي

بذات اندر صفات خویش ساري
تصرف برهمه آلاش جاري

دلش را تکیه بر نور تجلی
تصور را ز تصدیقش تسلی

ترجمو: خدائي نور جي صورت کي هو بهو پنهنجي سامهون ڏنم، ايتريقدر جو هر شيءِ جي حقيقت کي سندس اصلي شڪل ۾ چڱيءَ طرح سان مون جانچي ڏٺو، پنهنجو سڀني صفتن ۾ عين ذات جو حاصل ۽ ڪائنات جي ڪنڊ ڪڙڇ تي سندس ئي ذات کي حاوي ڏنم.

سندس دل جيڪڏهن مطمئن آهي ته رڳو انهيءَ نور جي جلوھ گريءَ تي ۽ انهيءَ ئي حقيقي اطمینان جي وسيلي خيالن ۽ امنگن کي پوري تسلي ملي ويئي.

شاهه عنايت جو پيو معتقد شاهه اسماعيل صوفي، شيخ عبدالله انصاريءَ جي اولاد مان آهي. يعني ابو اسماعيل عبدالله بن ابو منصور محمد انصاري، جيڪو خواجه عبدالله انصاريءَ جي نالي سان مشهور هرات جو رهاڪو هو ۽ وقت جو وڏو عارف ۽ عظيم سالڪ هو. شاهه اسماعيل صوفيءَ جو چوڻ آهي ته:

دوست گرچه جمله مغز و پوست ماست
در برون هر چیز بینم دوست ماست

ترجمو: ڀار جيتوڻيڪ پوري جسم جي هڏن ۽ ڇمڙيءَ ۾ داخل آهي، يعني حقيقت سواءِ ڀار جي ٻي ڪابه ناهي، پر پاڻ کان سواءِ جيڪڏهن ٻاهر ڪٿي نظر ٿو ڦيرايان، تڏهن به ڀار کان سواءِ ٻي ڪا شيءِ نظر نٿي اچي.

شاه عنايت صوفيءَ کي وڌندو ڏسي ڪري بلڙي واري برگزيده بزرگ سادات شاه ڪريم جي پوٽن، سيد عبدالواسع ولد سيد عبدالدليل ولد سيد دين محمد ولد سيد عبدالڪريم، ساڻس اثبٽ شروع ڪري ڏني. اهو انهيءَ ڪري، جو ڪيترائي سندن مريد خادم جهوڪ تي ئي جهڪڻ لڳا، جنهن ڪري سندن درگاه کي وڏو ڌڪ لڳو. اڳتي هلي، هنن ساداتن پاڙي جي زميندارن، جهڙوڪ پليجاڻيءَ جي زميندار نور محمد پٽ منبو پٽ راڌو پٽ بابو پليجو ۽ حمل پٽ لاکو ذات جت وغيره سان گڏجي، جهوڪ شريف تي حملو ڪري ڏنو. اهو حملو ان وقت جي گورنر مير لطف علي خان جي اجازت سان ڪيو ويو هو، جنهن جي نتيجي ۾ شاه عنايت خود ته بچي ويو، پر ڪيترائي فقير مٿان سر صدقو ڪندي شهيد ٿي ويا. اهو فرياد دهليءَ جي بادشاهه اورنگزيب جي پوٽي سلطان قرخ سير وٽ ڪيو ويو. جنهن تي شاهي قانون صادر ٿيو ته قاتلن جون زمينون خون بها جي طور تي شهيدن جي حوالي ڪيون وڃن. اهڙيءَ طرح شاه عنايت جي خانقاهه غريبن، مظلومن ۽ هارين جي لاءِ هڪ پناهه گاهه ٺهي پئي ۽ ماڻهو چؤطرف کان لڏي اچي جهوڪ تي خيما کوڙڻ لڳا.

مير لطف علي خان 1128 هجري مطابق سنه 1716ع تائين ٺٽي جو حاڪم رهيو ۽ تنهن کان پوءِ مير بابا اعظم خان ولد صالح خان بن فدائي خان ڪلتاش خانبهادر سندس جاءِ والاري، هي نئون گورنر به شاه عنايت جي دشمنن جي ڳالهين ۾ اچي ويو. ۽ سندن امداد لاءِ تيار ٿي ويو. انهيءَ باري ۾ هن پهريون قدم اهو کنيو، جو جهوڪ جي آس پاس وارين زمينن، جن تي ڍل اڳ ۾ ئي معاف ٿي چڪي هئي، تن تي نئين سر ڍل مڙهائين ۽ يڪدم ڍل پيارڻ لاءِ حڪم جاري ڪري ڇڏيائين. شاه عنايت اهڙين ڍلن ڏيڻ کان صاف انڪار ڪري ڇڏيو، جيڪي ڍلون اڳ ئي بادشاهه جي طرف کان معاف ٿي چڪيون هيون، ۽ اهڙي حڪم کي ظالمانه حڪم قرار ڏنائين. تنهنڪري اعظم خان بگڙي پيو. هن پنهنجي صلاحڪارن کان صلاح وٺي ڪري، مرڪز ڏانهن لکي موڪليو ته شاه عنايت صوفي ۽ سندس پوئلڳ بادشاهيءَ جا خواب ڏسي رهيا آهن ۽ بادشاهي حڪمن کان انحرافي ڪندا ٿا رهن؛ تنهنڪري مرڪز کان حڪم آيو ته جيڪڏهن ائين حقيقت آهي ته پوءِ اهڙي فتني کي فوراً بند ڪيو وڃي. مرڪزي حڪم حاصل ڪرڻ کانپوءِ اعظم خان پنهنجي فوج کان سواءِ اتر سنڌ

جي حاڪم ميان يار محمد ڪلهوڙي کان به فوج طلب ڪئي. ميان صاحب، اعظم خان جي حمايت ۾ پنهنجي پٽ محمد خان ۽ پنهنجي خاص سردارن مير شهداد بلوچ جي اڳواڻي هيٺ هڪ وڏو لشڪر ڏياري موڪليو. پر هڪ ٻي روايت ۾ آهي ته خود ميان يار محمد هاڻي، تي سوار ٿي ڪري جنگ ۾ شامل ٿيو هو. انهيءَ روايت مطابق سندس ٻين ٻن پٽن دائود خان ۽ ميان غلام حسين جي موجودگي، جو به ثبوت ملي ٿو. نه صرف ايترو پر يار محمد ڪلهوڙي جي پاڻ ميان مير محمد به جنگ ۾ شرڪت ڪئي هئي.

اها خبر جڏهين جهوڪ ۾ پهتي ته حملو ٿيڻ وارو آهي ته فقيرن پنهنجي مرشد کي صلاح ڏني ته ٻاهر نڪري ڪري رستي ۾ ڪٿي لشڪر کي روڪي، ساڻن جنگ جوڙي وڃي. پر شاهه عنايت صوفي، اڳرائي ڪرڻ جي اجازت نه ڏني. بلڪ جهوڪ جي چؤطرف ڪاهي ڪوتي، پنهنجا مورچا سنڀالي، ذڪر فڪر ۾ لڳي ويا.

18 ذي القعد سنه 1129 هجري مطابق 13 آڪٽوبر 1717ع تي حملو ڪندڙ، هاڻين تي توبون لڏي، اچي جهوڪ ۾ پرڳهت ٿيا. ايتري ساز و سامان هوندي به سنئون سڌو حملو ڪونه ڪري سگهيا، بلڪ گهيرو جاري رکندي، جنگ خندق وارو نقشو چٽي ڇڏيائون. شاهه عنايت پنهنجي فقيرن کي هدايت ڪئي ته رات جو دشمن تي چپ چاپ ۾ حملو ڪندا رهن ۽ جيسيتائين ائين خاموشيءَ ۾ رهندا ڪاميابي حاصل ڪندا رهندا. انهن حملن ۾ فقيرن، ڪلهوڙن جي لشڪر جا ڪيترائي پهلوڻ زخمي ڪري وڌا هئا، جيئن خود ميان يار محمد جي پٽ دائود خان منهن تي ڇهه زخم کاڌا ۽ ٻئي جسم تي به ڪيترا گهاٽا هئس. ميان غلام حسين ۽ ميان مير محمد به ڪافي زخمي ٿي چڪا هئا. فقيرن مان جيڪي زخمي ٿيا، تن مان خوشحال پٽ جمال، خيالي ولد صدورو، ياقوت، بشير، ابراهيم ۽ ملا صالح قابل ذڪر آهن.

فلسفي جي ڪهاڻي

سهڙيندڙ علي جوڳي

فلسفي جي اثر انگيزي ۽ اثر پذيري هڪ عالمگير حقيقت آهي، هن مضمون دنيا کي جيترو متاثر ڪيو آهي، شايد ئي ڪو ٻيو مضمون ايڏي گهراڻي سان هن جهان تي اثر انداز ٿيو هجي. فلسفي جو مضمون ۽ ان جا موضوع هن ڪائنات ۽ سڄي انساني زندگيءَ جي ڪُل پاسائن تي مختلف رخن کان تفصيلي بحث ڪن ٿا.

فلسفي جو اهو سمورو فڪري اثر انسانذات جي موجوده ترقيءَ ۾ مُک ڀاڱو والاري ٿو. دنيا جي هر علم جي ترقيءَ ۾ فلسفي جو حصو تمام گهڻو ۽ اهم رهيو آهي. قديم فلسفي کان وٺي جديد فلسفي تائين انسانذات جو فڪري سفر هڪ اهڙي دنيا جوڙڻ وارو دڳ آهي، جنهن ۾ رنگ نسل ۽ متپيد جي فرق کان سواءِ سمورا انسان گڏ رهي سگهن ٿا. قديم ۽ جديد فلسفي ۾ فرق دنيا ۾ عملي تبديليءَ (Practical changes) جو ممڪن هئڻ واري بحث جو آهي. قديم فلسفين، ڪائنات، مذهب، سياست، اخلاق، ادب ۽ آرٽ مطلب ته انساني زندگيءَ جي هر پهلو تي ڪليل نموني بحث ڪيو آهي، جڏهن ته جديد فلسفي جو مقصد دنيا کي بدلائڻ ۽ سموري انسانذات لاءِ امن پري ۽ رهڻ جوڳي جڳهه بڻائڻ رهيو آهي.

انسانذات لاءِ ترقيءَ جا اهي خواب جاڳندڙ ضمير وارن فلسفين ڪليل ذهن، ۽ شعور جي ڏور ڏسڻي اک سان ڏٺا ۽ پنهنجي ڏاهپ جي هن ڪُل دولت کي ايندڙ پيڙهين ۽ دنيا ڏانهن سموري سونهن ۽ سوپيا ساڻ رسايو آهي. فلسفي جو سفر جاري آهي، هن کي اڳتي هلي ڪري اڃا ڪي وڌيڪ مقصد ماڻڻا آهن ۽ هڪ اهڙي دنيا جوڙڻي آهي، جنهن ۾ سياست سان گڏ سهڻ، مذهب سان گڏ محبت، مطلب ته فلسفي کي ’اتحاد انساني‘ ۽ ’عالمي امن‘ جهڙا عظيم مقصد حاصل ڪرڻ لاءِ اڃا گهڻو جاکوڙڻو آهي.

هيءُ ڪتاب ”فلسفي جي ڪهاڻي“ سوا ٻن هزارن سالن جي دنيا جي بهترين ۽ پلارن انسانن جي ذهني مهڻي ولوڙ جي آکاڻي آهي. هن قصي کي وُل ديورانت تمام دلچسپ ۽ مزيدار انداز ۾ جنهن سليقي ۽ طريقي سان پڙهندڙن

آڏو پيش ڪيو. تنهن کي سڄي دنيا ۾ ساراهيو ويو آهي. هن ڪتاب جو صحيح لطف ته پڙهندڙ پاڻ ئي محسوس ڪندا. هن ڪتاب ۾ سمورو مواد قديم ۽ جديد فلسفي وارو شامل آهي. جڏهن ته جديد مارڪسي فلسفي وارو حصو هن ڪتاب ۾ شامل ڪونهي. فلسفي جون قديم ۽ جديد ڪڙيون هن ڪتاب ۾ لطيف سائينءَ جي هن بيت وانگر آهن:

ڪڙو منجهه ڪڙي، جيئن لُهار لپيتيو،

منهنجو جيءُ جڙي، سپرين سوگهو ڪيو.

اهي ڪڙيون هڪ ٻئي سان مربوط، ڄڻ هڪ ٻئي جا مستقل ۽ اڻٽٽ ڀاڱا آهن. اهي ڪڙيون اصل ۾ موتين جون لڙيون آهن. جنهن ۾ هر هڪ موتي آباد ۽ ڪنهن ”ڳوڙهي“ جيان معنيٰ دار به آهي.

هن ڪتاب جو ترجمو ٿي ڏهاڪا اڳ محترم اڪرم انصاريءَ ڪيو هو. جنهن جي سوڌ سنوار ۾ محترم راشد دائود پوٽي ۽ بورڊ جي مخلص ڪارڪن ۽ انچارج ايڊيٽنگ سيل عبدالحفيف قريشيءَ جي محنت شامل آهي. اميد آهي ته منهنجي ايامڪاريءَ ۾ ڇپيل هن ڪتاب کي فلسفي سان چاهه رکندڙ ساراهڻ سان گڏ هيٺين سان هنڊائيندا.

تهميد

فلسفي جا فائدا

فلسفي مان هڪ قسم جو سُور حاصل ٿئي ٿو. جيڪو مادي جي علم ۽ قوت جي ابتدا ۽ انتها کان آگاهه ڪري ٿو. هن علم جي من موهيندڙ نشي ۾ هڪ قسم جي ڪشش موجود آهي، اها ڪشش هر پڙهندڙ ايسٽائين محسوس ڪري ٿو، جيستائين هن کي جسماني زندگيءَ جون ننڍيون ننڍيون ضرورتون، خيالن جي بلنديءَ تان چڪي اقتصادي ڪشمڪش ۽ نفعي نقصان جي گورڪ ڏنڌي ۾ نٿيون ڦاسائين. اسان مان گهڻن کي زندگيءَ جي اونھاري ۾ بهار جا اهي سونهري ڏينهن ياد اچن ٿا. جڏهن اسان لاءِ فلسفو، افلاطون جي زبان ۾ واقعي هڪ ”من موهيندڙ خوشي“ هوندو هو. باحجاب ۽ انساني گرفت ۾ نه ايندڙ سچ جي محبت، اسان لاءِ ٻيءَ هر محبت کان عظيم ۽ بالاتر هوندي هئي ۽ ان حق جي تلاش کي جسماني مزي ۽ دنياوي مال ملڪيت جي تڙپ کان سٺو.

دفعاً اعليٰ سمجھندا هئاسين. هر انساني ۾ اصلي حق کي دل سان حاصل ڪرڻ جو تڙپندڙ جزو هميشه موجود رهي ٿو. انگريز شاعر براؤننگ (Browning) وانگر اسين اهو محسوس ڪريون ٿا، ته ”زندگيءَ جي ڪانه ڪا معنيٰ ضرور آهي ۽ ان معنيٰ جي پروڙ اسان جي زندگيءَ جي اهم ترين تقاضا آهي.“ هونئن ته اسان جي زندگيءَ جو وڏو حصو بي معنيٰ نظر پيو اچي، جنهن ۾ سواءِ ڪنهن حاصلات جي، اسين ڄڻ انڌ وانگر هٿوڙايون ڏيئي رهيا آهيون. اسين پنهنجي قيمتي زندگيءَ کي بيڪار بنايون پيا ۽ پنهنجي ذاتي جوهر کي پنهنجن هٿن سان برباد ڪريون پيا. اسين پنهنجي اندروني توڙي ٻاهرين بي ترتيبيءَ ۽ بدانتظاميءَ کان بيزار آهيون ۽ ان سان ٽڪراءُ ۾ رهون ٿا، پر ساڳئي وقت اسين ائين محسوس ڪريون ٿا، ته اسان ۾ ڪو تمام وڏو جوهر ۽ ڪا اهم معنيٰ ضرور سمائل آهي. ڪاش! ان لاءِ اسين رڳو پنهنجي روح جي آواز کي سمجهي سگهون! اسان جي آرزو آهي، ته اسان کي معلوم ٿئي ۽ اسين سمجهون ته: ”اسان لاءِ زندگيءَ مان مراد اها آهي ته جو ڪجهه اسان ۾ آهي يا جنهن سان به اسان جو واسطو پوي، ان کي ’روشنيءَ ۽ شعلي‘ ۾ تبديل ڪريون.“ اسين ڪرامازوف پائرن جي مٽيا واري ڪردار وانگر اسان کي لکين روپيا نه گهرجن، پر اسان کي اسان جي سوال جو جواب گهرجي. اسين چاهيون ٿا، ته عارضي شين جي اصلي قدر ۽ مقام کي پروڙيون، ۽ اهڙي طرح زندگيءَ جي روزمره وارين هنگامي حالتن جي خفي کان پاڻ بچايون ۽ بلند رکون. اسان جي خواهش آهي، ته اسان کي وقتائتي ڄاڻ ملي ته خسيس شيون خسيس آهن ۽ اعليٰ شيون اعليٰ آهن. اسين هتي ۽ هاڻ شين جي اها اصلي ماهيت ڏسڻ گهرون ٿا، جنهن ۾ دائمي آهي ۽ ائين ڏسڻ گهرون ٿا، جيئن ان کي ”ازل ۽ ابدي روشنيءَ“ ۾ ڏسي سگهجي ٿو.

اسان ۾ اها خواهش آهي ته اهڙو ڪو سبق سکون، جنهن سان اٽل قسمت جي آڏو ٽهڪ ڏيئي سگهون، ۽ سر تي چڙهي آيل موت جي اڳيان پڻ مرڪ ۽ مشڪ جو اظهار ڪري سگهون. اسين مڪمل بنجڻ گهرون ٿا، اسين پنهنجي خواهشن تي تنقيد ڪندي ۽ انهن کي پنهنجي مقصد سان ٺهڪائيندي پنهنجي توانائين کي منظم ڪرڻ چاهيون ٿا. ڇاڪاڻ ته منظم، با ترتيب ۽ مفيد قوت ئي علم اخلاق ۽ علم سياست جو - ۽ شايد منطق ۽ علم مابعدالطبعيات جو به

آخرين مقصد آهي. ٿوريو (Thoreau) جو چوڻ آهي: ”فلسفي ٿيڻ جي معنيٰ رڳو اها نه آهي ته واضح ۽ چٽا خيال هجن يا ڪو فڪر جو الڳ مڪتب پيش ڪجي، پر ان جو مقصد هي آهي ته ڏاهپ (حڪمت) سان ائين پيار ڪجي، جيئن ان جي حڪمن مطابق سادگي، آزادي، اعتماد ۽ فراخدي، واري زندگي گهاري سگهجي.“

اسان کي يقين رکڻ گهرجي، ته جيڪڏهن اسين صرف حڪمت حاصل ڪريون، ته جيڪر زندگيءَ جون سڀ ضروري شيون از خود اسان کي حاصل ٿي وڃن. بئڪن (Bacon) جي نصيحت هي آهي ته: ”سڀ کان پهرين من جون سنيون شيون ڳولي هٿ ڪر، ان کان پوءِ ٻيون شيون توکي يا ته پاڻيهي ملي وينديون، يا انهن جي نه ملڻ جو توکي ڪو احساس ئي نه رهندو.“ سچ اسان کي دولتمند نه سهي پر آزاد ضرور ڪري ٿو.

ممڪن آهي ته ڪو تيز مزاج ۽ اڪابر پڙهندڙ اسان کي هٿ روڪي ۽ چوي ته فلسفو اهڙو ئي بي فائدي مند آهي، جهڙي شطرنج جي راند، اهڙو ئي غير واضح آهي، جهڙي جهالت. ۽ اهڙو ئي بيٺل ۽ بي حرڪت آهي، جيئن ”سيسرو (Cicero) جو چوڻ آهي ته: ”اهڙي ڪا بي معنيٰ ۽ بيوقوفيءَ جي ڳالهه ئي ڪانهي، جيڪا فلسفي جي ڪتابن ۾ موجود نه هجي.“ انهيءَ ۾ ڪوبه شڪ نه آهي ته ڪن فلسفين ۾ بي هر قسم جي حڪمت آهي، پر جي نه آهي ته رڳو ”عام سمجهه“ ڪانهي ۽ سندن خيال جي اڏام رڳو آسمان جي هلڪيءَ هوا تي اڏامندو رهي ٿي. تنهنڪري اچو ته پهريائين محڪم ارادو ڪريون، ته فلسفي جي شاهراهه جي هن سفر تي اسين صرف روشن بندرن تي لنگر هڻنداسون، ۽ علم مابعدالطبعيات جي ڳچ ڇڪ کان توڙي مذهبي اختلافن جي گجندڙ سمند جي غوطن کان پاڻ کي دور رکنداسون.

پر ڇا فلسفو واقعي بيٺل ۽ بي حرڪت آهي؟ اڄ جي وقت ۾ ائين ئي نظر اچي رهيو آهي، جن ته سائنس هميشه اڳتي قدم وڌائي ٿي ۽ فلسفو هميشه شڪست کائيندو رهي ٿو. پر اهو ان ڪري آهي، جو فلسفو ان مشڪل ۽ جوڪاتي ڪم کي هٿ ۾ کڻي ٿو ۽ اهڙن مسئلن ۾ پاڻ کي الجھائي ٿو، جيڪي سائنس واري طريقي سان حل ٿي نه ٿا سگهن. جيئن ته نيڪي ۽ بدي، حسن ۽ بدصورتي، جبر ۽ اختيار، زندگيءَ ۽ موت جا مسئلا، جڏهن انساني جاچ

جوج جي ميدان مان اسان کي اهڙي قسم جو علم حاصل ٿئي ٿو، جنهن کي اسين قطعي طور صحيح قاعدن ۽ قانونن ۾ پيش ڪري سگهون، تڏهن ان علم کي اسين ”سائنس“ چئون ٿا. سائنس جي ابتدا فلسفي سان ٿي ٿي، ۽ ان جي انتها فن آهي. هر ڪا سائنس ڪنهن نه ڪنهن انوما يا قياس سان شروع ٿئي، ته ۽ آهستي آهستي صحيح علم حاصل ڪرڻ ۾ ڪامياب ٿئي ٿي. فلسفو (مابعدالطبعيات ۾) اڻ ڄاتل حقيقت جي، يا (سياسي فلسفي ۽ اخلاقيات ۾) اڻ چٽي ۽ غير واضح ڄاڻ ۽ حقيقت جي مٿاڇري تشریح ڪري ٿو؛ فلسفو سچ/ حقيقت جي ڳولا ۾ مليل پهرين قسط آهي. سائنس اهو ميدان آهي، جنهن تي اسين قابض آهيون، جنهن کان پوءِ آهي باحفاظت ميدان آهن. جن ۾ اسان جي ڄاڻ ۽ هنرمنديءَ اسان جي هيءَ اڻپوري ۽ عجيب و غريب دنيا تعمير ڪئي آهي. فلسفو ان خاموش ۽ دماغي الجهن ۾ مبتلا ٿيل ديويءَ وانگر نظر اچي رهيو آهي، جا پنهنجي فتح جا ميوا پنهنجين ڌيئرن يعني مختلف سائنسن کي آڇي، پاڻ روحاني بيقراريءَ ۾ اڻ ڏٺل ۽ اڻ ڳولهيل سرزمين طرف قدم وڌائي رهي آهي.

اچو ته اسين هيءَ ڳالهه وڌيڪ علمي انداز سان پيش ڪريون، سائنس ڪائنات کي تجرباتي انداز ۾ بيان ڪرڻ جي ڪوشش ڪري ٿي، ۽ فلسفو ان جي جامع تشریح پيش ڪرڻ جي دعويٰ ڪري ٿو. سائنس پوريءَ شيءِ کي حصن ۾ ورهائڻ، جسم کي جدا جدا عضون ۾ تقسيم ڪرڻ ۽ اڻ ڄاتل شيءِ کي ڄاڻ جي دائري ۾ آڻڻ چاهي ٿي. سائنس شين جي اصلي قدرن يا سندن آدرشي امڪانن جي باري ۾ ڪابه ڳولها نٿي ڪري، ۽ نڪي سندن جامع ۽ آخري مطلب پروڙڻ جي ڪوشش ٿي ڪري. هڪ سائنسدان فطرت وانگر غير جانبدار آهي، جيئن ترگنيف (Turgenev) پنهنجي نظر ۾ بيان ڪيو آهي: ”هي ڪنٽرٽيون پڳل پڪيءَ جي ٽنگن وانگر ۽ هڪ ڏاهي جي تخليقي عذابن وانگر دلچسپ آهي.“ ان جي برعڪس، هڪ فلسفي ڪنهن شيءِ جي رڳو بيان ڪرڻ تي راضي نه ٿو رهي. پر ڏيکارڻ چاهي ٿو ته ان جو انسان جي مجموعي تجربن سان ڪهڙو لاڳاپو آهي ۽ ان طريقي سان ان انسان جي مجموعي تجربن سان ڪهڙو لاڳاپو ۽ ان طريقي سان ان شيءِ جي اصلوڪي مطلب ۽ قدر و قيمت ڪٿڻ جي ڪيئن ڪوشش ڪري ٿو. هو شين ۽ حقيقتن کي ان ارادي سان گڏي ٿو ۽ ترتيب ڏئي

ٿو، ته هو سندن منظم ۽ گڏيل سمجهاڻي ڏيئي سگهي. هو اڳي کان به بهتر صورت ۾ ڪائنات جي نظاري کي سڄيءَ حالت ۾ آڻڻ گهري ٿو، جنهن کي هڪ ڪري ڏسندڙ سائنسدان کولي، پرزا پرزا ڪري ٿو ڇڏي. سائنس ٻڌائي ٿي، ته ڪيئن علاج ڪجي ۽ ڪيئن مارجي. اها هڪ هڪ ڪري موت جي رفتار کي گهٽائي ٿي. ۽ پوءِ جنگ ۾ ٻڌي جي حساب سان ماري ٿي. ان جي ابتڙ، فقط حڪمت يا فلسفو يعني اها خواهش جيڪا ڪامل ۽ گڏ ڪيل تجربن تجربن جي روشنيءَ ۾ ترتيب ڏنل آهي، سائي اسان کي ڏسي ٿي ۽ ڏيکاري ٿي ته ڪهڙي وقت علاج ڪجي ۽ ڪهڙي وقت مارجي. قدرت جي ڪارواين کي ڄاڻڻ ۽ انساني اڀياس جا ذريعا ميسر ڪرڻ کي سائنس سڏجي ٿو، انساني مقصدن جي ڇنڊڇاڻ ڪرڻ ۽ انهن ۾ ترتيب، ربط ۽ هم آهنگي آڻڻ کي فلسفو سڏجي ٿو. موجوده دور ۾ اڀياس جا ذريعا ۽ اوزار ايترا ته حد کان وڌيڪ وڌي ويا آهن، جو مقصدن ۽ آدرشن جي تشريح ۽ هم آهنگي انهن سان پڄي نه سگهي آهي. تنهنڪري اسان جي موجوده زندگي فساد ۽ انتشار جي زندگي بنجي وئي آهي. جنهن جو ڄڻ ڪو مطلب ئي ظاهر ڪونه ٿو ٿئي. هر ڳالهه، هر حقيقت ايستائين بي معنيٰ آهي، جيستائين ان جو تعلق انساني ارادي ۽ خواهش سان قائم نه ڪيو ويو آهي ۽ اها ايستائين نامڪمل پڻ آهي، جيستائين ان جي نسبت ڪنهن مقصد ۽ ڪنهن ڪُل سان قائم نه ڪئي وئي آهي. تنهنڪري، فلسفي کان سواءِ، سائنس جون ڳالهيون ۽ حقيقتون، مقصديت ۽ پيش منظر بنا اسان کي موتمار خطري ۽ پيانڪ نااميدي کان بچائي نٿيون سگهن. سائنس اسان کي ڄاڻ ڏئي ٿي، پر فقط فلسفو ئي آهي، جيڪو اسان کي ڏاهپ ۽ حڪمت ڏيئي سگهي ٿو. فلسفي ۾ خاص طرح هنن پنجن قسمن جو مطالعو ۽ بحث موجود آهن، ۽ ان مطالعي ۽ بحث جو مطلب ئي فلسفو آهي، يعني منطق، جماليات، علم اخلاق يا اخلاقيات، علم سياست ۽ مابعدالطبعيات.

منطق خيال ۽ کوجنا جي مثالي طريقي جو مطالعو آهي. مشاهدو ۽ غور ويچار، سبب ۽ نتيجو، مفروضو ۽ تجربو، عدد ۽ جمع انساني سرگرميءَ جون اهي شڪليون آهن، جن کي منطق سمجهڻ جي ڪوشش ڪري ٿو ۽ اسان جي رهنمائي ڪري ٿو. اسان گهڻن اهيو مطالعو شايد ڪيو هجي پر انساني فڪر

جي تاريخ ۾ عظيم واقعا انساني سوچ تحقيق جي طريقن ۽ واڌارن ۽ سڌارن جي ڪري ٿيا آهن.

جماليات، آدرشي/مثالي صورت ۽ حسن جو مطالعو آهي، ان کي فن لطيف جو فلسفو به چئجي ٿو.

علم اخلاق، آدرشي/مثالي چال چلت جو مطالعو آهي. سقراط جو چڻ آهي، ته سڀ کان اعليٰ علم اهو آهي، جنهن جو واسطو چڱائيءَ ۽ برائيءَ جي علم سان آهي، زندگيءَ جي حڪمت جو علم اهو ئي آهي.

علم سياست، معاشرتي زندگيءَ جي آدرشي ۽ مثالي نظام جي اڀياس کي چيو وڃي ٿو. (اهو علم، جيئن عام طرح سمجهيو ويندو آهي، ڪنهن عهدي کي حاصل ڪرڻ ۽ قائم رکڻ جو علم نه آهي) سلطنت، آمريت، جمهوريت، اشتراڪيت، انارڪيت ۽ فيمينزائزم عورت جي حقن وارو نظريو، اهي سياسي فلسفي جا اهم پهلو آهن.

عمر ۽ مارئي جو داستان

سهيڙيندڙ اويس ڦل 3rd Year MBBS

عمر ۽ مارئي جو داستان وطن جي حب ۽ محبت جو داستان آهي. سنڌ جي هڪ ڳوٺاڻي نياڻي جي ست سيل ۽ سنڌ جي هڪ عادل بادشاه جي صبر ۽ انصاف جو داستان آهي. جهوپڙن ۾ رهندڙ مارن ۽ جهانگين جي ڏکي مگر آجي ۽ محبت پري رهڻي ڪهڻي جي شهرن ۽ ماڙين ۾ رهندڙن جي سک ۽ عيش واري مگر پابند زندگي تي فوقيت جو داستان آهي. هي سنڌ جي غريبن جي اشرافت ۽ خود داري جو داستان آهي. بلڪ سنڌ جي اعليٰ سماجي قدرن جو آئينو آهي، جنهن ڪري صدين کان وٺي سنڌ ۾ هنڌين ماڳين ۾ مشهور ۽ مقبول رهيو آهي.

عمر سومرو همير جو پٽ هو، سومرن جي زوال واري دور ۾ عمر سومرن جو پنجويهون حاڪم ٿيو، جنهن سمن حاڪمن جي تحت عمر ڪوٽ ۾ ٿر واري علائقي ۾ سرداري ڪئي.

مارئي جو وڏو ڏاڏو ”مهڙ“ هو، ڏاڏو ’ڦل‘ ۽ ’لاکو‘ پيءُ جو نالو هو.

ڦوڳ نالي هڪڙي شخص، مارئي جو سڱ سندس مائٽن کان گهريو، پر مارئي جي مائٽن اهو سڱ پنهنجي عزيزن مان هڪ کي ڏئي ڇڏيو. پوءِ اهو ڦوڳ فريادي ٿي

عمر سومري وٽ دانهن ڪڍي ويو. جڏهن عمر وٽ پهتو ته حقيقت بيان ڪرڻ وقت مارئي جي سونهن صفائي جي ساراه ڪرڻ لڳو ۽ عمر کي چيائين ته آئون انهي سڱ تان دستبردار آهيان، توهان کيس پنهنجي محل ۾ داخل ڪريو. هو اهڙي ته سهڻي آهي جو منجهانئس نگاه ڪڍڻ به مشڪل آهي. عمر هڪڙي تڪي اٺ تي سوار ٿي، مارن جي ملڪ ڏانهن روانو ٿيو. جڏهن مارئي تي نظر پيس ته اڪيون جهڪن نه پيون. ڪيترا ڏينهن اتي تاڙ ۾ ويٺو رهيو. جڏهن وجهه مليو تڏهن مارئي کي اٺ تي اڏائي آڻي عمرڪوٽ مان ڪڍيائين.

ان زال کي هزارين شاباسون ۽ جس هجن، جنهن پنهنجي سيل ستر بچائڻ لاءِ پاڻ پتوڙيو. عمر جي طرفان کيس گهه گنا، زيور، ڪپڙا ۽ ست اڇيو آڇيون ڏنيون ويون، ڊپ خوشيون ڏيڪاريون ويون، مگر هو ڪنهن به ڳالهه تي راضي نه ٿي. عمر کي ايئن چوندي رهي ته اهو ڪهڙي مذهب ۾ روا آهي ته پنهنجي مڱيندي جو حق پيڇي، تنهنجي بي بقا اسبابن جي چٽڪن تي لڳي ريجهي وڃان، پوءِ آخرت جي ڏينهن هلي شرمسار ٿيان. عمر جڏهن هن جي آهن دانهن کان متاثر ٿيو، تڏهن هڪ سال بعد سندس مڙس کي گهرائي گهن گهن سميت ٻانهن ان جي حوالي ڪيائين ۽ کيس مارئي جي پاڪدامن هجڻ جي به تسلي ڏنائين. جڏهن مڙس ان کي وٺي ملڪ پهتو، ته ان جو شڪ زال مان نه لٿو. آڻي ويلي کيس طعنا پيو هڻندو هو. هڪڙي ڏينهن اها خبر عمر کي وڃي پئي، جنهن تي کيس تڪليف پهتي ته ڇا منهنجو صبر، ڇا مارئي جي پنهنجي بچائڻ جي مضبوطي ان جي هنن بيوقوفن کي ڪوبه قدر ڪونهي! سو ڪاوڙجي هڪ وڏو لشڪر ماروڙن تي ڇاڙهيائين ته وڃي سڄو ملڪ تاراج ڪري ڇڏيو. جڏهن اهو لشڪر ملڪ ۾ پهتو ته ماروڙا حيران ٿي ويا ۽ پڇيائون ته هي فوج ڪنهنجي آهي ۽ ڇا جي لاءِ آئي آهي؟ عملدار چيو ته، توهان مارئي جي پاڪدامني تي ويساه نٿا ڪريو ۽ ان جو مڙس مهڻن طعنن سان مارئي کي روز ٿو وڃي، جنهن کان بادشاهه توهان جي تباهي جو حڪم ڏنو آهي ته ان نموني منهنجي بدنامي ٿيندي ٿي رهي، اهي ماڻهو ئي هت نه هجن.

پوءِ مارئي پنهنجي قبيلي جي ماڻهن کي دلداري ڏئي ڪي وڏڙيون عورتون پاڻ سان گڏ وٺي عمر جي خدمت ۾ پهتي، جتي عمر کي چيائين ته ”تون هڪ حاڪم آهين، تو کي لازم نه هو ته پراني ڄاڻي کي هڪ سال پنهنجي ڊپڙ ڏونس سان بندي ڇڏين، پوءِ به بدنامي کان ڪاوڙجي پنهنجي لشڪر هٿان غريبن کي مارائين ٿو، ماڻهن جا وات ڪير به بند ڪري نٿو سگهي. آءُ به ته انهي ڪري ئي سهن جي منهن ۾ آهيان. جي اهڙو ڪم نه ڪرين ها ته ڪير توکي بروپلو چئي ها ۽ ڇو منهنجو مڙس مون

ڪان شڪي رهي ها ۽ وري حملو به اسان تي ڪرايو اٿئي، انصاف ڪر ته ان ۾ ڏوه ڪنهن جو آهي؟ ”مارئي جي اها ڳالهه دل سان ٻڌائين ۽ ڏاڍو پڇتائين. لشڪر کي واپس گهرايائين ان سان گڏ مارئي جي مڱيندي اڳيان قسم سنهن ڪيائين، جيئن ان جي دل مان غير نڪري وڃي پوءِ ان ستوان زال مارئي به هندو دستور موجب پاڻ تي قسم جي پرڪا قبول ڪئي، جيئن سڄي ڪڙم تان بدنامي جو ٽڪو ميسارجي وڃي. فيصلو ڪيائون ته مارئي جي پرڪا وٺجي. باهه ۾ لوهه تپائي ان جي گردن ۾ وجهجي، جي هن کي ڪا لهس نه اچي ته سمجهو ته پاڪ آهي. پوءِ ان الزام ڏيڻ کان باز رهجي، جيئن اهو داغ هميشه لاءِ مٿانئس لهي وڃي. جڏهن اها حقيقت مارئي کي ملي ته ان خوشي سان انهي آزمائش کي قبول ڪيو. پوءِ سڀني گڏجي مڇ ٻاريو. مارئي طوق پائڻ جي بجاءِ پنهنجي پروردگار جي آسري تي باهه جي هڪ ڇيڙي کان ٻئي ڇيڙي تائين ٽانڊن مٿان اڪري وئي ۽ ان جو وار به ونگو نه ٿيو. پوءِ عمر جو اڳي شرمسار ٿيو بيٺو هو. سو خوش ٿيو، ڇو ته مٿانئس ملامت لهي ويئي ۽ مارئي جي مڙس جي دل به صفا ٿي وئي.

خاموش نگاهه

(ناول)

عبدالخالق شر
3rd Year MBBS

ايم بي بي ايس جي پهرين سال جي شروعات ۾ اينائامي جي ڊپارٽمنٽ ۾ منهنجون معصوم نظرون اوهان جي اداس چهري تي پيون هيون. جڏهن تون پنهنجي گروپ جي چوڪرين جي وچ ۾ ائين وڪوڙيل هئي، ڇڻ ته چوڏهين جي چنڊ کي ڪارن ڪڪرن گهيري ورتو هجي، ۽ تنهنجا برفيلا نين ڇڻو طرف ڪمري جي ظالم پيٽن سان سمنڊ جي چولين وانگر ٽڪرائي رهيا هيا.

تون مونکان ڏيڊ انچ ننڍي هئي توکي ڦڪي رنگ جو حجاب نيرو چولو جيڪو زمين کي هر هر ڇهن جي ڪوشش ڪري رهيو هيو، ۽ ناسي ڇمپيل پاتل هئي ان مٿان اچو اڀران جيڪو ڪنهن ميڊيڪل شاگرد جي نشاني ڏئي رهيو هيو.

تون بلڪل ست (7) رنگي لڳي رهي هئي. تنهن وقت ۽ هيل تائين تون پنهنجي ٻانهن جو ڪپرو ڪنهن ويڙاڪ وانگر مٿي ڪري هلڻ ۽ اهو تنهنجو فلمي هيروئن وانگر هلندي هلندي ڪنڌ کي پوئتي ڪري ڳالهائڻ ۽ تنهنجي چولي جا پاڇا زمين سان ائين رڳڙيا هئا چڻ ڪو اسرائيلي فلسطينين کي بيدردي سان گهلي رهيو هجي ۽ ان مان ڪٽوڻ جهڙي مٿي مٿي اڏامندي رهندي هئي ۽ ان وڪريل ڪلاس ۾ منهنجو توکي چوري چوري ائين ڏسڻ چڻ ڪو ظالم ڪنهن بيگناهه کي مارڻ لاءِ ڳوليندو هجي.

جڏهن تون منهنجي نظرن کان گم ٿي ويندي هئي ۽ منهنجون نظرون ڪنهن اڃايل پڪي وانگر ائين ڳولينديون هيون چڻ ڪنهن بيواهه جو اڪيلو پٽ ڪسڪي ويو هجي.

مان بس ان ماضي ۾ توکي رڳو ڏسندو رهيس چڻ سمند جي وچ ۾ رهي پياسو رهيس. مون توکي حجاب ۾ به بي حجاب ڏٺو.

نيٺ اوهان جون شرميلون قاتل نگاهون مون تي شڪ ڪرڻ لڳيون ۽ منهنجو اهو ڪاليج جي سرخ پتين تي ٽيڪ ڏئي تنهنجي اچڻ جو انتظار ڪندو هيم ۽ اهو تنهنجو اوچتو اچڻ..... ڪنهن سونامي کان گهٽ نه هوندو هيو. ۽ سونامي ۾ مان اڪيلو ئي پڌندو هيس.

غازي ڪينٽين جي اڳيان اوهان جو اهو ڪراس ڪرڻ چڻ بي سهارا دنيا جي اڳيان سيارو گذري ويو هجي ۽ منهنجو هاسپيٽل ڪينٽين جي اڪيلائي واري ڪڇي جي وڻ هيٺيان چڻ ڪنهن ويران سمند جي وچ ۾ اهو منهنجو اڪيلو ٿي پڌڻ ۽ تنهنجو اتان بحري جهاز وانگر گذرڻ ۽ ڏسڻ کان لنوائڻ. شايد توکي ياد هجي پر مونکي پڪو ياد آهي.

بائيوڪيمسٽري جي سيمپوزيم ۾ توهان جو گروپ ڪنهن ٽاپڪ جو اثر هيو سو سوالن جي ڪنهن جنگ وانگر ڏي وٺ هئي.

مون کي ڪنهن چيو اڄ بهترين موقعو اٿي ڳالهائڻ جو. دل جي ڌڙڪن تيز ۽ پگهر ڪنهن سانوڻ مينهن وانگر ڦڙ ڦڙ ٿي ڪري رهيو هيو.

تنهنجو مونکي ڏسي لڪڻ لڳي هئي چڻ مان ڳڙو ٿي وڃڻ وارو هيس.....

ڊگري فقط کاغذ جو ٿڪرو!

ڇا اهو سچ آهي ته ڊگري فقط کاغذ جو ٿڪرو آهي هي هڪ جيءَ جهوپونڊڻ دل آزاريندڙ ۽ بيروزگارن جي دلين ۾ آهون پيدا ڪندڙ هڪ منفرد عنوان آهي. اها هڪ عام چوڻي آهي ته، جيڪڏهن ڪنهن شيءَ جي اهميت معلوم ڪرڻي هجي ته، ان جي سڪايل کان پڇو. والدين جي اهميت معلوم ڪرڻي اٿو ته والدين جي محرومن کان پڇو. اولاد جي اهميت معلوم ڪرڻي اٿو ته، بي اولادين کان پڇو. ماني جي اهميت معلوم ڪرڻي اٿو ته بڪايل کان پڇو ۽ جيڪڏهن ڊگري جي اهميت معلوم ڪرڻي اٿو ته ڊگري يافته بيروزگار کان پڇو.

اڄ جو دور هڪ سفارشي دور آهي جنهن ۾ ڪجهه پنسا ڏيڻ واري يا ڪنهن سفارشي ماڻهو کي ته، روزگار ڏنو وڃي ٿو پر هڪ سٺي يونيورسٽي مان ڊگري رکندڙ شاگرد کي دلاسن تي رهايو وڃي ٿو. ان مان ڊگري جي اهميت صاف ظاهر آهي. غور ڪريو ته هزارين ڊاڪٽر هٿ ۾ کاغذ جو ٿڪرو کڻي ددر جا چڪر کائڻ رهيا آهن بهترين يونيورسٽين جا پوزيشن هولڊر شاگرد گهر ۾ ويهي وقت گذاري رهيا آهن. صرف ان ڪري ته انهن وٽ کاغذ جو ٿڪرو ته موجود آهي پر سفارش نه. اڄڪلهه خودڪشي جو اهم ڪارڻ صرف بيروزگاري آهي ته اها بيروزگاري ڇا جي ڪري آهي. ان جو اهم سبب آهي سفارش نه هجڻ اسان جي نوجوانن وٽ پوزيشنون ته آهن پر سفارش نه آهي جيڪا هنن جي محنت کي رنگ لائي. غور ڪريو ته هڪ شاگرد پنج سال محنت ڪري ٿو ان کان پوءِ ٻه سال ڪاليج ۾ محنت ڪري ٿو ۽ اتي هن جو رڪارڊ سٺو آهي. اڃان به وڌيڪ هو يونيورسٽي ۾ وڃي ٿو. پوزيشنون کڻي ٿو پر آخر ۾ هن کي صرف کاغذ جو هڪ اڇو پنو ڏنو وڃي ٿو پر ان جو هن کي فائدو نه ٿو ملي ڇو ته، جتي به هي پنهنجو پنو کڻي وڃي ٿو ته ان کي اهو جواب ڏنو وڃي ٿو ته توهان هن نوڪري لاءِ اهل ناهيو پر جيڪڏهن اتي هڪ مئٽرڪ بار بار فيل ڇوڪرو اچي ٿو ۽ هن لاءِ صرف هڪڙي فون جي گهٽتي وڃي ٿي ته، اتي ان جو چيو وڃي ٿو ته، توهان هن روزگار لاءِ هر طرح سان اهل آهيو هاڻي ٻڌايو ته هڪ محنتي ڇوڪرو ڇا ڪري. دنيا هن کي مهيا ٿي ڏني. گهروارا هن کي گهر ۾ رهن نه ٿا ڏين هڪ جيڏا دوست هن کي

توڪين ٿا ته هو ويچارو غريب محنتي چوڪرو ڇا ڪندو ظاهري ڳالهه آهي ته خودڪشي ڪندو ڇو ته هن وٽ ڊگري ته آهي، پر سفارش نه آهي. اسان اهڙا ڪيترائي نوجوان ڏٺا آهن جيڪي ڊگريون هوندي به پريشان آهن ته پوءِ اسان انهن ڊگريين کي ڪاغذ جو ٽڪرو نه ڇڻون ته ٻيو ڇا ڇڻون ڇو ته جيڪڏهن نوڪري ملندي ته صرف سفارش يا پئسن وارن کي ملندي يونيورسٽي جي پڙهيل چوڪري کي ته هاڻي ڪنهن بئنڪ ۾ ڪلارڪي ملڻ به مشڪل آهي پر هڪ آن پڙهيل جاهل کي هڪ آفيسر جي عهدي تي رکيو وڃي ٿو. ڇو جو ته هو امير آهي ۽ هڪ ڊگري رکندڙ فقط غريب ۽ ان پڙهيل تصور ڪيو وڃي ٿو.

ڇا اسان به اهو ڇڻون ٿا ته ڊگري فقط ڪاغذ جو ٽڪرو نه آهي جيڪڏهن ڊگري هوندي ته ڪاغذ اسان کي نوڪري ملي ويندي نه ته ڪڏهن به نه.....

ثناء الله عباسي

3rd Year MBBS

غزل

(شيخ اياز)

قيد هستي کي ڪئين ڏاهيان مان،
 ماريءَ جي پڪار آهيان مان.
 اڄ ته ٿڪجي پيو آهيان مان،
 زندگي جي ڳالهه ڳايان ڪنهن سان.
 ڪئين گلن بهار سان گڏجي،
 آهيان واپس ٿو ڏاهيان مان.
 زندگي ٿي وئي آءٌ مڙو گيت،
 ڪئين ڪنول سان پيو نبهائين مان.
 عمر گذري وئي اياز _____ لا،
 مون نه ڄاتو ته ڇا آهيان مان

سهيڙيندڙ
 نبيل عثمان سومرو
 3rd Year MBBS

شاعري

ماڪ ۾ ميندرا، ڪاڪ روئيندي رهي.
مينهن موٽي ويا، ڏينهن اڀري لڻا،
تون نه آئين ڪهي، وه لڳي ٿي وئي.

سانورا! تو سوا چانورا ڇا ڪبا؟
لوءِ تنهنجي لڏي، لوءِ لڳندي رهي.
او وڃان مان وڃان، ڪئين پيرو پڃان،
سج ويندو لهي، پير ويندا ڊهي.
ڪنهن به اولار بيهي نه ڄاڻو پرين،
تون نه ميهار آهين، نه وت آهي.
سراياڙ اڄ ڏٺو، ڪنهن نه ڄاڻو ته ڇو!
رت اڏيءَ تان اڏيو، سنڌ ڏسندي رهي.

نور صبا
3rd Year MBBS

صبح جو سلام

ماڪ جا موٽي هن صبح جي،
سرهان تي جهومي توهان جي ياد،
جهميون پائي توهان کي سلام،
دعاون تحفي طور ڏئي رهيا آهن،
صبح جو قرب ڀريو سلام انهي دعا،
سان ته شال جتي هجو سڪيا هجو.

چونڊ زرڪا مري
3rd Year MBBS

شاعري

او ڪاهه ۾ ڪونجڙو! —

ترسو مان به هلاڻ!

سائي ساري ديس ۾ منهنجو ڪونه ٿيو،

ترسو مان به هلاڻ!

ڏوري مون کي ڏور ڪو پنهنجو ڏيهه ڏيو!

ترسو مان به هلاڻ!

ڇو ڌرتيءَ جي ڏور ۾ مون کي پنڌ پيو!

ترسو مان به هلاڻ!

ڪنڀڙائين کان اڄ ڪٿي مون کي ساٿ نيو!

ترسو مان به هلاڻ!

ترسو مان به هلاڻ!

چونڊ؛ وفا شاه

3rd Year MBBS

شاعري

مون ته مـحبت جي نشي ۾ هن کي خدا ڪري ڇڏيو!
هوش تڏهن آيو جڏهن هن چيو ته، خدا ڪنهن هڪ جو ته ناهي.

روئل اڪڙين ۾ ڪجل ڪهڙو هوندو،
سڪل ڪينجهل ۾ ڪنول ڪهڙو هوندو،
جنهن کي نظرن جا تير تو هنيئا،
اهو سڪ سان ستل ڪهڙو هوندو.

پرين پيار تنهنجو وساري نه سگهندس ڪڏهن،
دل مان توکي ڌڪاري نه سگهندس،
اها جان تنهنجي امانت آ مون وٽ،
ڪڏهن جان پئي تان مان واري نه سگهندس.

عبدالغفار ڪانهر
3rd Year MBBS

سُر ڪيڏارو

سائين شاهه عبداللطيف ڀٽائي
ڪربلا جي واقعي بابت

ڏٺو مُحَرَّمُ ماہ، سَنَڪو شَهزادن ٿيو؛
ڄاڻي هيڪُ اَلله، پاڻ وَڻنديُون جو ڪري.

سَخِتي شَهادَتَ جي، مَرُونِي مَلا رُ؛
دَرو ناهِ يَزِيدَڪي، اِي عِشَقَ جَو آڻارُ؛
ڪُسنَ جو قَرارُ اَصُل اِمانِ سين.

ڪَربَلا جي پَرَم، خِيما ڪوڙيائون؛
جَهِيزو يَزِيدَ سامهون، جُنبي جوڙيائون؛
مُنهن نہ موڙيائون، پَسي تاءِ تَرارِ جو.

ڪامِل ڪَربَلا م، آيا جُنڪُ جُوان؛
دَرتي دُبي، لَڙي، ٿُرَليا آسمانُ؛
ڪَڙه هُئي ڪان، هو نَظارو نِينهن جو.

دوست ڪُهاڻي دادُلا، مُحِبَ مارائي؛
خاصَن خَليلَن ڪي، سَخِتيُون سَهاڻي؛
اَلله اَلصَّمَدُ بي نيازُ سا ڪَري، جا چاهي؛
انُهين مَنجَھ آهي، ڪا اُونهي ڳالھ اِسرائِ جي.

ڪُوفي ڪَربَلا م، پاڻي نہ پيارين؛
اُتي عَلِيءَ شاه ڪي، شَهزادا سارين؛
نَڪريو، نِهارين؛ چَرَم، مِيرَ مُحَمَّدَ عَرَبِي!

ڪَڪرا ڪَربَلا جا، مادرِ ٿي ميڙياس؛
قُٽن تان رَتَ قُڙا، عَلِيءَ ٿي اُگهياس؛
مَرُئي معافُ ڪَياس، خالقَ بَدلي خُونَ جي.

جَنَّتْ سَنَدِينِ جُوءَ، فَانْقَ هَلِيَا فِرْدَوْسَ دِي
 فَاِنِّي يَا 'فِي اللَّهِ' مَرِ هُوءَ سِينِ ثِيَا هُوءَ
 رَبِّ: دِيكَارِينِ رُوءَ، اُنِينِ جِي احْسَانِ سِينِ!

حَسَنَ، مِيرَ حُسَيْنَ جُوءَ، جِن نَه هِنَمُوتِي جَارَ
 خَالِقِ، رَبِّ جَبَّارَ، كِينِ مَرِهِينْدُو تَنِ كِي.

محمد رضا لغاري
 3rd Year MBBS

شاعري

محمد ميديڪل ڪاليج هڪ خوبصورت جهنگ آهي،
 جتي بهادر شينهن معصوم هرئين جي پرڪشش نظرن سان ماريا وڃن ٿا.

جيڪا عمر محبوب جي آغوش ۾ آرام ڪرڻ،
 ۽ محبوب جي سونهري زلفن ۾ آڱوريون ڦيرائڻ جي هوندي آهي،
 اها عمر اسان پڙهندي پڙهندي گذاري ڇڏي.

سشفیق احمد ڳورڙ

1st Year MBBS

شاعري

تو ۾ لحاظ ڪونهي
 تنهنجو وقار ڪونهي
 تنهنجي ملڻ جو اڄڪلهه
 ساڳيو انداز ڪونهي
 راڳي جو روح زخمي
 سر ۾ ڪو ساز ڪونهي
 نئين کان روح تائين
 رستو دراڙ ڪونهي
 صورت جو ڀلو آپر
 الفت نواز ڪونهي
 ايليس آ جنهن دل ۾
 نوڙت نياز ڪونهي
 ايڏيون وڻيون وڏائي ڄڻ
 جنيرو وقار ڪونهي
 وقار احمد ميمڻ

3rd Year MBBS

مذاحيه شاعري

مان پيار جي ڀڄ تي شوق جا شات
 ڪيڏن آيو هيس، عشق جي امپائر
 مونکي صلاح ڏني ته، وفا جي وڪيٽ جو خيال ڪجان،
 نه ته قرب جا قاتل ڪيچ پڪڙڻ لاءِ تيار بيٺا اٿئي.
 مان چاهت جو چوڪون هئڻ جي چڪر ۾ هيس
 مگر وقت جي بي رحم بالر مونکي پهرين بال تي آئوٽ ڪري ڇڏيو،
 ۽ مان زندگي جي ميج هارائي ويس

ذو هيب خواجه

3rd Year MBBS

شيخ اياز

سنڌ جو ترانو

سنڌو ديش جي ڌرتي توتي پنهنجو سيس نمايان،
 مٽي مٽي لايان،
 ڪينجهر کان ڪارونجهر تائين توکي چشمن چايان،
 مٽي مٽي لايان،
 گيت به مون وٽ تنهنجا ماتا! بيت به تنهنجا پايان،
 مٽي مٽي لايان،
 سارا سڌ پڙاڏا، تنهنجا وائي ۾ ورنايان،
 مٽي مٽي لايان،
 سر سر چن ساون ۾ سنڌو لهر لهر لڪايان،
 مٽي مٽي لايان،
 تنهنجي مٽي منجهم ملان، جي آئون امرتا پايان،
 مٽي مٽي لايان،
 سنڌو ديش جي ڌرتي توتي پنهنجو سيس نمايان،
 مٽي مٽي لايان،

چونڊ؛ سمنبل ميمڻ

3rd Year MBBS

دُنيا مونکي ڇو ياد ڪري

نہ مان مائو، نہ هوچي منہ، نہ ستار اید هي آهيان،

هڪ ماستر، سوچن مرءُ ڇوڻ مرءُ، وڏو ڊاڪٽر آهيان.

نوڪري ڪري پيٽ پاليو، نہ ڪنهن مونکي سنڀاليو، نہ مان ڪنهن کي سنڀاليو،

بدن مر اهو آيو، مان وڏو انسان ذات جو همدرد آهيان.

ڊيوٽي کي ايمان سمجهيم، ماڻهن رُخ ڪيو مسجدن، مندرن، ۽ ڪليسانن جو،

يار پاڻ رُخ ڪيو تعليمي ادارن جو، ماڻهن مان مسيحا ٺاهڻ آيو آهيان.

نہ مان رنگ، نہ ذات، نہ مذهب، نہ فرقو، نہ ڪنهنجي قوميت ڏنم،

جو آيو، سو اگهيو، چون ٿا مان وڏو ايماندار آهيان.

ڪنهن مُرڪي ڏٺو، من منهنجو مِهڪي اٿيو، جن ماحول هي سڄو سُونهن سان

سينگارجي اٿيو،

پيار، چاهت، عشق، محبت جو وڏو علمبردار آهيان.

موت کي بہ مُرڪندي آڌر پاءُ ڪنداسين، سنڌ تنهنجي لاءِ هي سام سڀ ويسا بہ ڏ

ينداسين.

ٻُڌن مر اهو آيو آهي، مان غلام آزاد ٿيو آهيان.

ڊاڪٽر جي آر پڙڳڙي

عشق ۽ غلام

عشق آيو نه وقت، نه پهر، نه ڏينهن ڏٺو هن
 غلام غلامي ۾ جڪڙيو، ڪجهه نه ڏٺو هن
 عشق آهي بي لغام گهوڙو، آيو وڏا واکا ڪري
 دل آهي ڪنهنجو، ڪهڙو، ڪٿي، نه ڏٺو هن
 غلامي سوچي، سمجهي، زنجيرن سان جڪڙيو
 پنهنجي خاطر، ماڻهپو، انسانيت، جاندار، نه ڏٺو هن
 عشق رُلاني، رو نراي، جوڳي بنائي بين وچرائي،
 عمر، جنس، ذات، پات، پک، ڏک، نه ڏٺو هن
 غلامي اندو، گونگو، پوڙو، مفلوج بنائي گهمايو
 قدم، بت، طاقت، سام، ويسام، سوچن کي به نه ڏٺو هن

ڊاڪٽر جي آر پرڳڙي

GROUP PHOTOS



LUMHS VISIT



Memories of Muhammad Foundation Trust



Memories of Muhammad Foundation Trust



Memories of Chairman
Muhammad Foundation Trust

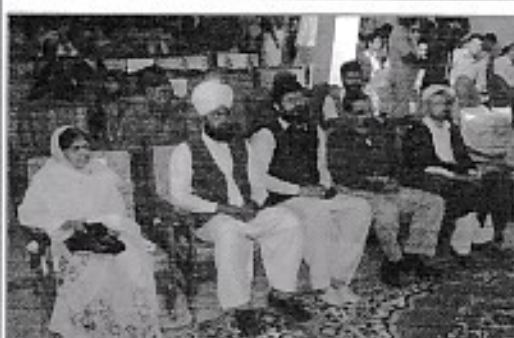


Memories of Chair Person Muhammad Foundation Trust



یہ وہاں سے لے کر ان کے گھر تک ہر ایک شخص کی تصویر ہے جو اس موقع پر شریک ہوئے۔ یہ سب تصاویر ان کے گھر سے لے کر ان کے گھر تک ہر ایک شخص کی تصویر ہے جو اس موقع پر شریک ہوئے۔

Memories of Chair Person
Muhammad Foundation Trust



Memories of Chair Person Muhammad Foundation Trust



MUSICAL FUNCTIONS 2017



MUSICAL FUNCTIONS 2017



MUSHAIRA 2017



MUSHAIRA 2017



SYMPOSIUM 2016



SYMPOSIUM 2016



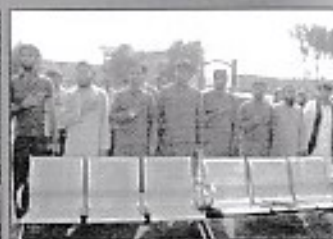
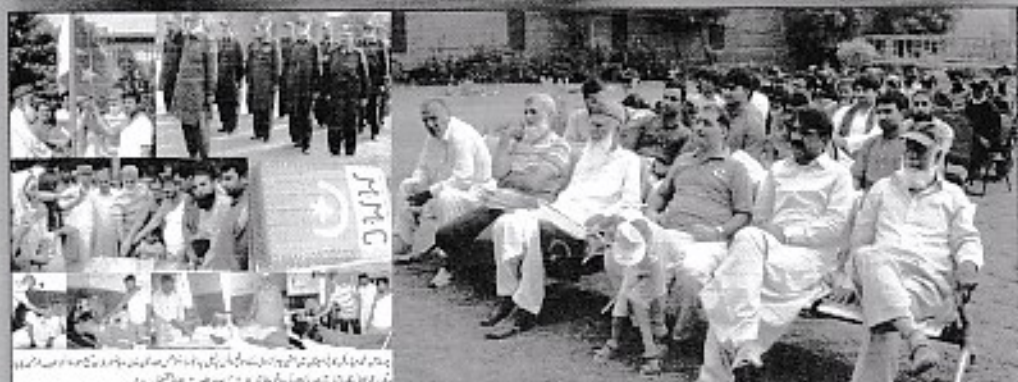
GASTRO CONFERENCE 2016



GASTRO CONFERENCE 2016



14TH AUGUST 2016



VISIT OF U.S. CONSULATE GENERAL KARACHI



MILAD 2016



STUDENTS PARTY 2014



SYMPOSIUM 2014



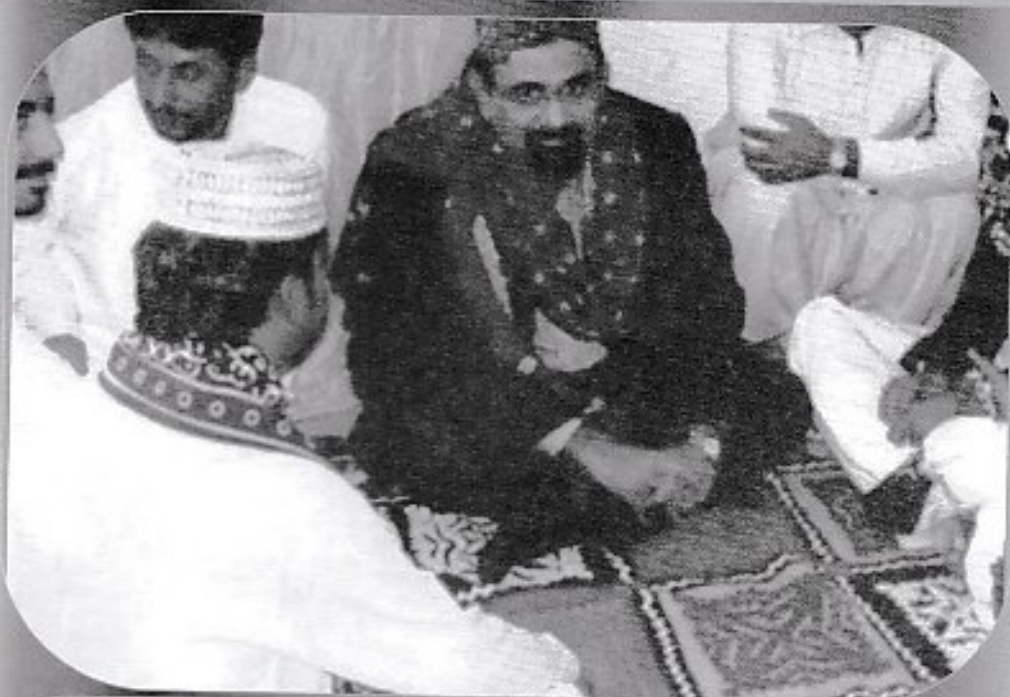
SPORTS DAY 2014



DAY ONE CEREMONY



CULTURE DAY 2014



YOUM-E-HUSSAIN 2014



MILAD 2014



SPORTS WEEK 2013



FLOWER DAY 2013



CULTURE DAY 2013



AWARD & FOREVER PARTY 2013



AWARD & FOREVER PARTY 2013



AWARD & FOREVER PARTY 2013



SYMPOSIUM 2012



SYMPOSIUM 2012



SYMPOSIUM 2012



SYMPOSIUM 2012



SPORT WEEK 2012



SPORT WEEK 2012



GASTRO SEMINAR 2012



GASTRO SEMINAR 2012



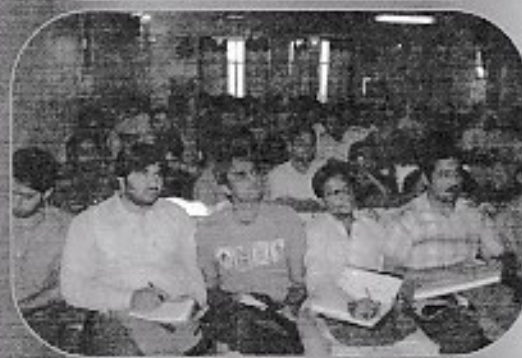
FAIRWELL PARTY 2012



CULTURE DAY 2012



B. L. S. PROGRAMME 2012



BASANT FESTIVAL 2012



SYMPOSIUM 2010



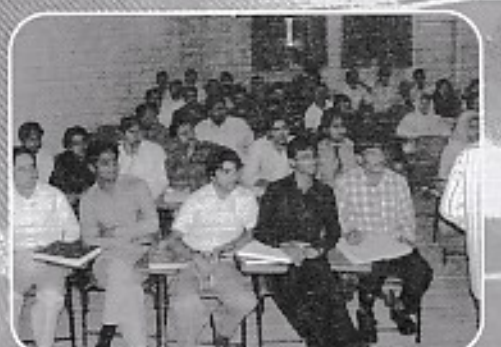
SYMPOSIUM 2010



MILAD 2010



WORKSHOP 2009



SYMPOSIUM 2007



SYMPOSIUM 2011



SYMPOSIUM 2014



SYMPOSIUM 2009



SPORT WEEK 2009



SEMINAR 2009

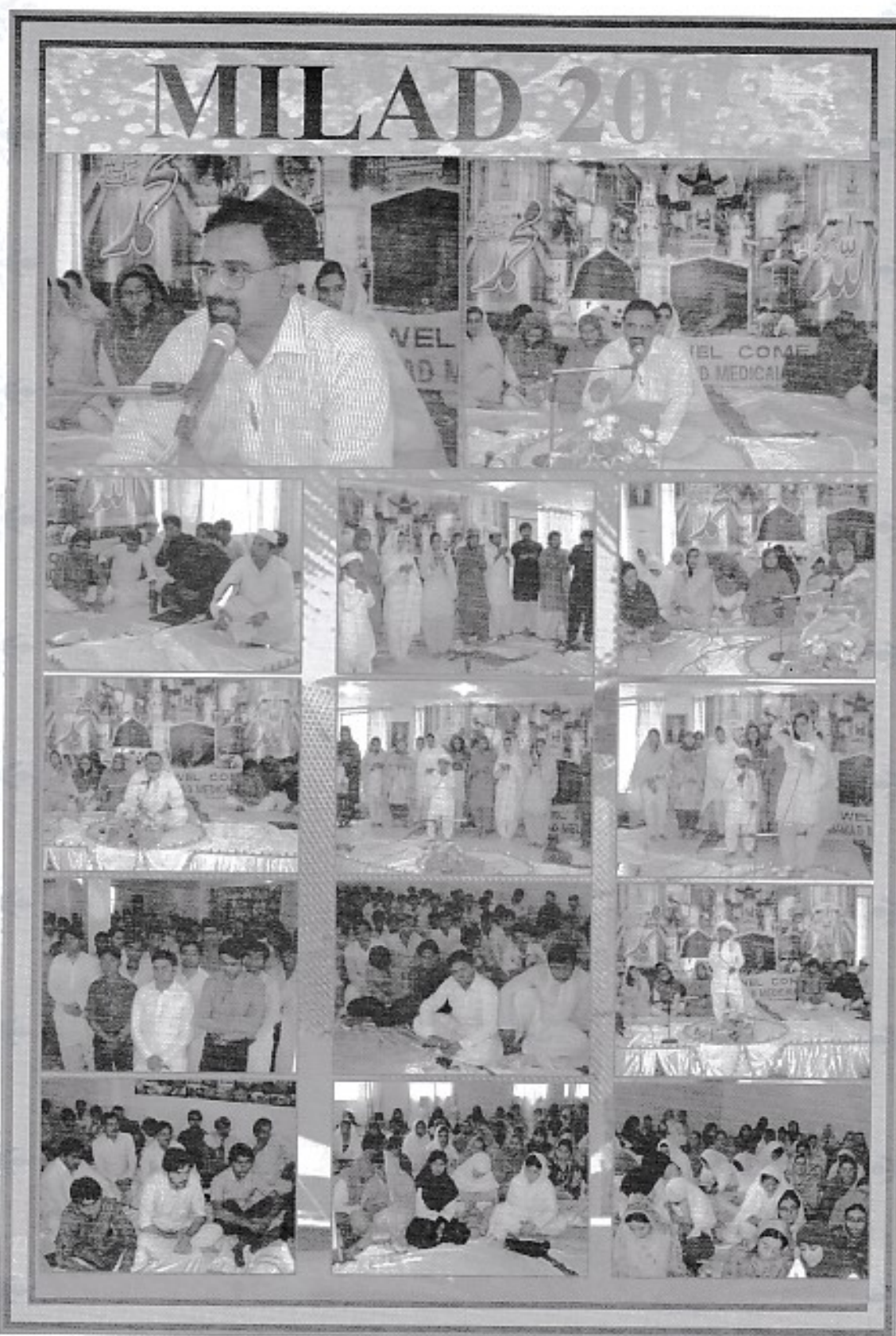


YOUM-E-HUSSAIN-2009



YOUM-E-HUSSAIN-2009





MILAD 2011



MILAD 2011



Extra Curricular Activities

Position Holders 2015

Final
Year



Azhar Farooq
1st Position



Anza Tariq
2nd Position



Shaista Arshad
2nd Position



Shamin Naseem
3rd Position

4th
Year



Tanzila Ashraf
1st Position



Meher-Un-Nisa
2nd Position



Hira Jabeen
3rd Position

3rd
Year



Muhammad Amir
1st Position



Danial Aziz
2nd Position



Shusta Akber
3rd Position

2nd
Year



Aiman Maqbool
1st Position



Saima
2nd Position



Uzma Bibi
3rd Position



M. Shah Jahan
3rd Position

1st
Year



Huzayfa Iqbal
1st Position



Ammara Khalil
2nd Position



Taimoor Afzal
3rd Position

Position Holders 2014



Syeda Bariha Zehra
1st Position



Anamta Rehman
2nd Position



Saman Butt
3rd Position



Azhar
1st Position



Qurat Ul Ain
2nd Position



Shaista Arshad
3rd Position



Anum Asif
1st Position



Hafiza Abeer
Ilyas
2nd Position



Hira Jabeen
3rd Position



Tanzila Ashraf
3rd Position



Muhammad Amir
1st Position



Danial Aziz
2nd Position



Hira Zahid
3rd Position



M. Shah Jahan
1st Position



Haroon Faiz
2nd Position



Faizan Abbasi
3rd Position

Position Holders 2013



M. Shahab Hanif
1st Position



Fariha Arshad
2nd Position



Arsalan Khan
3rd Position



Anamta Rehman
1st Position



Javeria Manzoor
2nd Position



Syeda Bariha Zehra
3rd Position



Qurat Ul Ain
1st Position



Anza Tariq
2nd Position



Shamin Naseem
3rd Position



M. Naem Yousif
1st Position



Hafiza Abeer
Ilyas
2nd Position



Khalid Nawaz
3rd Position



Alvena Butt
3rd Position



Danial Aziz
1st Position



Hafiz M. Shoaib
1st Position



Muhammad Amir
2nd Position



Sehar Iqbal
3rd Position

Position Holders 2012

Final
Year



Syeda Tahira Sherazi
1st Position



Farwa Khizar
2nd Position



Fatima Hameed
3rd Position

4th
Year



Fareeha Manzoor
1st Position



Arsalan Khan
2nd Position



M. Shahab Hanif
3rd Position

3rd
Year



Anamta Rehman
1st Position



Madiha Ilyas
2nd Position



Maryam Fatima
3rd Position

2nd
Year



Anza Tariq
1st Position



Qurat Ul Ain
2nd Position



Shaista Arshad
3rd Position

1st
Year



Hafiza Abeer
Ilyas
1st Position



Hira Jabeen
1st Position



Sonia Ajmal
1st Position



Khalid Nawaz
2nd Position



M. Salman
3rd Position

Position Holders 2011



Madiha Manzoor
1st Position



Sidra Khan
2nd Position



S.M. Ahmed Raza
3rd Position



Saif-ur-Rab
1st Position



Syeda Tahira Sherazi
2nd Position



Fatima Hameed
3rd Position



Arsalan Khan
1st Position



Sadia Ikhtlaq Baloch
2nd Position



M. Shahab Hanif
3rd Position



Madiha
Ilyas
1st



Serish
Nawaz
1st



Anamta
Rehman
2nd



Maryam
Fatima
2nd



Azra
Pervez
3rd



Javeria
Manzoor
3rd



Anam Channa
1st Position



Qurat Ul Ain
2nd Position



Samra Jabeen
3rd Position

Position Holders 2010



Hassan Nadeem
1st Position



Khatija Sundas
2nd Position



Javaria Mahmood
3rd Position



S.M. Ahmed Raza
1st Position



Abubakar Riaz
2nd Position



Rashad Shamsi
3rd Position



Fatima Hameed
1st Position



Mehreen
2nd Position



Amir M. Khan
3rd Position



M. Shahab Hanif
1st Position



Fareeha Manzoor
2nd Position



Arsalan Khan
3rd Position



Madiha Ilyas
1st Position



Schrish
2nd Position



Madiha Imtiaz
3rd Position

پوزیشن ہولڈرز 2009



Final Year



Sara
1st



Amatullah-Al-Khair
2nd



Ayesha Idrees
2nd



Maria
3rd



Fourth Year



Hassan Nadeem
1st



Javerai Mahmood
2nd



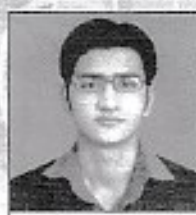
Mehwish Shafiq
3rd



Rabia Hameed
3rd



Third Year



Abubakar Riaz
1st



Sidra Khan
2nd



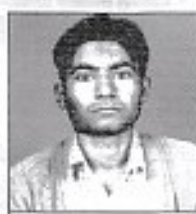
Rashad Shamsi
3rd



M. Ahmed Raza
3rd



Second Year



Muhammad Shahid
1st



Fatima Hameed
2nd



Mehreen
3rd



First Year



Arasalan Khan
1st



Shahab Hanif
2nd



Nudrat Farooq
3rd



Sadia Ikhtlaq Baloch
3rd

Tuaha Taseer
3rd

پوزیشز ہولڈرز 2008



Final Year



Mehtab Iqbal
1st



Anita Rathore
2nd



Huma Shoukat
3rd



Fourth Year



Sawina
1st



Maria
2nd



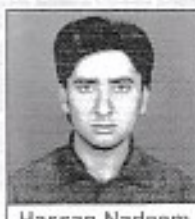
Ayesha Idrees
3rd



Third Year



Mehwish Shafiq
1st



Hassan Nadeem
2nd



Javerai Mahmood
3rd



Second Year



Rashad Shamsi
1st



Muzafar Shoaib
2nd



Abubakar Riaz
2nd



Hassan Shoaib
3rd



First Year



Fatima Hameed
1st



Muhammad Shahid
2nd



Amir Muhammad
(3rd)

Position holder 2007



Sana
1st Position



Faisal Irshad
2nd Position



Allah Din
3rd Position



Huma Shoukat
1st Position



Anita
2nd Position



Marvi Laghari
3rd Position



Ayesha Idress
1st Position



Sawina
2nd Position



Salman
3rd Position



Javaria Mehmood
1st Position



Mehwish Shafique
2nd Position



Humaira Shabbir
3rd Position



Muzaffar
Shoaib Mal
1st Position



Shazia
Parveen
2nd Position



Sidra Khan
2nd Position



S.M. Ahmed
Raza
2nd Position



Abubakar Riaz
3rd Position

POSITION HOLDERS 2006

FINAL
YEAR



Asia Batool
1st Position



Hina Khan
2nd Position



Yasir Sindhi
3rd Position



Sana
1st Position



Shirin Khan
2nd Position



Faisal Irshad
3rd Position

FOURTH
YEAR



Huma Shaikat
1st Position



Marvi Laghari
2nd Position



Anita
3rd Position

THIRD
YEAR



Maria
1st Position



Sawina
2nd Position



Avesha
3rd Position

SECOND
YEAR

FIRST
YEAR



Jaweria Mahmood
1st Position



Ahsan Khalid
2nd Position



Saba
3rd Position

Position holder 2005



Arif Raza
1st Position



Parveen Khaliq
2nd Position



Erum Naz
3rd Position



Hina Kahn
1st Position



Aasia Imam
2nd Position



Abdul Rahim
3rd Position



Sana
1st Position



Sheerin Khan
2nd Position



Abdullah Laghari
3rd Position



Anita
1st Position



Marvi Laghari
2nd Position



Huma Shoukat
3rd Position



Sawina
1st Position



Rizwan Jawaid
2nd Position



Sara
3rd Position

POSITION HOLDERS OF 2004



Shabina Jaffer
1st Position



Asfia Irfan
2nd Position



Zeenat Habibullah
3rd Position



Arif Raza
1st Position



Parveen
2nd Position



Masooma Baqar
3rd Position



Hina Khan
1st Position



Aasia Batool
2nd Position



Abdur Rehman
3rd Position



Sana
1st Position



Faizan Qaiser
2nd Position



Abdullah Leghari
3rd Position



Anita
1st Position



Huma Shaukat
2nd Position



Marvi Leghari
3rd Position

POSITION HOLDERS OF 2003



Munazza
1st Position



Hasan Butt
2nd Position



Ismail
3rd Position



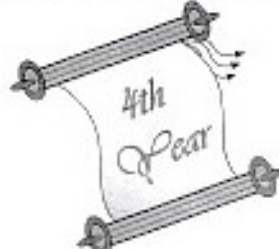
Shabina Jaffer
1st Position



Asfia Irfan
2nd Position



Zeenat Habibullah
3rd Position



Parveen
1st Position



Arif Raza
2nd Position



Nazish Rizvi
3rd Position



Aasia Batool
1st Position



Hina Khan
2nd Position



Abdur Rehman
3rd Position



Sana
1st Position



Fahad-uz-Zain
2nd Position



Shirin
3rd Position

Position holder 2002

4th
YearIshrat Bano
1st PositionMunaza Hameed
2nd PositionM. Ismail
3rd Position3rd
YearShabina Jaffar
1st PositionSheela Vanti
2nd PositionUzma Saeed
3rd Position2nd
YearMasooma Baqar
1st PositionParveen Khaliq
2nd PositionArif Raza
3rd Position1st
YearAasia Imaml
1st PositionHina Khan
2nd PositionYasir Sindhi
3rd Position

1ST BATCH OF MBBS 1999 TO 2003

Sunil Kumar



Sara Baloch



Sadaf Manzoor



Sadaf Zehra



Saba Gul



Noman Ali



Sahida Bibi



Naheed Naz



Mubashara Tehseen



Muhammad Anwer



Mehwish Rizvi



Kamla Devi



Saifullah



Hina Iram



M. Hassan



Gul Maria



Shaheen



Asthma Asad



Zeenat Bano



Fozia Shafique

Position holder 2000



M. Ismail
1st Position



Abida
2nd Position



Hema Core
3rd Position

Position holder 2001



Shabina Jafar
1st Position



Shehla Hanif
2nd Position



Rizwana
3rd Position



M. Ismail
1st Position



Ishrat Bano
2nd Position



Abida
3rd Position

Position Holders



I held on, betrayed, the sinking ship,
Spared me not for all I'd done,
My eyes widened, it threw me out,
Back then all I did was shout,
I cried out as I ripped apart,
My voyage finally complete.

Stranded, I sat on a rock,
With me some sad sailors too,
Together, we lamented at,
The devil boat we once held dear.

I died that day, in my defeat,
Painful, bitter suffering,
If only I'd been fair to time,
Valued what was truly mine,
I wouldn't have become someone,
Who in his hatred was complete.

The light was dark then, long ago,
The moon was fake, the stars were too,
The promises were scattered lies,
The comfort that I once held dear.

I lay and gazed into the sky,
Searching for my betrayed friend,
The North Star shone down so kindly,
He smiled as he reminded me,
"You knew you'd have to be reborn,
Ensure your duty is complete."



of each of the duties I perform
 Let me never become so prideful that I
 overlook the lives we can transform
 ALLAH help me to remember how
 important a smile can be
 To someone who feels hopeless and afraid
 and is looking to me



FATHER

M. Irfan Jutt

The smile of his lips,
 The innocent emotions,
 That ended in a kiss,
 The shine of his eyes,
 The sincerity with a smile,
 The truthful feelings,
 That were just for life,
 The anger with love,
 The fighting with words,
 And the feelings of annoyance,
 That were always with him,
 His pulling me out from grim situations,
 And tackling every condition with love,
 With all his love and all his anger,
 Let me pray for him,
 Because he was my "Father"
 {May his soul rest in peace}



Goodbye dear MMC

M Shahzad Akram

vYou have always been with us
 Giving us strength and boldness
 Making us thirsty for knowledge
 For now I have to leave you
 My eyes welling up with tears

A whimper is developing in my throat
 I would always remember the days
 I spent with you
 I want to pay respect to my teachers
 For without their help we would be nobody
 Your memories are stored in my heart and
 soul

You would always be there to guide us
 And show us the path that leads to success
 As this was done for our own good
 For making us a symbol of great knowledge
 and strength

I think you for all the appreciations
 You have given us
 Goodbye my dear MMC,
 For you would be out of sight not out of
 mind.



RESURRECTION

Syed Aun Muhammad

The light was bright once, long ago,
 The moon was out, the stars shone too,
 The blessings, I could feel their warmth,
 The comfort that I once held dear.

A bright night's what I called that age,
 Blissful, blissful ignorance,
 Yet though I had most everything,
 And though I could be called a king,
 I'd betrayed Him and darkness came,
 Engulfed my very soul complete.

Thus seas I once commanded turned,
 The ships I sailed threw me off too,
 Lightning struck upon my hilt,
 The hilt that I had once held dear.

"A Friend In Need Is A Friend Indeed"**Hassan Irshad**

Friends are far, friends are near,
 Friends will be there to lend an ear,
 They listen, laugh, and care,
 But most of all, they're always there,
 Through thick and thin, up and down,
 Your true friends are always around,
 For treats, hugs and real big smiles,
 They'll travel to you from several miles,
 They'll always be there to hold you tight,
 Anytime, no matter if it's day or night,
 You really know when your friends are
 sincere,

When they always show up to lend their ear.

THE LAST LESSON OF THE DAY.
Qaisar Khan

The last lesson of the day,
 It is so boring,
 When the teacher teaching in the class,
 Half of them are snoring.

The teacher such a dag, they think,
 So annoying pushy.
 You look high spirited day the see, SNIF
 Something's really fishy,
 Boneless lumps were born,
 Expression face, blank glassy stares,
 Some even full of scorn.

The clock never ticks stop lazily,
 They want to pull their hair out,
 Eventually when the time's up; HEAVEN
 They hope about and shout.

A DOCTOR'S PRAYER**Zainab Tariq**

ALLAH this is my prayer as a doctor each
 and every day...
 Help me to always help someone in some
 meaningful way
 Let me not wounds others already hurting
 with lackadaisical words today
 Lace my tongue with mercy I earnestly pray

Guide me each moment so that my
 therapeutic footsteps do not falter
 Help me so that at least one person's pain I
 may with your healing power alter
 Direct my mind to industriously take in
 every important detail
 Assist me to stay optimistic and resolute
 even when I fail

Take control of these hands so they may do
 impressive works
 Give me the patience of a saint to solve the
 things that do irk.
 Aid me to remember that I am human but
 together we can accomplish much
 Guide my hands to always provide the most
 gentle and compassionate touch

Remind me every day lest I forget the reason
 I became a physician
 Help me remember there are more important
 things than my commission
 Guide my lips when I speak to a patient
 regarding their condition
 Let me rejoice with a grateful heart when I
 can say the word remission

ALLAH let me never forget the importance

But deep inside, I still felt empty,
 Like I was missing a part of me.
 Nobody could hear my cries at night
 For I designed my mask to hide the lies.
 Nobody could see the pain I was feeling
 For I designed my mask to be laughing.
 Behind all the smiles were the tears
 And behind all the comfort were the fears.
 Everything you think you see,
 Wasn't everything there was to me.
 Day by day,
 I was slowly dying.
 I couldn't go on,
 There was something missing..
 Until now I'm still searching
 For the thing that'll stop my crying.
 For someone who'll erase my fears,
 For the person who'll wipe my tears.
 But till then I'll keep on smiling,
 Hiding behind this mask I'm wearing.
 Hoping one day I can smile,
 Till then, I'll be here...waiting.



"CYCLIC BEAUTY OF TIME"

Hafiz Muhammad Yousuf

JANUARY

Delightful display
 Snowdrops bow their pure white heads
 To the sun's glory.

FEBRUARY

Fresh green buds appear
 Indicating spring will soon
 Energize us all.

MARCH

Lambs gambol in fields
 Frisky with the joys of life
 Bleating happily.

APRIL

Bluebells stand so proud
 Beneath trees so sparsely dressed
 Fresh green leaves unfold.

MAY

Much awaited sound
 Echoes heard amid dense trees
 Cuckoo has arrived.

JUNE

Parks and gardens burst
 With sounds and vibrant colours
 Perfect harmony.

JULY

Beaches become full
 Of families having fun
 In sand and big waves.

AUGUST

Ripe golden harvest
 Burning sun in azure skies
 Labours rewarded.

SEPTEMBER

Swallows congregate
 On telephone wires ready
 To migrate down south.

OCTOBER

Red and gold leaves fall,
 Crunchy as cornflakes beneath
 Feet on a crisp morn.

NOVEMBER

Frosty webs sparkle
 In the early morning sun
 Brightly bejeweled.

DECEMBER

First few flakes of snow
 Dust gardens like icing on
 A chocolate cake.



I am still a child...
 Who wishes to run in burning sun
 Build homes in flying desert
 Ride on sprinkles of colors.....

In backyard of my thoughts
 I am a child who laughs, giggles, jumps
 Who lives, feels loves.....

In backyard of my thoughts
 I am not a mature girl
 I am still a child
 Who don't wana grow
 To be a child forever
 And ever.....



STUDENT LIFE

Muhammad Muzammal Javed

Midnight Tea,
 Long chats,
 Bunking classes,
 Fighting for friends,
 Last minute revisions,
 Tension filled exams,
 Tears for love,
 Sitting idle in the class,
 Watching pretty faces,
 Irresistible Laughters,
 People call it Students
 &
 We call it life...



I Tried So Hard

M. Mohsin Maqsood

I tried so hard.
 I tried my best.
 I gave you my all,
 and now there's nothing left.

You stole my heart,
 then tore it in two.
 Now I'm falling apart,
 and don't know what to do.

Divided by decisions,
 burned by the fire.
 Confused by your words.
 Tempted by desire.

I'm living in the present.
 My mind is on the past.
 Not knowing what I'll lose.
 Not knowing what will last.

Blinded by fear.
 Drowning in doubt.
 Struggling to be free.
 Looking for a way out.



MY MASK

M. Irfan Jutt

I was once sad and lonely,
 Having nobody to comfort me,
 So I wore a mask that always smiled;
 To hide my feelings behind a lie.
 Before long, I had many friends;
 With my mask, I was one of them.

But reality of you is an illusion
In deep desert of my intense desires
Where
I am alone
I am dying
With pain you incur to my soul.....

Now life has gone with all its thirst;
Being alone, without any cure
Waiting for the day to be asked

Till then...
I can't forget you..
I can't forgive you..
How can I forgive you???

MY WORLD PAKISTAN

Waleed Yousaf

I want to see you back again,
When you were at the highest eminence of
the world,
Flowing, blowing, glowing charms all
around,
Accompanied by cherish moments of the
world,
Where the depth is beyond the immense
height,
And peace manifested all over the world,
The complete harmony, serenity, stillness
and calmness of life,
Reside for few decades ago ere in the world,
Now you cornered by evil activist and
troubles,
I be your soldier and defend you my world,
Protect, defend and shield you until,
Return Brio and spiritedness, for you my

world,
And If I'd be asked to die where?
Replied, whom I care! That part of world,
WALEED, you made frustrated through last
rhyme words.
The subject is mere Pakistan and all this is
my world

DEATH

Hafiz Muhammad Yousuf

It is an obligation upon people to repent.
But leaving sins is even more of an
obligation.
Patience in the midst of hardships is difficult
to bear.
But loosing the opportunity for reward is
more difficult to bear.
Time is indeed perplexing in the way It
passes.
Yet people's heedlessness is even more
perplexing.
Everything that is due to arrive is indeed
close,
Yet death is closer than everything else.

"ME"

Anamta Rehman

In backyard of my thoughts....
I am still a child..

Who wants to play all she missed
Eat with dirty hands without fear
Sing with unintentional deeds.....

days .

I feared ridicule until

I learned how to laugh at myself.

I feared growing old until

I realized that I gained wisdom every day.

I feared the future until I realized that life
just kept getting better.

I feared the past until I realized that it could
no longer hurt me.

I feared the dark until

I saw the beauty of the starlight.

I feared the light until

I learned that the truth would give me
strength.

I feared change, until I saw that even the
most beautiful butterfly
had to undergo a metamorphosis before it
could fly .



DEPRESSION "POEM"

Syed Masooma

Depression is the looks that lie

Depression is the tears I cry

Depression is the mistakes

I had one person makes

Depression is the sad song

Where no one sing along

Depression is where I have no friends

Depression is the cut that mends

Depression

Just a feeling that gets everyone sad

And may be to the point where you go mad

But depression is sad but true

Because it is my life without you.



"Mom"

Hafiz Muhammad Yousuf

Mom you are my guiding light,

You held my hand in the darkest night.

Chasing demons and rain clouds away,

Showing me rainbows on dreary days.

Mom you gave me wings to fly,

Supporting me always as years rolled by.

Never letting me feel I was less than the rest,

When I lost a race, or failed a test.

Mom you are my example for life,

You taught me how to be mother, and wife.

The lessons I learned sitting at your knee.

I am thankful for all your time spent with
me.

Mom you are also my friend so dear,

Ready to listen with a helpful ear.

Offering advice, a hug and a smile,

Reminding me of all in my life that's
worthwhile.

Mom you are always close in my heart,

Even though we now live far apart.

Distance can't break what has grown strong
with time,

And nurtured with love, both yours and
mine.



"HOW CAN I FORGIVE YOU"

Anamta Rehman

Drop by drop life is flowing

My thirst for life is thirst for love

My perception of love makes me feel....

Your besides me

In my heart

In my soul

Embraces our life

Weary souls her inviting smile takes our
breath
After months of loved ones clinging to guest
rooms
Or come in make yourselves at home soon
Becoming sorry I need my space.

Dignified welcome

A rainbow of doves and beaks
Rise up against gray comments
Warmth of spirit of flowing fourth

NOTHINGNESS ENFOLDS ME

Hafiz Muhammad Yousuf
Nothingness enfolds me,
In its rough screeching wings,
A hollow world of black fog it bring,
Where,
There all over the screams of silence rings,
Aches and pain are the queens,
Fear and tears are the kings,
Nothingness enfolds me,
In its rough and screeching wings.

PHARMACOLOGY

Sundas Mehak
Take your pills.,
Cure the ills of your real self for every one's
health.
The will of them your life defends.
The battle's won when you are fun.

As to tired you have conspired to let it go.
This life you know....
Wyeth-Ayerst pharmaceuticals see to soothe
a soul's destiny...
To cure an ill..
Take your pills.....

EXPERIENCES OF LIFE**Hafiz Muhammad Yousuf**

I feared being alone until
I learned to like myself.
I feared failure until
I realized that I only fail when I don't try.
I feared success until
I realized that I had to try in order to be
happy with myself.
I feared people's opinions until
I learned that people would have opinions
about me anyway.
I feared rejection until
I learned to have faith in myself.
I feared pain until
I learned that it's necessary for growth.
I feared the truth until
I saw the ugliness in lies.
I feared life until
I experience its beauty.
I feared death until
I realized that it's not an end, but a
beginning.
I feared my destiny, until
I realized that I had the power to change my
life.
I feared hate until I saw that it was nothing
more than ignorance.
I feared love until it touched my heart,
making the darkness fade into endless sunny

This world full of brightness and laughter's
Then why I like wrecked ship on deserted
shore

I gathered people around me
Just to be sure that I am secure

But my heart in depths of despair
I have nowhere else to go

Somebody please save my soul
Before it's too late because I am still alone



"LIFE GOES ON"

Hafiz Muhammad Yousuf,

No matter, how far apart,
Your lovely love has gone,
No matter, how your heart ache,
With the agony of venomous words,
Your beloved had once thrown,
No matter, how each fiber of your existence,
Long for a single soothing touch of your
love,

Which has gone.....

No matter, How the cruel river of sorrows,
Let each moment of happiness be drown,
No matter this, No matter that,
Life goes on, Life goes on,
Life goes on, Life goes on.



FRIEND

Aisha Riaz

A bound of love
A medal of trust

A shoulder in sadness
A hand in darkness

A special relation to hold
An appreciator for encouragement

Something that never lost
A jewel never be lost
as the magic called "FRIEND"



FUNNY POEMS

Hira Bhambhro

One fine morning in the middle of the night,
Two dead boys got up to fight,
Back to back they faced each other,
They drew out swords and shot each other.
A deaf policeman heard this noise,
And shot both of the 2 dead boys.
If you don't believe my lies are true,
Ask the blind man; he saw it too.

This Old Earth

Needs our help to stay fresh, clean and green
With a "pick it up, pitch it in and throw it in
the can"
This old Earth needs a helping hand.

My Loving Mom

Mom is such a special word
The loveliest I've ever heard.
A toast to you, above all the rest
Mom I miss you a lot,
You were so special for me and
you are simply the best.

'SINS' AND 'MERCY OF ALLAH'

Hafiz Muhammad Yousuf

My sins, if I think about them,

Are many.....

But the mercy of my Lord is much

Vaster.....

I do not hope for salvation in any good
action

I may have done Rather in Allah's mercy is
my hope

He is Allah my Lord who is my Creator

And I am (in front of Him) a slave

Who obeys and submits

If forgiveness is intended for me

Then that is mercy.....

And if it is other than it then

what am I to do??????????

TWO HEARTS

Aamir Riaz

I have two hearts

Heart is pulsating with blood

And heart is pulsating with love

Heart is overflowing with tears

And heart is overflowing with perfume

Heart is sky

And heart is earth

Heart is coldness

And heart is warmth

Heart is wave

And heart is sand

Heart is a book

And heart is mirage

Heart is flowers

And heart is ashes

Heart is rocks

And heart is peace

Heart is tide

And heart is ebb

Heart is the wound of yesterday,

And heart is the wound of today,

I'll never touch the wounds once again

When hearts are angry

My heart is evergreen

Whoever owns my heart

Will own dreams and hopes

And keys of happiness

Forever and ever

MY MOTHER

Ramla Fatima

She never care what she feels

When she hear the what I feel

She just bears and hides in her heart

All the weakness to make me laugh

She is an angel as she awakes all night

For my sleep, my dreams of height

She never demand, for all she gave

She gives me a soul, never let me fail

GOD! Give me strength to make her Smile

As my mother is precious than diamonds

Strength of my life

ALONE

Saira Hameed

It is very dark and I am so alone

I have nowhere else to go

I feel so scared and blue

As the cold wind haunts my soul

"Aik bar aa jaa aa ja"

"Aaaaaaaaaaaaaa jaaaa"

"Teray dedaar ko taras rahe akhiyaan"

"Aik bar aaa jaa aa jaa"

"Aaaaaaaaaaaaaa jaaaa"

Then I decided to write about the most common oh sorry the 2nd most common issue (sadly I can't mention here the most common issue). Well, I was going to write about the 2nd most common issue of our girl's hostel where every 2nd person says:

"Window corrupt ho gae ha yar."

Ans some says in sweet Punjabi style:

"Neeeeeee ki rolla pay gaya e Bari

(window) udd gae meray laptop di hunn
thand pay gae aey"

So, I thought as it's a very common issue what if **BILL GATES** opens a shop in Baldiya Mirpurkhas, wearing a shalwar, with a pan in his mouth and calling aloud: "**Baji aien, Microsoft Windows ki CD sirf 10 rupay mein, aieen aieen loot sale...!!**"

What if sir Asif head of department of community Medicine would also become Head of Accounts office and calling to the fee defaulters: "Mujhay mamun mat bnao. Thursday tak sab students nay fees submit krwani ha or her bacha krwaey ga mei Thursday ko pehly fee vouchers check krunga or jis k pas na hua voucher beta wo tu gaya phir. Mei phir keh raha hun mujy mamun mat bnao"

Then I decided to write about the everyday new love story of MMC students and only these lines striked my mind which perfectly describes the emotional situation of those students:

"Hum teray bin ub reh nahe skty

Teray bina kia wajood mera

Q k tum hi ho

Ub tum hi ho

Meri zindage ub tum hi ho

Mera chain b, mera dard b

Meeri Ashiqui ub tum hi ho"

But our some fellows have shairana zauq also and they describe their sentiments as:

"Maktabe ishq ka dastoor niral dekha

Usi ko saza mili jis ny sabaq yaad kia" :(

OooppSsss!!!!

How can I forget the most ever green, the most dashing and most fast & furious personality of our college of course "**Mr. 15**" (**Asad adda**) Although he is a nice person but besides it he is also a giant size "**kaanta**" for some innocent **ISHAQZADAY** of our college. Those Ishaqzaday make us remind of the **Gurukul University of Mohabatain** movie. Those poor innocent **ISHAQZADAY** have alot of gillay and shikway from Mr.15. I think these lines are the best illustration of those **ISHAQZADAY**'s feelings for our fast and furious Mr. 15 :

"Teray bina zindage sy koe shikwa tu nahe
Shikwa naheee....."

& so on....

Man, it's really tough for me to write and concentrate on a single point so, i used my zero meter brain according to my natural inclinations.

Uffffff...meri tauba i am not going to write anything!!!!

Shelmar Zulfqar



POETRY'S



admission into universities. Modern universities are more interested in recruiting students who have something to offer besides academic qualifications. They seek out students who can make a contribution in other areas to the university and the society at large. Many universities and some schools make

money and gain prestige through their extra-curricular engagement in various arenas. Hopefully, more parents and students will see the importance of extra-curricular activities and diversify and deepen their interests and hobbies. The whole society will benefit...

"DON'T DISTURB!!!! I AM TRYING TO USE MY ZERO METER BRAIN...."



When I had the last issue of "MASEEHA" I wanted to have my name in the next issue. Then fortunately I became the member of Editorial board of "Maseeha". Now I was bound to write something at any cost. Then I thought to write something although it's a very difficult art. It's really tough for me who should find a pen and a paper from some deserted corner of a so called study table. But as a member of Editorial board, I was compelled to go for the toughest thing in my life something which I have never ever done, not even in my exams and that thing is "writing". I tried to activate my brain which was still zero meter. Well, somehow or the other it started. It took 2 glasses of strawberry shake to settle down. Then I started to think, what to write and what to write about?

It was breaking news for me that my mind was a masterpiece a brilliant mixture of broad and narrow visions. Many ideas came to my mind and on each of them I was not able to produce more than two lines.....

At first, I thought to write about Energy crises which we are facing at peak now a days. But, after 3 mins my zero meter activated and called me, it was saying:

"Ub tu adat e ha mujh ko aisey jeenay mein"

Then after this call from my brain I stopped writing about it.

Then I thought of moving a bit deeper right into the stomach of MMC students and guess what came to my mind?? Of course it was "GHAZI ADAA KI CANTEEN" so I decided to dedicate my precious words to the imported branded curtain which separates "GHAZI BHAI CANTEEN" into two halves and the people beyond that branded curtain. But, that idea had to be dropped as that would lead me directly to the emergency ward of MMC Hospital....

Well, then I decided to dedicate my words to our "College Vacations" but I was unable to produce any line after this:

"Jhalak dikhla jaaa"

10. Stable governments are essential to prevail justice and to uproot corruption. It is a multi-faceted problem so it should be countered on all possible fronts with sincerity.

We must reform ourselves. Only proper planning and strictly implemented policies with public support can put halt to this growing menace

IMPORTANCE OF EXTRACURRICULAR ACTIVITIES

Zohaib Khawaja

Many parents and students do not understand the importance of extra-curricular activities. Over the years I have had to persuade a number of parents to allow their children to continue participating in extra-curricular activities, because they felt that these activities distracted their offspring from their academic work. This scenario tended to unfold either when a student was struggling academically or when the student wanted to focus totally on academics, to the exclusion of everything else. They felt that extra-curricular involvement was a waste of precious time and that it caused their children to get home too late in the evening.

Nothing could be further from the truth than this notion of wasting time. Academic subjects and extra-curricular activities complement each other and develop a well-rounded, socially skilled, and healthier student. There are so many possible extra-curricular activities that each student can choose one that appeals to him or her personally. Activities range from athletics, various sports, scouts, girl guides, debating, music and chess to paramilitary groups like the cadets. This list is not even exhaustive. Some students choose more than one pursuit. Extra-curricular activities help to develop the

whole student. We cannot just produce one-dimensional students in our schools. Many students use their skills in extra-curricular activities like athletics or sports and their academic ability to gain athletic or sports scholarships to various universities.

Students who are involved in extra-curricular pursuits tend to improve their academic grades as well. This may be due to increased self-esteem, motivation and better time management. They become better organized in the classroom. They demonstrate a reduction of at-risk behavior and a heightened sense of belonging, resulting in better behavior.

They learn useful new skills from their chosen activity, and in integrating these activities into their everyday school lives, they learn time management, critical thinking, teamwork and social skills. They develop life-long relationships with their peers and learn how to lead others. These skills will be beneficial in later life and in the workplace.

Extra-curricular activities also foster a sense of commitment to a cause or purpose and they reduce selfish behavior. Students become more marketable in the workplace.

Through the avenue of extra-curricular activities students find it much easier to gain

Pakistan comes in as many forms as there could be. It comes in the form of bribery receiving and giving. It exists in the show of power and influence through real and concocted relationships with people in authority and the gains they can obtain from others. The worst form of corruption is intellectual and professional dishonesty to please or benefit a few individual at the cost of others. Equally dangerous is sycophancy which misleads people in decision making and has extremely harmful effects. In America the rising expenses of elections have created a strange situation. The Jewish business magnates have turned into kingmakers because of their money and the entire American nation is being held hostage to their ability to provide enormous amount of money for the election of key contenders. This is also a form of corruption which is monopolised by a few people. The position in the East is worse because the democratic system has not been institutionalized. And because of this practice the level of corruption is much higher while the level of discipline much lower. In China and India corruption is gaining momentum. The indiscipline is also following in the footsteps of corruption and several uprisings point out that corruption has gained firm roots in soil too.

The major reason of fast creeping corruption are political instability, poverty, unequal structure of society, unemployment, lack of accountability, weak political institutions and absence of rule of law. Resultant they are affecting political stability, equal distribution of resources and power, confidence of local

and foreign investors and political institutions.

It is pity that we are working without effective planning. Whole of the society is running aimlessly with no destination or target in view. In the process, everyone picks whatever he finds on his way. It is also one of major reason of backwardness. If we want to kill corruption at grass root level, we will have to cap those cavities where the virus of corruption nourished. If we confine ourselves to the systems alone, we will, at the most, be applying cosmetic treatment. It merely touches the tip of the iceberg. For a more lasting solution we will have to adopt effective measures to check corruption. Some of them (given below) can be helpful in reducing it if not uprooting it.

1. People should be made aware of their rights. By providing general awareness to the masses, the chances of grabbing money from the people lowers to the minimum.
2. Institutions should be made strong for proper working of the democratic system.
3. Proper system of accountability and check and balance should be implemented.
4. Red tapism is the major cause of corruption and e-governance is the best solution for this solving this problem.
5. Anti-social activities should be condemned and resisted.
6. Justice delayed is justice denied. In time justice can minimize corruption practices.
7. Salaries and wages should be increased in order to decrease the chances of corruption.
8. The unemployed class should be provided jobs and recruited purely on merit.
9. Education system must be revised and improved according to national needs.

Prof. Dr. G R Bhurgri
(Dpt. of Pharmacology)



CORRUPTION IN PAKISTAN

Corruption has become synonymous with our existing system and is pushing our nation to a dead end. Favoritism, nepotism, misappropriation of public fund, bad debts and misuse of power are on the rise. Corruption has gained roots in our society because of wrong decisions and weak policies of the successive governments. The agencies responsible for checking corruption have completely failed in their mission. Thus accountability seems non-existent. First of all we must define the corruption. Apparently, it would look like suspicious financial transaction alone. But that is too narrow view. Corruption today has become a way of life and it encompasses the ideological, moral and ethical values of society. It has become a part of our culture. Think about everyone else who is engaging in corruption. If we don't do the same thing, will not it be to our loss? If a thousand people are engaging in corruption, the one who doesn't is only hurting himself. Corruption is a series of developed reactions to the same situation that has strengthened with time and repetition. According to Novak,

"Built upon the desire to prevail are all other forms of corruption. Degrading others or their realities or property makes it easier to prevail. Gaining lying stifles the competing influence of others".

In this scenario, there is no room for cooperation, fair play and justice. It is all about who is better, powerful, influential and dominating than the others and also about how you use your advantages to subdue your opponent by talking away his or her assets. While addressing to the constituent assembly of Pakistan, Quaid-e-Azam said,

"One of the biggest curses from which India is suffering is bribery and corruption that really is a poison. We must put that down with an iron hand".

His words were not directed at any particular group. He foresaw corruption as a deadly virus, a poison which could sap the very foundation of a state and lay it open to all kinds of dangers.

According to Novak,

"Acquiring power is the purpose of corruption, since power is needed to prevail over other persons. When succeeding, power is acquired, and its desirability causes the behavior to be repeated".

The positive rewards are the acquisition of wealth, power and dominance. The act of corruption thus becomes so automatic in the human brain that it escapes the awareness of the perpetrator of corruption. Corruption in

taught not to lie, steal, murder and commit acts of debauchery since our childhood. Following these principles would qualify a human being as moral, and if the individual does not follow these rules he is viewed as an immoral person.

The choice ultimately lies in the hands of the individual. If he chooses to be immoral he will be castigated by society and will have to suffer the consequences of his actions. There is no right or wrong; only the consequences of actions. And society is trained to punish and reprimand an immoral man, because that's the way it has always been.

Now, this is not relevant to this debate, so let us see what ethics really implies. Ethics can be said to be a set of principles and beliefs that you choose to live by. But nobody says that one set of ethics is better than the other. There is no right or wrong in ethics, because society itself is confused in this regard. Some large profitable companies employ unethical means like fraud, polluting the environment and paying low wages to their laborers. This is wrong but not illegal, because the company's ethics demands that the workers work as hard as possible, and the organization reduces costs as far as they can.

Ethics Are Collective:

Ethics are usually used to denote the behavior of a group that the individual belongs to. It can be an organization, a Government, a country, a political party or a group of mercenaries. The point is that they all live within a certain code of conduct that they are not allowed to breach. Within that code of conduct, anything goes. Jotting down differences between morals and

ethics makes us think about which is superior, and the truth is that collective ethics override personal morals many times.

Countries go to war with each other and kill millions of innocent people because it is unethical (in the Government's view) for the people of that nation to stock weapons of mass destruction. The morals of the President of that country may discourage him from killing someone with his bare hands, but his ethics give him the power to bomb thousands of homes from above. This in spite of the fact that their country is the only one in the history of the world to have ever used these weapons of mass destruction on others twice.

Power of Ethics:

This brings us to the real cause of the debate. Morals can be breached, and an individual will be punished. Ethics can be stretched to accommodate more harmful doings, because ethics are ultimately created by those who have the power to wield it. What was unethical ten years ago, may be ethical today because it benefits the people in power. Morality is something that is nurtured since childhood and clearly states what is right and what is wrong. Ethics are much more accommodating. Morality vs. ethics always confuses us about the right thing to do and the right things to say, but we are inevitably always swayed by those in power.

Understanding the differences between both is not something that can be done without a deep study of history, politics and religion. Philosophers have come out with a lot of preaching about morals and ethics, but the truth is still something that is shrouded in mystery.

numerous. It is not so much the number of friends that is important as is the possession of friends, period.

Friendship is a blessing, and a friend is the channel through whom great emotional, spiritual, and sometimes even physical blessings flow. Friends can cheer us when we're sorrowful or depressed. Friends can challenge us when we allow ourselves to get beyond our reasonable boundaries. Friends can motivate us when we're ready to give in, and they can provide for us when life falls apart. They are there when all is well, and we want someone with whom to share life's pleasant and memorable moments. We often just want them around to have a good time, to laugh, to act silly, to enjoy some mutually

liked activity. In how many ways have friends enriched our lives and made us feel loved, accepted, respected and cared for? Probably, too many to list, and the list grows daily.

It is safe to say that when God created the world and all the majestic things in it, when he streaked the heavens with radiant color and the earth with grand mountains and awe-inspiring canyons, when he painted the plains with waving grasses and erected noble forests of towering trees, he outdid it all by creating friends. Why not take a moment or two and thank someone today for being a friend to you?

May God bless you with all the friends you need, and may he turn you into a blessing by using you as a friend to others.

MORALS vs ETHICS

Rana M. Qasim

We often hear people speak of morals, ethics and values. But what do all these words mean. Morals vs ethics is an interesting debate that can put a person deep into thought. It is impossible to say which is the better school of thought, but there is a fine difference that helps one decide for themselves.

Philosophers have often tried to lay down a distinct line in the morals vs. ethics debate, but this is still an area of thought that produces conflicting views in the minds of many people. The conflict arises as a result of different schools of thought, and very few people manage to understand the subtlety that goes into differentiating morals and ethics from one another.

To many people, morals and ethics seem like

one and the same thing. To them it simply means a system of principles that can be applied in order to tell, right from wrong. But as one delves further into this subject of philosophy, the fine differences between morals and ethics start becoming clearer. It is the context in which one applies these values and principles, that the real difference between morals and ethics becomes apparent.

Difference Between Morals and Ethics: The main difference that must be considered in this situation is that ethics are about the behavior about a collection of people, whereas morals are highly individualistic and personal in nature. Morals arise more as a set of rules passed down by society that we must conform to, in order to be accepted by the civilized strata of society. For instance, we are

TUMORS OF THE HUMAN SOCIETY

Prof.Dr. GR Bhurgri (Dpt. of Pharmacology)

Terrorism is the most fetal emerging tumor of the human society .it has affected every part of the world, comprising majority of the world comprising majority of countries, which are dictating this world. Publicly, strategically and economically ,suicide attacks are the most lethal weapon of the terrorists against which no preventive measure has been adopted yet. Actually we are not to treat this tumor in the right way. Application of power and more "power is not right methodology. We need to understand the root causes of terrorism, in other word to eliminate tumor necrosis

factors.

INJUSTICE, ECONOMIC, & SOCIAL INEQUALITY STRESS, AGGRESSION, POVERTY, IGNORANCE & CRUELTY, are the tumor necrosis factor and the root causes of terrorism.

We need to abolish there factors if we want to eliminate terrorism from this sphere. Where our world become free from these evils growth of this tumor will automatically be suppressed. But if we go on investing it with power, result will be disastrous.

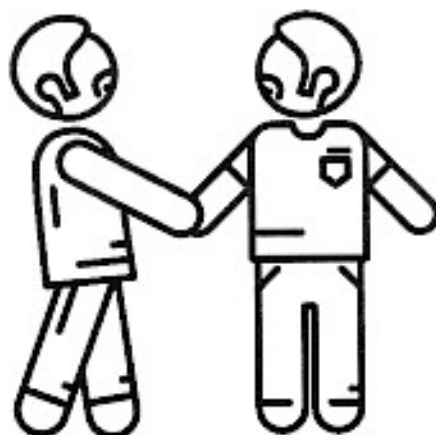
Friends & Friendship

Khalid Nawaz

You can always tell a real friend: when you've made a fool of yourself, he doesn't feel you've done a permanent job. (Laurence J. Peter)

A lot of people go through life with only a few friends. It seems that some have less than that. They have no one on whom they can call in good times or bad. There is no one with whom to bounce ideas around, or to talk about deep and troubling subjects. They have no one to call in times of need or difficulty. They are at the mercy of life, standing alone.

Others seem to have a multitude of friends. Wherever they go, people know them, and like to be around them. Should trouble strike, their biggest hesitation might be over which



friend to call. They know exactly the person with whom to discuss the topics of inquiry and debate. Life is full of entertaining and invigorating relationships because it is full of friends.

There ought to be a course in school on friendship. Of course, some people are perfectly happy to operate with fewer friends. They might rather have a few deep and loyal friends, than many superficial ones. Others thrive best when friends are everywhere and

wouldn't have taken more than few minutes. Didn't you hear the phone ringing?

The husband: Yes, I did.

The wife: why didn't you answer the phone? Didn't you care?

The husband (silent): But yesterday you also didn't care when you heard the Adhan a call from ALLAH?

The wife (silent, and tears in her eyes): You are right, honey. I am sorry!

The husband: Ask ALLAH subhanahu wata'ala to forgive you, not me.

◆
Dedicated To

My Beloved Mother, May ALLAH Almighty Bless My Mother With Peace In Heaven

BATOOL ZAHRA

VOICE OF QURAN



1. I am the book in elegant prints
To know my name here are some hints,
2. Rich in love and nicely bound,
In hearts of Muslim, i am found.
3. High on a shaft i am kept,
Teacher i am the best.
4. With respect, i do get lots of kisses,
My main point is what they always miss.

5. In a melodious voice they recite me,
Neglecting the message inside me.
6. A miracle i am that can change the
world, Every one has to understand my word.
7. I am your savior, i am your guide,
But who's there to follow and abide
8. Right from wrong is my fame,
Holly Quran is my name.

INVISIBLE INK (FOR SECRET MESSAGE)

BATOOL ZAHRA

First dissolve a lemon in water and dip cotton swab into it. Then use the swab to write on ordinary white paper. When it dries the writing will be invisible. When u want to read the message, heat the paper by holding it near

a candle. You will see the words appear on the page in black colour.
how it happen; it happens because juice of lemon contain carbon compound.

Lasting loss when you are gone, what will matter is not your memories but the memories that lives in those who loved you, but

Will matter is how long you will remembered by whom and for what.....?

Living a life that matter does not happen by accident, it is not a matter of circumstances but a choice....

Choose to live a life that matters.

QUOTES

Shahbaz Hussain

- Three grand essentials to happiness in this life are something to do something to love, and something to hope for.
- Sunday clears away the rust of the whole Week
- Our real blessings often appear to us in the shape of pains, losses and disappointments; but let us have patience and we soon shall see them in their proper figures.
- It is only imperfection that complains of what is imperfect. The more perfect ware the more gentle and quiet we become towards the defects of others.
- Every situation has changed me as a person.
- A book may be compared to your neighbor: if it be good, it cannot last too long; if bad, you cannot get rid of it too early.
- We always love those who admire us; we do not always love those whom we admire.

~~HUSBAND AND WIFE DIALOGUE~~

Hafiz Muhammad Yousuf

The husband: did you pray' Asr prayer?

The wife: No!

The husband: Why?

The wife: I just arrived from work and I am a bittired, I will go to sleep.

The husband: Ok, Go pray' Asr and Maghrib before the Athan for Isha prayer starts.

The next day, as usual, the husband went on a business trip which would last for days.

He left the house.

After few hours he arrived at his destination.

The wife waited for his call as usual.

He didn't call or inbox her. She phoned him

but no reply!

She became irritated and worried about him.

She called again and again but no reply!

After few hours he called her.

The wife: are you ok, honey?

The husband: yes, I am ok, Alhamdulillah.

The wife: when did you arrive?

The husband: four hours now.

The wife (surprised): FOUR hours!!! but you didn't call !!!

The husband: I arrived a bit tired and I went to sleep.

The wife: You could have called me. It

MEDICAL FACTS ABOUT HUMAN BODY

Mahnoor Inam

- 1) In one square inch of our hand we have 9 feet blood vessels, 600 pair sensors, 9000 nerve endings, 36 heat sensors, and 75 pressure sensors
- 2) Its believed that the main purpose of eye brows is to keep sweat out of eyes
- 3) When you sneeze all your body functions stops even heart
- 4) Nail and corneas of eyes are the only 2 tissues in the body that don't receive oxygen from blood
- 5) The sense of taste is the weakest of 5 senses
- 6) At birth everyone is colour blind
- 7) For every pound of fat gained, you add 7 miles of new blood vessels
- 8) Humans lips have a reddish colour because of great concentration of tiny capillaries just below the skin
- 9) The colder the room you sleep in, the better chance are that you will have a bad dream
- 10) Your body gives of enough heat in 30 minutes to bring half a gallon of water to boil

WHAT WILL MATTER.....?

Zeena Khan

1. Ready or not, it will all come to an end .there will be no more sunrise, no minutes, hours or days. All the things you collected

Whether treasured are forgotten, will pass to someone else. Your wealth, power, fame and temporal power, will shrivel to irrelevance.

It will not matter what you owned or what you were owed. Your grudges, resentments frustrations and jealousies will finally

Disappear. So too your hopes, ambitions, plans and to do lists will expire. The wins and losses that once seemed so important

Will fade away, it won't matter where you came from or what side of the track you live on at the end.

2. It won't matter whether you were beautiful or brilliant. Even your gender and skin color will be irrelevant. So what will Matter? How will the value of your days be measured, what will matter is not what you bought, but what you built, not what you got

But what you gave. What will matter is not what you learnt but what you taught, what will matter is every act of integrity,

compassion, courage or sacrifice that enriched, empowered or encouraged others to emulate your example.

3. What will matter is not your competence but your character, what will matter is not how you knew but how many will feel a

POSITIVE SAYINGS

Hyder Ali Pehlwan

- Speak fine lines to yourself every morning:
 - 1) I am the best
 - 2) I can do it
 - 3) Allah is always with me
 - 4) I am a winner
 - 5) Today is my day
- The problem with the world is that the intelligent people are full of doubt while the stupid are full of confidence.
- I have learned to give, not because I have too much, but because I have known the feeling of not having.
- Winners are not those who never fail, but those who never quit!
- If you love a flower, don't pick it up, because if you pick it up it dies and it ceases to be what you love. So if you love a flower, let it be. Love is not about possession. Love is about appreciation.
- Two things to remember in life:
"Take care of your thoughts when you are alone."
"Take care of your words when you are with people."
- When nails grow long, we cut nails, not fingers. Similarly when misunderstandings grow up cut your ego, not your relationship.
- "I don't live wither with my past or my future. I'm interested only in the present. If you can concentrate always on the present, you'll be happy man. Life will be a party for you, a grand festival, because life is the moment we are living now."

Saim Noman

9 KEYS OF SUCCESS

1. Believe while others are Doubting.
 2. Plan while others are Playing.
 3. Study while others are Sleeping.
 4. Decide while others are Delaying.
 5. Begin while others are Procrastinating.
 6. Smile while others are Frowning.
 7. Comment while others are Criticizing.
 8. Persist while others are Quitting.
 9. Work while others are Wishing.
-

☀ "SEVEN FOODS THAT FIGHT INFLAMMATION AND BELLY FAT" ☀

When eaten on a regular basis, foods with anti-inflammatory properties can help reduce inflammation in the body, helping to prevent the long-term health consequences associated with it — but only if you also eliminate the foods that cause inflammation. When inflammation is under control, not only will you have more energy and feel better overall, but you'll also find that weight loss and reduction of belly fat both become easier!

Try adding anti-inflammatory foods into your meal plan on a daily basis. The more often you eat these foods, the less inflammation that will be present in your body. The following foods and nutrients can fight inflammation:

1. Fruits and vegetables

All fruits and vegetables, due to their rich nutrient and fiber content, help to combat chronic inflammation, so make sure to include adequate amounts of these foods daily. Some types of fresh produce, however, are even more potent than others.

Some terrific anti-inflammatory fruits and vegetables to include in your meal plan include apples, berries, broccoli, mushrooms, papaya, pineapple, and spinach.

2. Green Tea

This mild beverage is great for helping shrink your waistline as well as for decreasing inflammation. The flavonoids in this tea have natural anti-inflammatory properties. And the compound EGCG in green tea has been shown

to help reduce body fat.

3. Monounsaturated fats

These heart-healthy fats help raise your healthy HDL cholesterol levels and reduce overall inflammation. Great sources include olive oil, almonds, and avocado.

4. Omega-3 fatty acids

Research has shown that a diet with a high percentage of omega-3 fatty acids and a low percentage of omega-6 fatty acids has been linked with decreased inflammation. Food sources of omega-3s include walnuts, flaxseed and fish.

5. Spices

Certain spices, including garlic, turmeric, cinnamon, ginger, and chili peppers, have potent inflammation-reducing capabilities, so try adding them to meals as often as possible.

6. Water

Staying hydrated is essential to flushing inflammation-causing toxins out of your body. Aim for 64 ounces of water per day. Remember: Add an additional 8 ounces of water for every 30 minutes of exercise as well.

7. Whole grains

Rich in fiber, whole grains help control the insulin response in your body. The high B vitamin content of whole grains also helps reduce the inflammatory hormone homocysteine in the body.

FAIZ RASOOL

☀ REALITY OF LIFE ☀

Muhammad Muzammil Javed

Life is the name of purpose, struggle, love, dedication and a number of feelings and emotions. Life shows its true colors with time. It depends upon you that how you look towards life and what is your strategy of leading an ideal life.

Life takes a number of turns during its whole span. Life may not be kind to you all the times. There are tough times which really test your courage and your capabilities of facing unfavorable situations. How well you tackle these adverse conditions prove your credibility. People who just close their eyes to avoid facing the hardships of life are coward. They do not have courage and stamina to stand firm in front of life's demon. Remember that nothing can be done without trying, without striving hard to get yourself out of the trouble, without facing the situations. Such incidents in life improve your approach towards destiny. These incidents may entirely change one's life (in some cases). These make your thinking a bit more rational. If there were no such thrills in life, it would be quite boring and monotonous. These incidents make you strong nerved person. In other words, life tests you all the time.

"Life is different from a teacher because teacher teaches a lesson and takes the exam but life takes exam first and then teaches a lesson."

When you are in love, life changes its meanings, priorities and requirements. Life seems to be confined within the kingdom of your loved one's heart. Life is a gift of God and to love and being loved is the best feeling in life which has no parallel. Everyone wishes to live a blissful life with his/her life partner. Life can be blissful only if you know each other, understand well and stand for each other through bad times.

Do not waste your life. Life should have some purpose. Identify your aim, head towards your destiny and spend your entire life in achieving your goals. This is what we call life. It is a wise saying that time waits for no one. Once it is spent, it is gone. We've got to be wise in choosing our priorities so as not to waste any of our precious time. Keep on trying to get your goals and don't lose hope. It is said by Paulo Coelho:

"When you want something, the entire universe conspires in helping you to achieve it."

Life is worthless without hope. Hope is the key element in life which never lets you down and keeps your morals high. Always be optimistic and have faith in God. Everything happens for a reason. Sometimes a slight inconvenience makes us to think that we are unfortunate, life is cruel etc but this is not the reality. Spread optimism instead of pessimism. It will light up your life positively. Remember that:

"The darkest hour of night comes just before the dawn."

The inspiration of life is to serve mankind. Spread happiness and you will be blessed!!

☀ 'HOPE' GIVES LIGHT ☀

ARSALAN HAIDER

Four candles were talking to each other.

1st: I am 'PEACE', no one needs me and it went off.....

2nd: I am 'FAITH', nobody believes in me and it went off.....

3rd: I am 'LOVE', nobody cares for me and it went off.....

4th: I am light the other three because I am 'HOPE' and I last forever.....

"Life is tough but let never lose hope"

FAVORITE QUOTES HURTS ME WITH TRUTH BUT BEAVER COMFORT ME WITH LIFE

1. Failure is 1st step 2 successes.
2. Where there is life there is hope.
3. Life is a series of sorrows.
4. Book and friend should be few but good.
5. Justice hurried is justice buried.
6. Better is safe than sorry.
7. Lean walk before you run.



CAISAR KHAN



8. There is no rise rose without a thorn.
9. Laugh and the world laughs with you, weep and you will weep alone..

"WHAT IS CONFIDANCE?"

'What is confidence?

10 boys decided to propose a girl...

9 boys came with roses..

1 boy came with "MOLVI"

Faiz
Rasool

This is confidence ;-)

which helps maintain overall health.

Phytonutrients -- Apples are rich in a variety of phytonutrients, including vitamins A and E and beta carotene. These compounds fight damage from free radicals and can have a profound affect on health, including reducing the risk of heart disease, diabetes and asthma.

Some Other Points:

Apples also act as a toothbrush, cleaning teeth

and killing bacteria in the mouth, which may reduce the risk of tooth decay.

An apple a day can reduce the risk of diabetes, high blood pressure and many types of cancer. They're also low in calorie density, one of the trademarks of a healthy food. When a food is low in calorie density you can eat good size portions of the food for relatively few calories.

FAMOUS SUCCESS QUOTES

Shaikh Ahmad Ali

1. "If you don't build your dream, someone else will hire you to help them build theirs."
2. "The first step toward success is taken when you refuse to be a captive of the environment in which you first find yourself."
3. "When I dare to be powerful – to use my strength in the service of my vision, then it becomes less and less important whether I am afraid."
4. "When I dare to be powerful – to use my strength in the service of my vision, then it becomes less and less important whether I am afraid."
5. "I have not failed. I've just found 10,000 ways that won't work."
6. "If you don't value your time, neither will others. Stop giving away your time and talents. Value what you know & start charging for it."
7. "A successful man is one who can lay a firm foundation with the bricks others have thrown at him."
8. "No one can make you feel inferior without your consent."
9. "The difference between a successful person and others is not a lack of strength, not a lack of knowledge, but rather a lack of will."
10. "Success is about creating benefit for all and enjoying the process. If you focus on this & adopt this definition, success is yours."
11. Most things that we think are impossible in life, is because we have never tried them, so go for every dream and opportunity before making a judgment.
12. The man who chases two rabbits, catches none.

who finds the cure. Sometimes it may take years of painstaking work and research to find the cure, but ultimately the success is achieved.

As a result we find that the fields of medicine and surgery have advanced beyond imagination. A damaged organ can be transplanted, in today's medically advanced world.

Besides allopathic systems of medicines, there are doctors who practice Ayurvedic, Unani and Homeopathic system of medicine. Innovative practices of treatment, like the Chinese acupuncture and acupressure, yoga, Nature cure etc. have also gained popularity in the country.

The doctors practicing traditional systems are locally available and often called 'barefoot doctors'. There is a revived interest in these

systems of treatment and many allopathic doctors combine their treatment with traditional methods like yoga, nature cure and Ayurveda. The whole purpose is to serve the mankind and remove the pain and sufferings of patients. In this respect, the society is indebted to the profession of doctors.

A doctor's life is hard. Often, he has to visit the patient at off hours foregoing his rest, sleep and even food. Sometimes the doctor has to work throughout the day and night attending to serious patients or victims of war, epidemic or major accident. He has to always treat his patients with a smile and cheer. He motivates and encourages sick person. He is a source of hope and strength. Even in distress, his duty is first towards his patient. Always remembering the famous Hippocratic oath, he pledges his life in alleviating the sufferings of the patients.

Muhammad
Taimur Ali

"An Apple a Day, keep the Doctor Away"

It's one of the most recognizable expressions around:

"An apple a day keeps the doctor away."

Let's consider some of the apple's components and their effect on our health:

Pectin -- Pectin is a form of soluble fiber that lowers both blood pressure and glucose levels. It can also lower the levels of LDL, or "bad" cholesterol in the body. Pectin, like other forms of fiber, helps maintain the health of the digestive system. Apples are an excellent source of pectin.

Boron -- A nutrient found in abundance in apples, boron supports strong bones and a

healthy brain.

Quercetin -- A flavonoid, this nutrient shows promise for reducing the risk of various cancers, including cancers in the lungs and breast. It may also reduce free radical damage. Free radicals develop when atoms in the body's cells have unpaired electrons, which can lead to damage to different parts of the cell, including DNA. Quercetin may neutralize free radical damage, which has been implicated in a variety of age-related health problems, including Alzheimer's disease.

Vitamin C -- Vitamin C boosts immunity,

human thought.

3. The third of the characteristics of our civilization is the way in which it gave prominence to moral principles in all its systems and fields of activity, and never abandoned these principles or used them as means of benefitting a state, a group or an individual. In ruling, in science, in legislation, in war, in peace, in economy, in the family; it

paid attention to these moral principles in legislation and in implementation of laws. In this field it reached a high level that has never been attained by any civilization before or since. The Islamic civilization left behind a legacy in that field which deserves to be admired for it alone, among all civilizations, guaranteed the happiness of man in the purest sense, not contaminated with any misery.

5 THINGS OF ADAM ALAIHIS SALAM

Muhammad ibn al-Duri said.

“The damnation of Iblis was due to five things:

- He did not acknowledge his sin
- He did not regret it
- He did not blame himself
- He did not resolve to repent and
- He lost hope in the mercy of Allah.

The salvation of Adam was due to five things:

- He acknowledged his sin

Hafiz Muhammad Yousuf

- He regretted it
- He blamed himself
- He hastened to repent and
- He did not lose hope in the mercy of Allah.

(Hafiz ibn e hajr's book "preparation for the day of Judgment)

M. UMAR NOOR

DOCTORS The ANGELS

The human life on the earth is full of pleasures and sorrows, ups and downs, strength and weakness and health and illness like day and night these happenings are inherent in everyone's life cycle. But it is silver lining that there are noble people who work all their lives to mitigate the sufferings of the others. Among them, the profession of doctors is perhaps most respected for service to the society.

A doctor dedicates his life to the service of the patients. He or she relieves the sufferings and

pain of mankind. He cures them from disease and illness. He strives to make the life of others better and healthier.

The doctor works to prevent spread of the epidemics. Every now and then dangerous diseases grab the humanity. It is the doctor



in the heavens or on earth that is not subject to His dominion and held in His grasp.

This sublime understanding of the concept of oneness has a great effect in raising the level of mankind and of liberating the masses from the oppression of kings, nobles, powerful men and the clergy; in reforming the relationship between rulers and subjects; in guiding people to Allah Alone, Who is the Creator of the universe and the Lord of the worlds. This belief also had a great effect on Islamic civilization which is virtually unique among all civilizations before or since in that it is free from all forms of idolatry and of idolatrous literature and philosophy in its beliefs, rule, art, poetry and literature. This is the reason why Islamic civilization refrained from translating the Iliad and the best of idolatrous Greek literature. It is also the reason why Islamic civilization fell short in some of the arts of sculpture and image-making, despite its prominence in the arts of inscription, engraving and architectural adornment. Islam, which declared war on idolatry and its manifestations, did not permit any expressions or relics of idolatry from ancient times to exist in its civilization, such as statues of great men, righteous men, Prophets or conquerors. Statues are one of the most prominent features of ancient and modern civilizations, because none of them took belief in oneness to the extent that Islamic civilization did.

This belief in oneness has an impact on all the foundations and systems produced by our civilization. So there is unity in its message, unity in its legislation, unity in its general aims, unity in humanity in general, unity in the way of life and pattern of thinking. Researchers studying the Islamic arts have noticed a unity of style and taste in different

kinds of art, so that a piece of Andalusian ivory, a piece of Egyptian textile, a piece of Syrian pottery and a piece of Iranian metalwork, despite the differences in their forms and ornamentation, all have the same style and character.

2. The second of the characteristics of our civilization is that it is human in its inclinations and objectives, universal in its ambition and message.

The Quran declared the oneness of mankind despite the differences in their races, places of origin and abodes.

Allah Says (what means): {O mankind, indeed We have created you from male and female and made you peoples and tribes that you may know one another. Indeed, the most noble of you in the sight of Allah is the most righteous of you. Indeed, Allah is Knowing and Acquainted.} [Quran 49: 13]

When the Quran declared this universal oneness of mankind with regard to truth, goodness and dignity, it made its civilization the factor that brought together all the brilliant minds of all nations and peoples over whom the banner of Islam flew. Hence, whilst every civilization may be able to boast of its brilliant sons of one nationality, only Islamic civilization can boast of the brilliant minds from all nations and peoples who built it. For Abu Hanefah, Malik, Ash-Shaafi'i, Ahmad, Al-Khaleel, Sibawayh, Al-Kindi, Al-Ghazaali, Al-Faraabi, Ibn Rushd and their like were all of different origins but they were among the brilliant minds through whom Islamic civilization gave to humanity the marvelous intellectual products of sound

Concepts of Civilization in Islam



Taimoor Malik



Some of those who have written about the history of civilization define civilization as "a social system which helps man to increase his cultural output."

Civilization consists of four main elements: economical resources, political systems, moral traditions and science and arts. The development and progress of a civilization requires many factors such as geographical and economic factors, and psychological factors such as religion, language and education. The collapse of a civilization stems from factors which are the opposite of those which lead to its rise and development; the most important of these destructive factors include moral and intellectual decadence, lawlessness and breakdown of social systems, the spread of oppression and poverty, the spread of pessimism and apathy and the lack of competent and sincere leaders.

The story of civilization began when man first appeared, and it is a long chain which one civilized nation passes on to those who come after it. Civilization is not unique to any one land or race, rather it stems from the factors we have mentioned above. There is hardly any nation that has not written some of the pages of the history of civilization, but the thing that distinguishes one civilization from another is the strength of the foundation on which it is built, the great influence that it may have, and the benefits that humanity may enjoy as a result of its rise. The more universal a civilization is in its message, the more humane it is in its inclination, the more moral it is in its direction and the more realistic it is

in its principles, the more lasting will be its impact on history, the longer it will endure and the more it will deserve to be honored.

Our civilization is a link in the chain of human civilizations; some civilizations came before it and others will follow. There were factors that contributed to the rise of our civilization, and there are reasons for its decline, but this is not the topic under discussion here. Rather, before we examine the wonders of this civilization, we should discuss the serious role that it played in the history of human progress, and how much it contributed to the fields of belief, science, ethics, rule, art and literature, and how it had a lasting impact on humanity of all peoples and in all places.

The most important thing that attracts the attention of the one who studies our civilization is that it is distinguished by the following features:

1. It is based on a foundation of absolute oneness in belief. It was the first civilization that proclaimed the message of One God who has no partner or associate in His rule and dominion; He is the Only One who is worshipped and He is the Only One Who is sought.

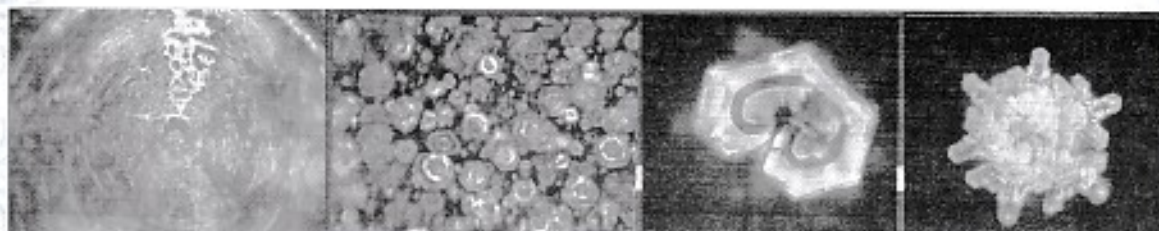
Allah Almighty Says what means: {It is you we worship and you we ask for help.} [Quran 1: 5]

He is the One Who honors and humiliates, who gives and withholds, and there is nothing

Water and Music

The song having the lyrics full of anger was played, the crystals has broken into pieces the

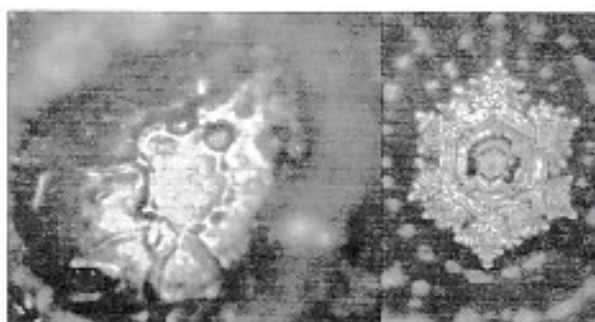
images for "heavy metal, fare well, Korean folk and Tibetan sutra" are as under accordingly.



Water and Praying

The water crystal photograph before experiment looks scary. They prayer by the lake for about one hour and the water becomes clearer right before their eyes the before and after prayer photographs are as under.

images for "heavy metal, fare well, Korean folk and Tibetan sutra" are as under accordingly.



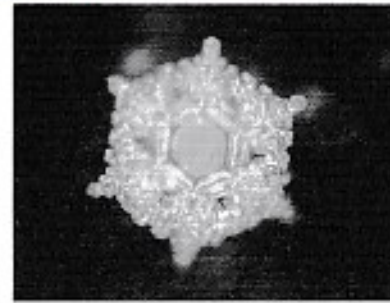
Thus in short combination of non-resonating vibration can result in destructive energy, and nothing can be created out of it. When some vibration and the other resonate each other, it always creates beautiful design. Thus, most of the Earth is covered with beautiful nature. That is why scientists, philosophers, and religionists pursue for unknown facts. The more we abuse the earth and the more we pollute our oceans and streams, the more anger, hostilities and wars we bring on ourselves. The more love and gratitude we show our earth, our water and our fellow man, the more we will all live in peace and harmony, putting an end to senseless famine, killings, rapes and corruption. Water crystals are simply mirrors of our souls and

conscience. Unless we treat the water within us with the respect and dignity it deserves, we will never be able to treat our earth and fellow man with the respect and dignity he or she deserves.

"Each one of us has the magical ability to change the world," Dr. Emoto writes. "We have all been granted the power of creation by God. If we use this power to the maximum, we will be able to change the world in but a moment." You can drink the purest water, but without a pure soul, the water will not taste good. Neither will the world unless we treat it with love and gratitude.

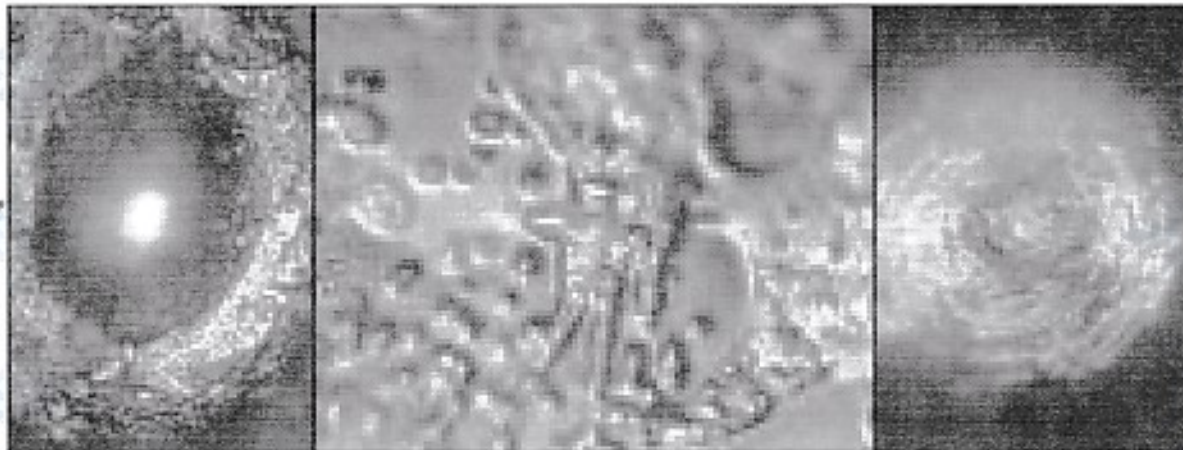


And the most amazing, when he and his told water "love and thanks," the water turned into beautiful crystals. How wonderful it will be if the water in our bodies becomes as beautiful as this one.



But water that was told "fool" produced ugly crystals similar to the heavy-metal exposed

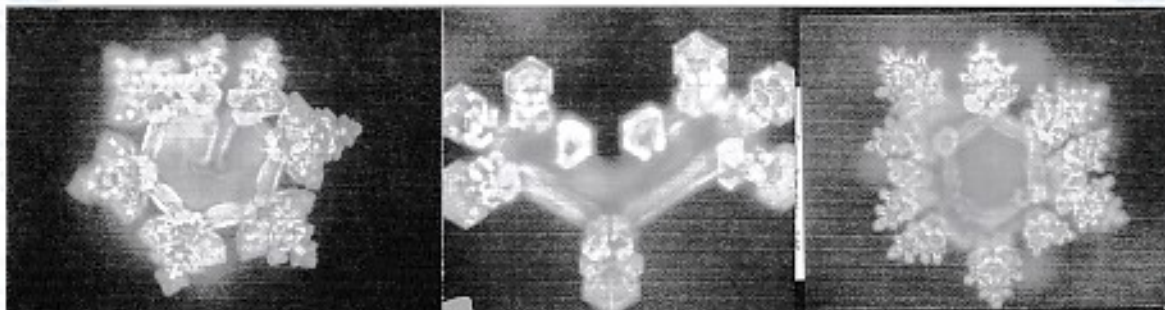
water. Images of crustal after showing "evil, u disgust me and fool" are as under accordingly



Dr. Emoto concludes that the manner we treat and communicate with others – "the vibration of good words" – has a positive effect on our world. He refers to it throughout his book as love and gratitude. When we treat water with love and gratitude, water reciprocates by giving back to us the most beautifully shaped crystals one has ever imagined.

Water and Picture

Picture of different sort do affect the water. When they showed the water a photo graph of an elephant, long trunk in middle of crystal appeared and when they showed a picture of heart, a cute heart appeared while showing the photo of Lotus the prettiness of crustal are vivid.



However, you don't have to obey them if they associate anyone else with Allah and are unbelievers

But if they strive with you to associate with Me that which you have no knowledge, then

obey them not; Yet bear them company in this life in a recognized manner. And follow the way of those who turn to me. In the end the return of you all is to me, and I will tell you the truth of all you did." (31:15)

THE POWER OF LOVE ★ AND GRATITUDE ★

SHAHBAZ
HUSSAIN

The average human body is 70% water, which means that how we treat ourselves and others greatly depends on how we treat the water inside us. Because we exist throughout our lives mostly on water, Dr. Emoto's numerous color photographs prove him right. Dr. Emoto believed for many years, long before he undertook his massive photographic and scientific experiments, that frozen ice crystals will form differently depending on how we treat the crystals. The crystals will express themselves in different ways if we are either kind and loving to the water or mean and cruel to it. Dr. Emoto believes that water outside our bodies will respond the same way we treat others from inside our bodies. To prove his theory, he built a special, enormous freezer where he froze water and looked at crystals. He found that each one came back unique depending on how the crystal reacted to his words, actions, music and writings.

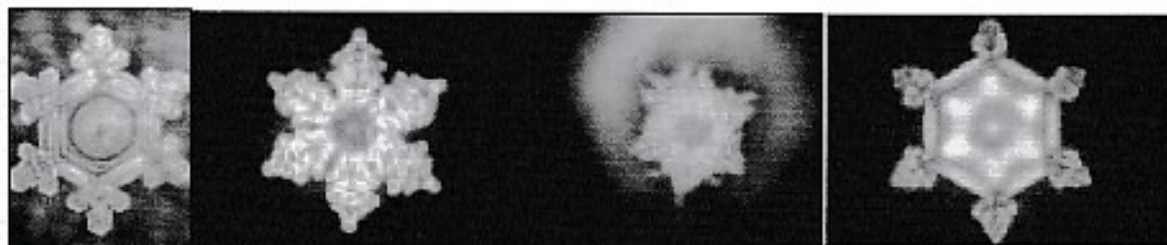
The observation was done in various ways:

1. Observe the crystal of frozen water after showing letters to water
2. Showing pictures to water
3. Playing music to water
4. Praying to water

He always observed beautiful crystals after giving good words, playing good music, and showing, playing, or offering pure prayer to water. On the other hand, he observed disfigured crystals in the opposite situation. Moreover, he never observed identical crystals.

Water and Words

When he and his laboratory assistant told water positive words the water turned into beautiful crystals. Images of crustal after showing "thank you, truth, peace and eternal" are as under accordingly



"Treat with kindness your parents and kindred and orphans and those in need." (2:83) among the parents, the status of the mother is three times higher than that of the father.

Quran says

"In travail upon travail did his mother bear him, and in years twain was his weaning." The prophet greatly stressed mothers' rights by saying

"Heaven is beneath the feet of mothers." Prophet Mohamad(PBUH) said:

"Every time a dutiful child looks with affection and respect towards his/her parents, God writes the reward of an approved Hajj (Pilgrimage) on behalf of that person."

☞ A man came to the Prophet and said, 'O Messenger of God! Who among the people is the most worthy of my good companionship? The Prophet said: Your mother. The man said, 'Then who?' The Prophet said: Then your mother. The man further asked, 'Then who?' The Prophet said: Then your mother. The man asked again, 'Then who?' The Prophet said: Then your father. (Bukhari, Muslim). The Prophet said that the most heinous sins of the world are:

To associate partners with Allah.

To disobey parents.

To give false evidence.

Also, Prophet Mohamad (PBUH) said: "God's pleasure is in the pleasure of the father, and God's displeasure is in the displeasure of the father."

"He who wishes to enter Paradise through its best door must please his parents."

"It is a pity that some people may not attain Paradise, on account of not serving their old parents."

"If a person looks with love at his parents, God writes in his favor the reward equal to the

performance of one Hajj."

[Someone asked, "will this promise be good if one looks at his parents one hundred times a day?" The Holy Prophet (PBUH) replied, "even if one does so a hundred thousand times a day, God gives the reward accordingly."] "A man or woman is bound to be good to his or her parents, even though they may have injured him or her."

Hazrat Ali (A.S.) that, "disobedience to parents is a major sin." He also stated that, "if a person looks at the face of his or her parents with wrathful eyes, despite the fact that injustice was done to him or her by the parents, his or her salah (prayer) will not be accepted by God."

Haroon, in order to go to jannat, one need to please his/her parents. You should not disobey them since it is a major sin and like I mentioned before, even if you look at your parents with "wrathful eyes" then your prayers will not be accepted by Allah [even though it was them who treated you unjustly]. So you should do good to them, even though they might now always do good to you. "Your Lord has decreed that you shall not worship except Him, and your parents shall be honored. As long as one or both of them live, you shall never say to them, 'Uff' (the slightest gesture of annoyance), nor shall you shout at them; you shall treat them amicably. And lower for them the wings of humility, and kindness, and say, 'My Lord, have mercy on them, for they have raised me from infancy.'" (17:23-24)

Prophet Muhammad is reported to have said: "On the Day of Judgment, my person will not be seen by those who drank liquor, those who on hearing my name did not invoke the blessings of God on me, or those who were cursed and disowned by their parents."

-nassai All bayhaqi, Ahmad]. "Modesty is the quality love by Allah. Hijab of the Muslim women is indeed part of modesty. Modesty accompanies Eemaan (faith). That is why Allah's messenger (PBUH) said "Modesty is part of Eemaan and Eemaan is in paradise" Also "Eemaan and modesty are companions, when one goes away other one goes away." look at the regard for modesty that our mother, Hazrat Aisha (R.A) possessed even in the presence of deceased, She said : "I used to enter the room where the messenger of Allah (PBUH) and my father (Hazrat Abu Bakar (RA) were buried without the having my garment on me saying its only my husband and father but when Hazrat Umar bin khattab (R.A) was later buried in the same place I did not enter the room except when I had my garment on."

How evil those women who expose

themselves are, let us ponder over the following ayat, " **But who so ever turn away from my reminder (i.e. neither believes in the Quran nor acts upon its teachings) verily for him is a life hardship we shall raise him up blind on the day of resurrection.**" [Surah Taha 20:124]

Displaying oneself is unlawful, further it is the quality of the most evil woman. According to statement of Allah's messenger (PBUH): " **Of the people of hell there are two whom I have never seen, the one possessing whips like the tail of ox and the flog people with them. the second the women who would be naked in spite of their being dressed, who are seduced to wrong (to wrong path) and seduced others their hair is high like the hump of camel these women would not enter paradise, nor will they smell its fragrance although its fragrance can be sensed from such and such a distance.**"

STATUS OF PARENTS IN ISLAM

It is very important to be kind to your parents, talk to them in a polite and respectful manner and being there for them when they need you the most. Disobeying them may lead you to hell.

Allah said in the quran-e-paak

"Show gratitude to me and to thy parents." (31:14)

"We have enjoined on man kindness to his parents." (46:15)

"We have enjoined on man and woman (to be good) to his/her parents; show gratitude to me and to thy parents; to me is (thy final) Goal. If they (parents) strive to make thee join in worship with Me things of which thou hast no

ABID ASLAM

knowledge, obey them not; yet bear them company in this life with justice (and consideration) and follow the way of those who turn to Me (in love)" (31:14-15).

"Be kind to your parents. Whether one or both of them attain old age in thy life, say not to them a word of contempt, nor repel them, but address them in terms of honor. And out of kindness, lower to them the wing of humility and say: "My Lord! Bestow on them thy mercy even as they cherished me in childhood." (17:23-24)

of HAZARAT MUHAMMAD (S.A.W). This is only possible when we will follow the principals of SHARIAT.

"Vile women are for vile men, and vile men are for vile women; and good women are for good men, and good men are for good

women. (AL-QURAN 24:26) |

- Is this pious or not?
 - Is this sensible or not?
 - Is this a true love or just a fancy?
 - Is SHARIAT attractive or not?
- Its upto to decide.....

A LIST OF THINGS YOU DON'T WANT TO HEAR DURING SURGERY

Qaisar Khan

- Oops!!
- Has anyone seen my watch.
- Come back with that! bad dog.
- Wait a minute, this is his spleen, than what's that.
- Damn there go the lights again.
- Everybody stand back! I lost my contact lens!
- Fire fire! everyone get out

IMPORTANCE OF HIJAB IN ISLAM

SANA SHARIF

Hijab is of the most important element of identity in the personality of Muslim women. hijab is not a piece of cloth o your head. It is a way of life actually. If you think about it, hijab is the way u talk, the way u walk, the very way u carry yourself. Infact hijab is an attitude in itself. It's a whole way of life. Hijab literally mean screen, curtain, partition, or concealment. IT mean to oneself from the view, Islam command a Muslim women to cover her completely so that she does not attract any attention. As Allah says in the holy Quran:

"O Prophet (PBUH)! Tell your wives and your daughters and the women of the believers to draw their cloak (veil) all over

their bodies (i.e. screen themselves completely except the eyes or one eye to see the way) that will be better that they should be known (as free respectable women) so as not to be annoyed. And Allah is ever oft-forgiving, most merciful." [Al -Ahzab 33:59]

Muslim women are like diamond, even more important than diamond. Muslim women are the hidden precious pearls that Allah has created and hijab / veil is just to secure you from evil, it's not oppressing you, and it clearly shows that Muslim women have much more value and respect than the non - Muslim women.

It is well known that the Muslim women are a creature of modesty. As Allah's messenger (PBUH) said: "Allah is modest and covering. He loves modesty and privacy [Abu Daud, An

in this world and hereafter, solving problems and establishing a progressive and at the same time Islamic / religious society. God has endowed man with two means, viz: religion and intellect.

The Qur'an present the highways of human progress and perfection and an Islamic society is duty bound to pave the ground for the

realization of the softly goal of The Qur'an by using the human intellect and scientific experience. Therefore, The Quran is not meant to address all the big and small problems in the life of man. It rather state the basic ways of achieving felicity and perfection and calls Muslims towards them.

PIOUS LOVE

"Pious feelings of a pious Muslim"

"ALLAH is the ONE, the heart is one
and the heart belongs to the ONE"

(Madda-Zhilluhum)

If you love me, don't confess your love to me through haraam (Unlawful) ways, this won't please me and will instead drive me away! Love games don't attract me. If you love me, have sabr (Patience) and I will knock on your door when the time is right.

Don't give me privileges which I don't deserve. Keep me away from you, and I will approach you. If you approach me, I will stay away from you. Don't love me, for I want you ignorant in love. I want to teach you love when the right time comes and when you will be mine, only when we are joined together under our Creator's satisfaction. Don't tell me what you feel, don't give me from your time, don't push me to lose you.

I am a man who does not want to see the one he loves committing sins or to live a forbidden love behind her family's back. I don't want her to feel guilty and don't want her heart to suffer. Put me under limits that I won't cross, kill me inside you so I won't grow to kill you inside me. Preserve what is beautiful inside you. I want you innocent, chaste, pure. I want you my love, but with Allah's blessings and not

Muhammad Qasim

satan's (evil) whisperings. And then, only then, I will face everything and will be ready to go through difficulties to get you.

Don't be easy because then, I may not value you. Don't love me now, so I won't hate you! My heart wants you and doesn't want to lose you. I don't want you to be just a passing fancy for me, I want you a wife, a lover, the mother of my children, I want you to be the one I will spend my whole life with. How could I be a faithful man to you when I try to break your chastity? How would I be faithful to you if I push you to betray your family? How could I trust a love which grew under Allah's wrath? To make you mine through niqah is Islam's way.

Till then wait patiently and do not dismay. To love you, means to protect you, To Love you is to bring you closer to Allah and his prophet (P.B.U.H.), and to preserve you, not to kill what is beautiful inside you.

I want you to be on such an esteem of character where SYEDA FATIMA ZAHARA (R.A) became pleased with you. I want our couple as one of the favorite couples

QUR'AN AS REFLECTED IN NAHJ-AL-BALAGHAH

"The Qur'an as True Light"

One of the demonstrative manifestations of God is light.

God has likened himself to light saying,

"Allah is the light of the heavens and the earth"

Sometimes the word of God is also described as "Light" for it is by means of light the man finds his way and is saved from wandering and getting lost. Since the most disastrous misguidance in the path of life is that which endanger the salvation of man, the real and true light is that which saves human beings from misguidance and clearly shows the true path of human perfection. In other words, it distinguishes the path of perfection and salvation from the path of degradation and deviation. God has described Qur'an as light, saying,

"Certainly there has come to you a light from Allah and a manifest book".

As such by benefiting from it, you can distinguish the path of felicity and perdition.

Hazrat Ali (A.S) thus says in sermon 189 while describing the Holy Qur'an, after describing Islam and Apostle (S);

"Then, Allah sent to him the book as a "Light" whose flames can't be extinguished, a "Lamp" whose gleam doesn't die, a "sea" whose depth can't be sounded".

In describing the Qur'an in this sermon by using and extremely beautiful similes, Hazrat Ali (A.S) want to acquaint the heart of

Syeda Bariha Zehra

Muslims with the greatness of Qur'an and draw their attention towards this magnificent divine asset which has been at their disposal.

Initially Imam Ali (A.S) describes the Qur'an as a light whose flames can't die. Through a similitude of what is intelligible to what is perceptible, he says that the Qur'an is like the great source of electric energy that illuminates the high ways that are running in different direction in the darken of night through a network of powerful electric light. By installing traffic lights along crossroads, it distinguishes the way that leads to a specific destination from those other ways that end up in terrible abysses for those who want to arrive safely at their destination. The Qur'an also plays the same role in the religious or Islamic society with a difference, the flames emanating from this source of light and illuminating the path of salvation can never be extinguished as such the path of truth is always straight and illuminated and The Holy Qur'an and the glowing flames emanating from it continuously warn its followers to be careful and not deviate. In another part of sermon, he (A) says,

"The Qur'an is effulgence with which there is no darken"

This is because heavenly book has innate beacons which incessantly illuminate the path of guidance and felicity. It must be noted, however that is attaining salvation and felicity

Ever since the dawn of human life on this planet, man has always sought to understand nature, his own place in the scheme of creation and the purpose of life itself. In this quest for Truth, spanning many centuries and diverse civilizations, organized religion has shaped human life and determined to a large extent, the course of history. While some religions have been based on books, claimed by their adherents to be divinely inspired, others have relied solely on human experience.

The Qur'an is not a book of science but a book of 'signs', i.e. ayats. There are more than six thousand 'signs' in the Qur'an of which more than a thousand deal with science. We all know that many a times Science takes a 'U-turn'.

"Knowledge exists potentially in the human soul like the seed in the soil by learning the potential becomes actual"

Here are some proofs of the attitude of the religion of Islam towards education, Islam encourages and urges its followers to learn, read, write and do research learning and scientific thinking

1. The first verses revealed in the Holy Quran say (what means):

"Read in the name of the Lord, who created man from congealed blood."

This means that the first revealed word was "read". This reflects the importance of reading and learning according to Islam.

2. The Holy Quran is scientific in its approach and thus it gives Muslims an example of scientific objectivity and the scientific approach. The Holy Quran often gives proofs to its statements.

Limited Effect of Science:

Scientific findings and research do not always affect human life satisfactorily. For example,

scientific research has shown that alcohol has a destructive influence on the brain, the digestive system, the heart and the nervous system. Everybody who drinks alcohol knows that alcohol is destructive to physical and mental health. Nevertheless, this scientific knowledge has not decreased the number of alcoholics. On the contrary, the number of alcoholics is increasing tremendously despite the findings of Science!

Science works successfully when it comes to the treatment of matter, but when it comes to human behavior, Science cannot do much. It cannot overcome bad customs, but a true religion can easily do that. In pre-Islamic times, people used to love wine, but when Islam prohibited drinking alcohol, wine was poured out on streets the moment the prohibition was declared. If a person fully submits to Allah, he obeys Him completely.

MEDICINE

HONEY HAS HEALING PROPERTIES

The bee assimilates juices of various kinds of flowers and fruit and forms within its body the honey, which it stores in its cells of wax. Only a couple of centuries ago man came to know that honey comes from the belly of the bee. This fact was mentioned in the Qur'an 1,400 years ago in the following verse:

"There issues from within their bodies A drink of varying colours, wherein is healing for men." [Al-Qur'an 16:69]

We are now aware that honey has a healing property and also a mild antiseptic property. The Russians used honey to cover their wounds in World War II. The wound would retain moisture and would leave very little scar tissue. Due to the density of honey, no fungus or bacteria would grow in the wound.

Ever since the dawn of human life on this planet, man has always sought to understand nature, his own place in the scheme of creation and the purpose of life itself. In this quest for Truth, spanning many centuries and diverse civilizations, organized religion has shaped human life and determined to a large extent, the course of history. While some religions have been based on books, claimed by their adherents to be divinely inspired, others have relied solely on human experience.

The Qur'an is not a book of science but a book of 'signs', i.e. ayats. There are more than six thousand 'signs' in the Qur'an of which more than a thousand deal with science. We all know that many a times Science takes a 'U-turn'.

"Knowledge exists potentially in the human soul like the seed in the soil by learning the potential becomes actual"

Here are some proofs of the attitude of the religion of Islam towards education, Islam encourages and urges its followers to learn, read, write and do research learning and scientific thinking

1. The first verses revealed in the Holy Quran say (what means):

"Read in the name of the Lord, who created man from congealed blood."

This means that the first revealed word was "read". This reflects the importance of reading and learning according to Islam.

2. The Holy Quran is scientific in its approach and thus it gives Muslims an example of scientific objectivity and the scientific approach. The Holy Quran often gives proofs to its statements.

Limited Effect of Science:

Scientific findings and research do not always affect human life satisfactorily. For example,

scientific research has shown that alcohol has a destructive influence on the brain, the digestive system, the heart and the nervous system. Everybody who drinks alcohol knows that alcohol is destructive to physical and mental health. Nevertheless, this scientific knowledge has not decreased the number of alcoholics. On the contrary, the number of alcoholics is increasing tremendously despite the findings of Science!

Science works successfully when it comes to the treatment of matter, but when it comes to human behavior, Science cannot do much. It cannot overcome bad customs, but a true religion can easily do that. In pre-Islamic times, people used to love wine, but when Islam prohibited drinking alcohol, wine was poured out on streets the moment the prohibition was declared. If a person fully submits to Allah, he obeys Him completely.

MEDICINE

HONEY HAS HEALING PROPERTIES

The bee assimilates juices of various kinds of flowers and fruit and forms within its body the honey, which it stores in its cells of wax. Only a couple of centuries ago man came to know that honey comes from the belly of the bee. This fact was mentioned in the Qur'an 1,400 years ago in the following verse:

"There issues from within their bodies A drink of varying colours, wherein is healing for men." [Al-Qur'an 16:69]

We are now aware that honey has a healing property and also a mild antiseptic property. The Russians used honey to cover their wounds in World War II. The wound would retain moisture and would leave very little scar tissue. Due to the density of honey, no fungus or bacteria would grow in the wound.

THE ISLAM AND MEDICAL SCIENCE



Muhammad Bilal



Ever since the dawn of human life on this planet, man has always sought to understand nature, his own place in the scheme of creation and the purpose of life itself. In this quest for Truth, spanning many centuries and diverse civilizations, organized religion has shaped human life and determined to a large extent, the course of history. While some religions have been based on books, claimed by their adherents to be divinely inspired, others have relied solely on human experience

The Qur'an is not a book of science but a book of 'signs', i.e. ayats. There are more than six thousand 'signs' in the Qur'an of which more than a thousand deal with science. We all know that many a times Science takes a 'U-turn'.

"Knowledge exists potentially in the human soul like the seed in the soil by learning the potential becomes actual"

Here are some proofs of the attitude of the religion of Islam towards education, Islam encourages and urges its followers to learn, read, write and do research learning and scientific thinking

1. The first verses revealed in the Holy Quran say (what means):

"Read in the name of the Lord, who created man from congealed blood."

This means that the first revealed word was "read". This reflects the importance of reading and learning according to Islam.

2. The Holy Quran is scientific in its approach and thus it gives Muslims an example of scientific objectivity and the scientific approach. The Holy Quran often

gives proofs to its statements.

Limited Effect of Science:

Scientific findings and research do not always affect human life satisfactorily. For example, scientific research has shown that alcohol has a destructive influence on the brain, the digestive system, the heart and the nervous system. Everybody who drinks alcohol knows that alcohol is destructive to physical and mental health. Nevertheless, this scientific knowledge has not decreased the number of alcoholics. On the contrary, the number of alcoholics is increasing tremendously despite the findings of Science!

Science works successfully when it comes to the treatment of matter, but when it comes to human behavior, Science cannot do much. It cannot overcome bad customs, but a true religion can easily do that. In pre-Islamic times, people used to love wine, but when Islam prohibited drinking alcohol, wine was poured out on streets the moment the prohibition was declared. If a person fully submits to Allah, he obeys Him completely.

MEDICINE

HONEY HAS HEALING PROPERTIES

The bee assimilates juices of various kinds of flowers and fruit and forms within its body the honey, which it stores in its cells of wax. Only a couple of centuries ago man came to know that honey comes from the belly of the bee.

and their rage will surface. Before you know, a large group will be moving to kill, to burn and to destroy. Everyone living in Pakistan can identify such people from those around them. They get angry if you talk about stopping the people from taking law in their hands, if you talk of missing people, if you talk of minorities' rights or if you talk of women's rights. If a girl wins an international recognition and prize, they start seeing conspiracy. They reserve all benefits of doubt for their people and deny the marginalised people any such privilege. Even if you don't live in Pakistan, you can see them on Facebook. Our students are trained not to be such narrow minded bigots. They will not sit on the fence either. They will actively work to keep themselves free of hatred, biases and bigotry, and will resist these cowardly acts at every level. "The darkest places in hell are reserved for those who maintain their neutrality in times of moral crisis." Dante Alighieri.

This edition of Mesiah is dedicated to the ex Chairperson of Muhammad Foundation Trust and my mother Mrs. Razia Ali Muhammad. She bravely fought against cancer for 5 long years and in the duration, got a daughter and a granddaughter married. No person has influenced me (or my brothers & sister) more than her. God promised (فَاتَكْرُونَنِي أَتَكْرِكُمْ) "You talk about me and I will talk about you". My parents lived the lives of God consciousness and now I regularly hear large number of people praising them on daily basis. Ammi always taught us how to live and love in happy, sad and difficult times. During her final years, she taught us how to leave this world with dignity and grace. She really taught me the meaning of true patience and endurance in those final days. Part of me has gone with her and part of her will live with me. I hope that her husband, parents and sisters will look after her better than we could. I am sure her Creator will certainly look after her. The world is not worth living without her. My eyes will never be seeing anything like her, my ears will never hear any voice like hers and my hands and lips will not touch anything so divine. But insha Allah my soul will unite with her one day which is hopefully, not too far.

ایک مشفق گود میرا بھی مقدر ہے رضی
زیست کے سفاک لمحوں سے جدا ہونے کے بعد

Thank you ammi for being my mother. You made me the richest and most fortunate person in the world. Thank you God for personifying love in the form of my ammi. (Please recite once Sura e Fateha and 3 times Sura e Ikhlas for her and my father's cesal e sawab.

PREFACE

Syed Razi Muhammad

Muhammad Medical College is not merely a teaching and training site of Medical subjects. It is an institution where 17-18 years old girls and boys come from all over Pakistan and spend 5 of their most impressionable, character & personality building years. 90% of them stay in the hostels within the 40 acres campus of Muhammad Medical College. These students return back to their parents as mature men and women at the age of 22-23 years as doctors, most of them getting married soon. Hence the roles they face (Doctors, spouses, parents, responsible members of the society) are what we have to prepare them for. We take it as our responsibility to develop them as unbiased, deep thinking, confident, broad minded and God conscious people, who understand their responsibilities and others' rights. We make them mentally, psychologically and through our various sports grounds (separate for boys and girls), physically healthy too.

One of the greatest skills and rewards in life is developing relationships and building families. We inculcate these skills in our students and teach them how to develop new pious relationships. We teach them the importance of autonomy and consent. We train them so they are not scared to allow their children (and others depending upon them) to live their lives, guiding them yet not forcing them. We teach them leadership and make them the role models for their families and patients. We teach them good values, altruism and empathy. We make them deep and critical thinkers and lifelong learners. We make them good citizens, good sons & daughters and good parents.

Our students understand the importance and value of science in their lives. Science is not merely a cognitive and technical procedure. It affects one's attitude and changes the personality. "Best evidence practice" is probably something that nearly everyone verbally agrees with. But it's not seen in many people's attitudes. Our students learn the value of empiricism and Best Evidence Practice.

Unfortunately we live in an era when lot of people living within and outside Pakistan harbour a fire of hatred. There's a group of people who look at the negative sides only. Who can't accept the progress made by girls, women, a member of the minority group and so on. These are the people who just need someone raising an alarm against a member of one of the marginalised groups

I N D E X

POEM	NAME	PG #
My Mask	M. Irfan Jutt	39
"Cyclic Beauty Of Time"	Hafiz M. Yousuf	40
"A Friend In Need Is A Friend Indeed"	Hassan Irshad	41
The Last Lesson Of The Day	Qaiser Khan	41
A Doctor's Prayer	Zainab Tariq	41
Father	M. Irfan Jutt	42
Goodbye Dear MMC	M Shahzad Akram	42
Resurrection	Syed Aun Muhammad	42
Position Holders		44
Co-Curricular Activities		60

POEM

NAME

PG

'Sins' And 'Marcy Of Allah'

Hafiz M. Yousuf

34

Two Hears

Aamir Riaz

34

My Mother

Ramla Fatima

34

Alone

Saira Hameed

34

Life Goes On, Life Goes On

Hafiz M. Yousuf

35

Friend

Aisha Riaz

35

Funny Poems

Hira Bhambhro

35

Nothingness Enfolds Me

Hafiz. M. Yousuf

35

Pharmacology

Sundas Mehak

36

Experience Of Life

Hafiz M. Yousuf

36

Depression "Poem"

Syeda Massoma

37

"Mom"

Hafiz M. Yousuf

37

"How Can I Forgive You"

Anamta Rehman

37

My World Pakistan

Waleed Yousuf

38

Death

Hafiz M. Yousuf

38

"ME"

Anamta Rehman

38

Student Life

Muzammil Javed

39

I Tried So Hard

Mohsin Maqsood

39

I
N
D
E
X

INDEX

ARTICLE	NAME	PG #
Reality Of Life	Muzammil Javed	20
"Seven Foods That Fight Inflammation And Belly Fat"	Faiz Rasool	21
Positive Sayings	Hyder Ali Pehlwan	22
9 Keys Of Success	Saim Noman	22
Medical Facts About Human Body	Mahnoor Inam	23
What Will Matter	Zeenat Khan	23
"Quotes"	Shahbaz Hussain	24
Husband And Wife Dialogue	Hafiz M. Yousuf	24
Voice Of Quran	Batool Zahra	25
Invisible Ink (For Secret Message)	Batool Zahra	25
Tumors Of The Human Society	Prof. Dr. G. R. Bhurgri	26
Friends & Friendship	Khalid Nawaz	26
Morals vs Ethics	M. Qasim	27
Corruption In Pakistan	Prof. G. R. Bhurgri	29
Importance Of Extracurricular Activities.	Zohaib Khawaja	31
"Don't Disturb!!!! I am Trying To Use My Zero Meter Brain....."	Shehnaz Zulfiqar	32

ARTICLE	NAME	PG #
PREFACE	Syed Razi Muhammad	01
The Islam And Medical Science	M. Bilal	03
Qur'an As Reflected in Nahj-al-Balaghah	Syeda Bariha Zehra	06
Pious Love	M.Qasim	07
A List Of Things You Don't Want Hear During Surgery	Qaisar Khan	08
Importance Of Hijab In Islam	Sana Sharif	08
Status Of Parents In Islam	Abid Aslam	09
The Power Of Love And Gratitude	Shahbaz Hussain	11
Concepts Of Civilization In Islam	Taimoor Malik	14
5 Things Of Adam Alaihis salam	Hafiz M. Yousuf	16
Doctors (The Angels)	M. Umar Noor	16
An Apple A Day, Keep A Doctor Away	M.Taimur Ali	17
Famous Success Quotes	Sheikh Ahmad	18
Hope, Give Light	Arsalan Haider	19
Famous Quotes Hurts Me With Truth But Beaver Comfort Me With Life	Qaisar Khan	19
"What Is Confidence?"	Faiz Rasool	19

Messiah

A Magazine of the MMCIans

2014-15

Under Guidance of
PROF. SYED RAZI MUHAMMAD
Managing Trustee

PATRON-IN-CHIEF

MRS. RAZIA ALI MUHAMMAD

PATRON

DR. A. H. MUHAMMAD (TRUSTEE, MFT)

ENGR. S. TAQI MUHAMMAD (TRUSTEE, MFT)

DR. S. AFAR ABBAS (PROFESSOR OF MEDICINE)

DR. SHAMSUL ARFEEN KHAN (PROF. OF BIOCHEMISTRY & VICE PRINCIPAL)

ENGLISH SECTION

EDITOR

DR. HABIB UR REHMAN CHOCHAN (ASSTT. PROF. OF PHYSIOLOGY)

HAFIZ MUHAMMAD YOUSUF (FINAL YEAR MBBS)

MR. ADNAN RAJPUT (SECRETARY TO MANAGING TRUSTEE)

MR. AUN MUHAMMAD (FIRST YEAR)

LAYOUT AND DESIGNING

MR. SYED MOBEEN

MR. ZUBAIR AHMED

Muhammad Medical College Mirpurkhas

